عظمتوں کے پاسباں

تصنیف: علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری

الممتاز پبلی کیشنز ۰ لاہور

میثم قادری

چودھویں صدی سے پہلے
اور
بعد کے علماء و مشائخ

عَظمتوں کے پاسباں

(حصہ دوم)

تصنیف:

علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری

الممتاز پبلی کیشنز ۰ لاہور

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب...............	عظمتوں کے پاسبان
تالیف	محمد عبدالحکیم شرف قادری
کتابت	محمد عاشق حسین ہاشمی (چنیوٹ)
تصحیح	مولانا ریاض احمد سعیدی، فیصل آباد
	جناب محمد عالم مختار حق، لاہور
طباعت	بار اول ربیع الاول ۱۴۲۱ھ، ۲۰۰۰ء
ناشر	الممتاز پبلی کیشنز، لاہور
باہتمام	حافظ نثار احمد قادری
تعداد	ایک ہزار
قیمت	

ملنے کے پتے

☆ مکتبہ قادریہ، دربار مارکیٹ، گنج بخش روڈ، لاہور

☆ مکتبہ قادریہ، جامعہ نظامیہ رضویہ، لوہاری منڈی لاہور

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

فہرست

عنوان	صفحہ
تقدیم: محمد عبدالحکیم شرف قادری	۷
باب نمبر ۱ چودھویں صدی سے پہلے کے علماء و مشائخ	۹
حضرت شیخ شرف الدین معروف بہ شیخ سعدی	۱۱
حضرت میر سید عبدالواحد بلگرامی	۱۶
حضرت میر سید شریف علی بن محمد جرجانی	۱۸
حضرت امام محمد غزالی	۲۷
حضرت امام محمد بن جزری	۳۵
حضرت شاہ محمد غوث	۳۷
حضرت امام یحییٰ بن شرف النووی (شارح مسلم شریف)	۴۶
سید یوسف حسینی راجا (مصنف تحفہ نصائح)	۵۰
باب نمبر ۲ چودھویں صدی اور اس کے بعد کے علماء و مشائخ	۵۳
علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری مفتی اعظم پاکستان	۵۵
صدر الشریعہ مولانا محمد امجد علی اعظمی (صاحب بہار شریعت)	۶۰
مولانا علامہ ڈاکٹر رضوان مدنی مدظلہ (نبیرہ ٔ حضرت مولانا ضیاء الدین مدنی)	۸۰
مولانا محمد سردار احمد چشتی قادری، محدث اعظم پاکستان	۸۵
مولانا علامہ سید محمد سلیمان اشرف بہاری	۹۵
علامہ سلیمان ماچھی پوری	۱۱۵

مولانا سیف خالد اشرفی	۱۱۷
حضرت علامہ شیخ محمد صالح فرفور (دمشق)	۱۲۲
حضرت مولانا ضیاء الدین احمد مدنی	۱۳۲
حضرت مولانا قاری محمد طفیل نقشبندی (حیدر آباد)	۱۳۶
مولانا محمد طفیل، بانی شمس العلوم، کراچی	۱۴۴
حضرت مولانا شاہ محمد عارف اللہ قادری، (واہ فیکٹری)	۱۵۱
مولانا علامہ سید عبداللہ شاہ، محدث دکن	۱۵۹
مولانا علامہ عبدالحق غور غشتوی	۱۶۷
مولانا قاضی عبدالحکیم ایم، اے	۱۷۴
حضرت خواجہ عبدالرحمٰن چھوہروی	۱۸۰
حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن مکی (مصنف فوائد مکیہ)	۱۹۳
عالمی مبلغ اسلام شاہ محمد عبدالعلیم صدیقی میرٹھی	۲۰۰
حضرت شیخ القرآن علامہ محمد عبدالغفور ہزاروی	۲۰۴
مولانا محمد عبدالمعم ہزاروی شہید	۲۰۹
مولانا علامہ غلام جہانیاں معینی قریشی	۲۲۲
مولانا علامہ غلام رسول سعیدی شارح مسلم	۲۲۷
حضرت علامہ سید محمد محدث کچھوچھوی (محدث اعظم ہند)	۲۳۶
مولانا علامہ محمد اشرف سیالوی (شیخ الحدیث)	۲۴۸
مناظر اسلام مولانا علامہ محمد عمر اچھروی	۲۵۶
مشائخ ڈھانگری شریف	۲۶۰
حضرت خواجہ حافظ محمد حیات	۲۶۷

حضرت خواجہ حافظ محمد علی	۲۷۰
حضرت مولانا پیر محمد فاضل	۲۷۱
مولانا محمد منشا تابش قصوری	۲۷۴
مولانا علامہ سید محمد ہاشم فاضل شمسی	۲۸۲
حافظ محمد یوسف سدیدی، خطاط العصر	۲۸۹
مولانا علامہ محمد مہر الدین نقشبندی، استاذ الاساتذہ	۲۹۸
مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی، صدر الافاضل	۳۰۶
حضرت مولانا نقی علی خان (والد ماجد امام احمد رضا)	۳۱۷
حضرت مولانا محمد نور اللہ نعیمی بصیر پوری، فقیہ العصر	۳۲۷
مولانا علامہ نور بخش توکلی (صاحب سیرت رسول عربی)	۳۳۶
حضرت علامہ ہدایت اللہ خان جونپوری، استاذ الاساتذہ	۳۵۷
حضرت مولانا محمد یار علی خاں، بانی فیض الرسول، انڈیا	۳۶۰
حضرت مولانا یار محمد بندیالوی، استاذ الاساتذہ	۳۶۶
مبلغ اسلام سید یوسف سید ہاشم رفاعی (کویت)	۳۷۳
باب نمبر ۳ تأثرات و مختصرات	۳۸۱
علامہ اطہر فرید شاہ، ساہیوال	۳۸۳
حضرت مولانا تقدس علی خاں، پیر جو گوٹھ	۳۸۴
مولانا محمد جلال الدین قادری (کھاریاں)	۳۸۷
مولانا مفتی خادم حسین سعیدی	۳۸۹
مولانا سید محمد ریاست علی قادری، کراچی	۳۹۲
مفتی سید شجاعت علی قادری، کراچی	۳۹۴

حضرت خواجہ پیر بارو، محمد عبداللہ، فتح پور	۳۹۶
حضرت مولانا عبدالحامد بدایونی، کراچی	۳۹۸
حضرت خواجہ غلام حسن، سَواگ شریف	۴۰۰
حضرت خواجہ غلام سدیدالدین، معظم آباد	۴۰۳
مولانا علامہ قاضی غلام محمود ہزاروی، ہری پور	۴۰۴
حضرت مولانا غلام محی الدین قادری، فیصل آباد	۴۰۵
مولانا مفتی محمد ابراہیم بدایونی	۴۱۰
مولانا حاجی محمد حنیف رحمہ اللہ تعالی، فیصل آباد	۴۱۲
مولانا محمد شفیع اوکاڑوی، خطیب پاکستان	۴۱۳
جناب محمد علی ظہوری رحمہ اللہ تعالی	۴۱۵
ڈاکٹر محمد مبارز ملک، پنجاب یونیورسٹی	۴۱۶
حضرت سید محمد مختار اشرف اشرفی جیلانی (انڈیا)	۴۱۹
مولانا علامہ مشتاق احمد نظامی، الٰہ آباد	۴۲۰
مولانا قاری مصلح الدین قادری، کراچی	۴۲۳
مولانا سید منصور حسین شاہ، فیصل آباد	۴۲۵
محترم سید نور محمد قادری، گجرات	۴۲۸
شیخ الحدیث مفتی محمد وقارالدین، کراچی	۴۲۹
مولانا فضل امام کی ایک غیر مطبوع تصنیف کا تعارف	۴۳۰
اسانید استاذ الاساتذہ حضرت مولانا غلام رسول رضوی (فیصل آباد)	۴۳۸

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقدیم

نحمده ونصلی ونسلم علی رسوله الکریم وعلی آله واصحابه اجمعین

راقم الحروف کے لکھے ہوئے مقالات مختلف رسائل وجرائد اور کتب میں بکھرے ہوئے تھے، اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے انہیں یکجا کیا گیا تو متعدد کتابیں تیار ہو گئیں، ان میں سے مقالات سیرت طیبہ کا ایک ایڈیشن مکتبہ قادریہ، لاہور اور دوسرا امیر ملت فاؤنڈیشن، لاہور کی طرف سے شائع ہو چکا ہے۔ چار سو صفحات پر مشتمل تذکرہ "نور نور چہرے" کے نام سے ۱۴۱۸ھ ۱۹۹۷ء میں مکتبہ قادریہ، لاہور کی طرف سے چھپ چکا ہے تین مقالات کا مجموعہ "لمعات امام ربانی" کے نام سے چھپ گیا ہے، اسی طرح خلفائے امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رضا اکیڈمی لاہور نے شائع کیا ہے۔ آخر الذکر مقالات کے دو مجموعے عزیزم محمد عبدالستار طاہر مسعودی کی ترتیب اور ملک محمد سعید مجاہد آبادی کے تعاون سے شائع ہوئے۔

اس طرح پیش نظر کتاب "عظمتوں کے پاسباں" پانچواں مجموعہ مقالات ہے جو عزیزم حافظ نثار احمد قادری سلمہ کی کوشش اور نگرانی میں شائع ہو رہا ہے اللہ تعالیٰ انہیں اشاعتی میدان میں دین متین کی خدمت کے لئے قبول فرمائے اور تمام اولاد کو راقم الحروف کے لئے صدقہ جاریہ بنائے۔

اس تذکرے کو تین ابواب پر تقسیم کیا گیا ہے، پہلے باب میں چودھویں صدی سے پہلے کے آٹھ مشاہیر اور اکابر ملت کا تذکرہ ہے، دوسرے باب میں چودھویں صدی اور اسکے بعد کے ۱۴۱ علماء ومشائخ کا تذکرہ ہے، جن میں سے اکثر رحلت فرما چکے ہیں۔ بعض اس وقت بحمدہ تعالیٰ بقید حیات ہیں، تیسرے باب میں رحلت فرمانے والے علماء ومشائخ کے بارے میں لکھے گئے تاثراتی مکتوبات اور بعض حضرات کے مختصر حالات ہیں، آخر میں صاحب تفہیم البخاری وتفسیر رضوی، استاذ الاساتذہ حضرت علامہ غلام رسول رضوی مدظلہ العالی کی سندوں کا عکس شائع کیا جا رہا ہے، حضرت کا تذکرہ "نور نور چہرے" میں شائع ہو چکا ہے، وہاں سندیں شامل نہ کی جا سکیں، ریکارڈ کو محفوظ کرنے کی غرض سے اس تذکرہ میں شامل کی جا رہی ہیں۔

اس تذکرے میں چند مقالات دوسرے ارباب قلم کے ان ہی کے نام سے شامل کر دیئے گئے

ہیں۔ جس کے لئے راقم ان کا شکر گزار ہے ۔

ا۔ مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی میر ٹھی۔ از پیر علی محمد راشدی

۲۔ مولانا شاہ محمد عارف اللہ قادری میر ٹھی۔ از پر فیسر خالد صدیقی

۳۔ قاضی محمد عبدالحکیم ایم۔اے : از مولانا محمد منشا تابش قصوری

یہ سب اللہ تعالی کا فضل و کرم اور سر کار دو عالم ﷺ کی نظر عنایت ہے کہ اس ذرہ ء بے مقدار کا اتنا کام منظر عام پر آگیا اور اہل علم نے اسے پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا۔ یہ سراپا عجز و قصور رب کریم جل مجدہ العظیم کا شکریہ کسی طور بھی ادا نہیں کر سکتا، اس کریم ورحیم کی بارگاہ میں دعا ہے کہ مجھے اور میری اولاد کو قرآن و حدیث اور علوم دینیہ کی خدمت کی توفیق آخر دم تک عطا فرمائے اور جو تھوڑا بہت کام کیا ہے اسے شرف قبولیت عطا فرمائے۔

رضویات کے بین الاقوامی سکالر اور سعادت لوح و قلم، پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مد ظلہ العالی کے ایما پر ان کے مرید صادق ، محترم محمد عبدالستار طاہر نے ۳۳۶ صفحات پر مشتمل ایک کتاب "محسن اہل سنت" لکھی جو رضا دار الاشاعت، لاہور نے شائع کی ہے، مختلف اصحاب علم اور تذکرہ نویسوں نے راقم کے بارے میں جو سطور بطور تذکرہ قلم بند کی تھیں، جناب طاہر نے وہ بھی "تذکار شرف" کے نام سے ڈیڑھ سو صفحات میں جمع کر دی ہیں، یہ کتاب الممتاز پبلی کیشنز، لاہور کی طرف سے چھپ چکی ہے، اس سے یہ تاثر حرف غلط ثابت ہوتا ہے کہ ہماری قوم کام کرنے والوں کی پزیرائی نہیں کرتی۔ فالحمد للہ تعالی علی ذلک پیش نظر تذکرہ کی کتابت جناب محمد عاشق حسین ہاشمی (چنیوٹ) نے کی، پروف ریڈنگ مولانا ریاض احمد سعیدی (فیصل آباد) اور جناب محمد عالم مختار حق نے کی، مولانا محمد منشا تابش قصوری، عزیزم ممتاز احمد سدیدی، فاضل جامعہ ازہر شریف اور مشتاق احمد قادری کے مشورے شامل رہے، مولائے کریم سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین بجاہ سیدالانبیاء والمرسلین

۲۴ صفر ۱۴۲۱ھ — محمد عبدالحکیم شرف قادری

۲۹ مئی ۲۰۰۰ء — شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

باب نمبر 1

چودھویں صدی سے
پہلے کے علماء و مشائخ

مختصر حالات

حضرت شیخ سعدی شیرازی رحمۃ اللہ تعالیٰ

حضرت شیخ کا نام شرف الدین، مصلح الدین، لقب اور سعدی تخلص ہے، جو سب سے زیادہ مشہور ہوا۔ شیخ کی ولادت اتابک مظفر الدین تکلہ بن زنگی کے دورِ حکومت میں ہوئی، لیکن چونکہ آپ نے تکلہ بن زنگی کے بھائی اتابک سعد بن زنگی کے زمانۂ حکومت میں شعر و شاعری شروع کی تھی، اس لئے اس کی نسبت سے اپنا تخلص سعدی رکھا۔

شیخ کا بچپن نہایت پاکیزہ گزرا۔ والد بزرگوار عبد اللہ شیرازی قدس سرہٗ بیحد متقی، پرہیزگار تھے۔ انہوں نے اپنے فرزند ارجمند کی کس طرح تربیت فرمائی اور کس طرح آداب و اخلاق سکھائے اور کس طرح بری باتوں سے روکا، اس کا اندازہ اس واقعے سے بخوبی ہو سکتا ہے، جیسے خود شیخ سعدی نے گلستاں میں نقل فرمایا ہے کہ چونکہ بچپن میں مجھے زہد و عبادت کا بہت شوق تھا، اس لئے ایک دفعہ تمام رات قرآن مجید کی تلاوت میں گزار دی۔ کچھ لوگ ہمارے گرد سوئے ہوئے تھے۔ میں نے والد صاحب کو کہا کہ یہ لوگ اس طرح محوِ خواب ہیں کہ گویا مر چکے ہیں، ان میں سے ایک آدمی نے بھی اتنا نہیں کیا کہ دو۲ رکعت نفل ہی پڑھ لے۔ والدِ گرامی نے فرمایا، "جانِ پدر! اگر تو نیز بخفتی ازاں بہتر کہ در پوستین خلق افتی۔" (اس غیبت سے تو بہتر تھا کہ تو بھی سویا رہتا)۔ خود حضرت شیخ کو اعتراف ہے کہ میری فضیلت و عظمت کا راز والدِ محترم کی تادیب اور زجر و توبیخ میں ہے۔ چنانچہ بوستاں میں فرماتے ہیں ؎

بخردی بخورد از بزرگاں قفا خدا دادش اندر بزرگی صفا

"سعدی نے بچپن میں بڑوں کی مرمت برداشت کی، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اسے بڑائی میں دل کی صفائی عطا فرما دی۔"

حضرت شیخ نے زیادہ تر تعلیم بغداد شریف میں الپ ارسلاں کے وزیر خواجہ نظام الملک طوسی کے قائم کردہ دارالعلوم نظامیہ میں حاصل کی۔ شیخ کے اساتذہ میں سب سے زیادہ مشہور علامہ ابوالفرج جمال الدین عبدالرحمٰن ابن جوزی علیہ الرحمہ ہیں۔ حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہ کی صحبت سے بھی فیض حاصل کیا اور اُن کے ہاتھ پر بیعت ہوئے۔ (حاشیہ گلستاں)

شیخ علیہ الرحمہ جب مدت تک کتابوں کا مطالعہ کر چکے، تو دل میں نسخہ کائنات کے مطالعے کا شوق پیدا ہوا، چنانچہ ایشیائے کوچک، بربر، حبش، مصر، شام، فلسطین، آرمینیا، عرب، جملہ ممالک ایران اکثر ممالک توران، ہندوستان، رود بار وغیرہ بے شمار ممالک کا سفر کیا۔ بے شمار لوگوں سے ملاقات کی اور بے انداز مصیبتوں کو برداشت کیا، لیکن ہمیشہ ہمت اور غور و فکر سے کام لیا۔ فرماتے ہیں:

"میں نے کبھی گردشِ زمانہ کی شکایت نہیں کی تھی، البتہ ایک دفعہ دامنِ صبر ہاتھ سے جاتا رہا۔ ہوا یوں کہ میں پاؤں سے ننگا تھا اور میرے پاس جوتا خریدنے کی ہمت بھی نہ تھی، میں پیچ و تاب کھاتا ہوا کوفہ کی جامع مسجد میں پہنچ گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک آدمی کے پاؤں ہی نہیں، میں فوراً سنبھل گیا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ میرے پاؤں تو ہیں، اگرچہ ننگے ہی سہی۔"

حضرت شیخ قدس سرہ نے سخت سے سخت تکلیفیں برداشت کیں، مگر ہمیشہ استقلال اور خودداری کا مظاہرہ کیا۔ فرماتے ہیں:

"ایک سال اسکندریہ میں سخت قحط پڑا، وہاں ایک نہایت دولتمند ہیجڑہ رہتا تھا جو فقرائ اور غرباء کی خوب آؤ بھگت کرتا، کچھ درویشوں نے مل کر مجھے اس کی دعوت پر چلنے کو کہا میں نے نہ صرف خود جانے سے انکار کر دیا، بلکہ انہیں بھی جانے سے منع کیا اور کہا کہ شیر چاہے بھوک سے مر ہی جائے، لیکن کُتے کا بچا ہوا کھانے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔"

حضرت شیخ قدس سرہٗ کی بڑی خوبی یہ تھی کہ بیش قیمت پند و نصائح سے ہر شخص کی رہنمائی کرتے، بالخصوص سلاطین اور حکام کو پوری بے باکی اور دلیری سے نصیحت کرتے خود گلستاں میں فرماتے ہیں :

نصیحت بادشاہاں کسے را مسلّم است کہ بیم سر ندارد و اُمّید زر۔

یعنی بادشاہوں کو وہی شخص نصیحت کر سکتا ہے جسے اپنے سر کا خطرہ اور انعام و اکرام کی اُمید ہو۔ بے شک یہ صفت حضرت شیخ میں مکمّل طور پر پائی جاتی تھی۔ ذرا اندازہ کیجئے کہ چنگیز خاں ایسے اسلام اور مُسلمانوں کے جانی دشمن کے پوتے اور ہلاکو خان کے بیٹے اباقاخان سے جب ملاقات ہوئی تو کچھ دیر گفتگو کے بعد شیخ جب رخصت ہونے لگے تو اباقاخان نے کہا، مجھے کوئی نصیحت کیجئے۔ حضرت شیخ نے فرمایا، دُنیا سے نیکی یا بدی آخرت میں ساتھ جائے گی، اب تمہیں اختیار ہے، ان دو میں سے جو منظور ہے، ساتھ لے جانا۔ اباقاخان نے گزارش کی کہ اس مضمون کو اشعار کا جامہ پہنا دیجئے۔ حضرت شیخ نے اسی وقت کہا :

شہے کہ پاسِ رعیت نگاہ میدارد
حلال باد خراجش کہ مزدِ چوپانی است
وگرنہ راعیِ خلق است زہر مارش باد
کہ ہرچہ میخورد از جزیہ مسلمانی است

" یعنی جو بادشاہ رعایا کی صحیح طور پر حفاظت کرتا ہے، اُس کے لئے خراج اس لیے حلال ہے کہ اس نے حفاظت کی اُجرت وصول کی ہے، اور اگر مخلوق کی حفاظت نہیں کرتا، تو خدا کرے کہ خراج اُس کے لئے زہر قاتل ہو، کیونکہ وہ مسلمانی کا جزیہ کھا رہا ہے۔ "

اباقاخان آبدیدہ ہوگیا اور کئی دفعہ پوچھا کہ میں مخلوق کا محافظ ہوں یا نہیں؟

ہر دفعہ شیخ نے یہی جواب دیا کہ اگر آپ محافظ ہیں تو پہلا شعر آپ کے مناسب ہے، ورنہ دوسرا شعر۔ اباقاخان حضرت شیخ کی وعظ و نصیحت سے خوش ہوا اور باعزاز رخصت کیا۔ اس طریقے سے ایک عام آدمی کو نصیحت دینی بھی مشکل ہوتی ہے، مگر شیخ نے اسلام سے بے خبر بادشاہ کے سامنے پوری بیباکی سے حق کی آواز کو بلند کیا۔

حضرت شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ کو بذلہ سنجی اور بات کے پُر لطف بنانے میں بے حد کمال حاصل تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ خواجہ شمس الدین نے اپنے غلام کے ہاتھ پانچسو دینار بطورِ نذرانہ ارسال کئے۔ غلام نے اس اعتماد پر کہ شیخ اغماض فرما جائیں گے، ڈیڑھ سو دینار نکال لئے اور ساڑھے تین سو شیخ کی خدمت میں پیش کر دیئے، چونکہ صاحب دیوان کے خط میں پانچ سو دینار لکھے تھے، اس لئے شیخ نے رسید میں یہ قطعہ لکھ بھیجا ؂

خواجہ تشریفم فرستادیٔ و مال   مالت افزوں باد و خصلت پائمال
ہر بدیناریت سالے عمر باد   تا بمانی سہ صد و پنجاہ سال

"تم نے میری عزت افزائی فرمائی اور پیسے بھیجے، تمہارا مال زیادہ ہو اور دشمن خوار۔ ہر دینار کے بدلے تمہاری عمر ایک سال ہو تاکہ تم ساڑھے تین سو برس زندہ رہو۔"

یہ قطعہ دیکھ کر جب صاحب دیوان کو حقیقتِ حال کا پتہ چلا تو غلام کو سخت ڈانٹ پلائی اور کمی کو پورا کر کے حضرت شیخ سے معذرت چاہی۔ (اکثر حالات حیاتِ سعدی سے لئے گئے ہیں)

حضرت شیخ ۶۹۱ھ، ۵ شوال المکرم، جمعہ کی رات اس دارِ فانی سے راہیٔ ملکِ بقا ہوئے۔ آپ کی عمر شریف کے متعلق مختلف اقوال ہیں، زیادہ تر یہ کہا جاتا ہے کہ ۱۲۰ سال تھی۔ فاضل اجل مولوی محمد نذیر احمد صاحب رامپوری

صاحبِ دُرِ یکتا نے تاریخ وفات اس طرح نقل کی ہے ؎

شیخ سعدی کہ عارفِ حق بُود — رازدانِ وجود مطلق بُود
موطن و مسکنش بہ شیراز است — مولد و مدفنش بہ شیراز است
یکصد و بست سال عُمرش بود — کاں زماں رحلت از جہاں فرمُود
بشب جمعۂ پنجم شوال — شد بفردوس آں ستودہ خصال
چُوں ز خاصانِ حق تعالیٰ بود — خاص تاریخ او ملک فرمود

۶۹۱ھ

حضرت شیخ قدس سرہٗ کی تصنیفات گلُستاں، بوستاں اور کریما کو بے حد شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی۔ حتیٰ کہ عربی، انگریزی، جرمنی، ڈچ، لاطینی اور اُردو وغیرہ زبانوں میں ان کے ترجمے ہو کر شائع ہو چکے ہیں۔ ہمارے درسِ نظامی کی ابتدا ہی کریما سے ہوتی ہے۔ یہ ایک آسان زبان میں بے شمار نصیحتوں کا خزینہ ہے۔ مولانا محمد رفیق چشتی گولڑوی[1] رحمہ اللہ تعالیٰ کو اس کی اہمیت کے پیشِ نظر فقیر نے کہا کہ اس پر اُردو میں ایسی شرح تحریر کریں، جس میں مشکل الفاظ کے معانی کا حل اور ہر شعر کا سلیس اور رواں ترجمہ ہو اور پھر مختصر الفاظ میں مطلب بھی بیان کر دیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے تھوڑے سے عرصہ میں اس شرح کو بحسن و خوبی پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا۔ بعد ازاں فقیر نے اس پر نظر ثانی اور بعض مقامات میں اضافے اور بعض مقامات میں حک و حذف سے کام لیا۔

اب بھی اگر کسی صاحبِ نظر کے علم میں کوئی غلطی آجائے، تو ہمیں اطلاع دی جائے بصورتِ صحت شکریہ کے ساتھ اصلاح قبول کی جائے گی۔

ابتدائیہ فیض عطا شرح کریما

---

[1] افسوس کہ حضرت علامہ چشتی ۸ر جولائی ۱۹۸۰ء کو ایک حادثے میں جاں بحق ہو گئے۔

ممدوحِ اکابر حضرت میر سیّد عبدالواحد بلگرامی

قدّس سرّہ العزیز

سبع سنابل عمدہ ترین کتابے است در عقائد و تصوف مشتمل است بر ہفت سُنبلہ و ہر سُنبلہ بمنزلہ باب است مصنّف او ممدوحِ اکابر و نادرِ روزگار حضرت مولانا سیّد میر عبدالواحد بلگرامی قدّس سرّہ السامی است۔ نبذے از احوال و آثار اُو در آخر کتاب بحوالۂ ماثر الکرام کہ از تصانیف میر سیّد غلام علی آزاد بلگرامی است ملحق کردہ شد۔ دریں جا چند ارشادات نقل می نمایم:

" امام احمد رضا فاضل بریلوی قدّس سرّہٗ می فرماید: سیّدِ سادات بلگرام، حضرت مرجع الفریقین، مجمع الطریقین، حبر شریعت، بحرِ طریقت، بقیۃ السّلف، حجّۃ الخلف سیّدنا و مولانا میر عبدالواحد حسینی قدّس سرّہ السامی کتاب مُستطاب سبع سنابل شریف تصنیف فرمود۔"

عظیم ترین امتیاز کہ سبع سنابل را حاصل شد این است کہ در بارگاہِ محبوبِ ربّ العالمین صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم مقبول و منظور شد۔ محبوب العاشقین حضرت شاہ حمزہ حُسینی مارہروی قدّس سرّہٗ کہ از سلسلۂ مشائخ امام احمد رضا است، در کاشف الاستار می فرماید:

"باید دانست کہ در خاندانِ ما حضرت سند المحققین سیّد عبدالواحد بلگرامی بسیار صاحبِ کمال برخاستہ اند۔ قطبِ فلکِ ہدایت و مرکزِ دائرۂ ولایت بود۔ در علوم صوری و معنوی فائق و از مشاربِ اہلِ تحقیق ذائق، صاحب تصنیف و تالیف است و نسبِ این فقیر بہ چہار واسطہ بذاتِ

مُبارکش می پیوندد۔"

بعد از چند اجزا فرماید :

"اشہر تصانیف او کتاب سبع سنابل است در سلوک و عقائد، حاجی الحرمین سید غلام علی آزاد سلمہ، در مآثر الکرام می نویسد۔ وقتے در شہر رمضان المبارک سنۃ خمس و ثلثین و الف مؤلف اوراق در دار الخلافہ شاہجہان آباد خدمت شاہ کلیم اللہ چشتی قدس سرہ را زیارت کرد و ذکر میر سید عبد الواحد قدس سرہ درمیان آمد شیخ مناقب و مآثر میر تا دیر بیان کرد و فرمود شبے در مدینہ منورہ پہلو بر بستر خواب گذاشتم در واقعہ می بینم کہ من و سید صبغۃ اللہ بروجی معاً در مجلس اقدس رسالت پناہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم باریاب شدیم۔ جمعے از صحابہ کرام و اولیائے امت حاضر اند۔ دریں ما شخصے است کہ حضرت بالوُکب بہ تبسم شیریں کردہ۔ حرفہا می زنند و التفات تمام دارند۔ چوں مجلس آخر شد از سید صبغۃ اللہ استفسار کردم کہ ایں شخص کیست کہ حضرت باو التفات بایں مرتبہ دارند، گفت میر عبد الواحد بلگرامی و باعث مزید احترام اُو این است کہ "سبع سنابل" تصنیف او در جناب رسالت پناہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) مقبول افتادہ۔"

سبع سنابل از مدت مدیدہ نایاب و ناپید بود۔ ارباب علم باوجود جد و جہد از حصول آں قاصر بودند، آقای محمد عالم مختار حق رکن شُنی رائٹرز گلڈ از راہِ کرم نسخۂ قدیمہ مطبوعہ مطبع نظامی فراہم کرد، عکس آں نُسخہ چاپ کردہ بہ خدمت اہلِ علم پیش کردیم۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک! از صمیمِ قلب متشکر و ممنون و دُعاگو ہستم۔ مولائے کریم ایں سعی حقیر را قبول فرماید۔ [1]

۷، ربیع الاول ۱۴۰۲ھ — محمد عبد الحکیم شرف قادری

---

[1] ابتدائیہ سبع سنابل فارسی، طبع مکتبہ قادریہ، لاہور

علامۃ العصر میر سیّد شریف جرجانی رحمہ اللہ تعالیٰ

علاّمہ قطب الدّین رازی شارح مطالع کے مایہ ناز شاگرد مُبارک شاہ مصر میں اپنے مدرسہ کے صحن میں چہل قدمی کر رہے تھے۔ اتنے میں انہیں ایک کمرے سے گفتگو کی آواز سُنائی دیتی ہے۔ قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ ایک طالب علم شرح مطالع کی تکرار کر رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ شارح مطالع نے یہ کہا، اُستاذ نے یہ کہا اور مَیں یہ کہتا ہوں۔ پھر جو اُس نے تقریر کی، تو اُس کی تقریر کی لطافت، روانی اور جُولانیٔ فکر کو دیکھ کر مبارک شاہ پر وجد طاری ہوگیا اور وہ فرطِ مُسرّت میں رقص کرنے لگے۔

اندر جاکر دیکھا تو یہ وہی ہونہار طالب علم تھا جو سولہ مرتبہ شرح مطالع پڑھنے کے بعد شوق کا دریا سینے میں چھُپائے خود شارح کے پاس ہرات جا پہنچا تھا۔ اُس وقت شارح عمر کی ایک سو بیس منزلیں طے کر چکے تھے اور ان کی پلکیں ڈھلک کر آنکھوں کے اُوپر آچکی تھیں۔ انہوں نے بمشکل پلکوں کو اُوپر اٹھا کر دیکھا تو نوجوان کی آنکھوں میں بلا کی ذہانت چمک رہی تھی۔ انہوں نے اپنے بڑھاپے کے پیشِ نظر پڑھانے سے معذرت کی اور اس نوجوان کے والہانہ شوق کو دیکھتے ہوئے یہ مشورہ دیا کہ تم مُبارک شاہ کے پاس مصر چلے جاؤ، وہ ہو بہو میری کاپی ہے۔

مبارک شاہ کو یاد آیا کہ جب یہ شوقِ مجسّم میرے پاس آیا تھا، تو میں نے تعلیم کے لئے دو شرطیں لگائی تھیں۔ ایک یہ کہ تمہیں مستقل طور پر سبق شروع نہیں کرایا جائے گا کوئی امیر زادہ پڑھنے کے لئے آئے گا، تو تم بھی شریکِ درس ہو سکو گے۔ دُوسری یہ کہ تمہیں کوئی سوال پوچھنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ علم کے شیدائی نے یہ دونوں شرطیں خندہ پیشانی سے قبول کرلیں اور درس میں شریک ہونے لگا۔

آج مبارک شاہ کو اندازہ ہوا کہ یہ نوجوان امتحان میں کامیاب ہو چکا ہے۔ آگے بڑھ کر اسے گلے لگایا اور اجازت دے دی کہ آج کے بعد تم جو پوچھنا چاہو، پوچھ سکتے ہو۔ یہ ہونہار طالب علم میر سید شریف جرجانی تھے[1]

آپ کا نام علی ابن محمد ابن علی جرجانی ہے۔ آپ حسینی سید ہیں۔ ۲۲ شعبان المعظم (۷۴۰ھ / ۱۳۳۹ء) کو جرجان (مملکت خوارزم کے ایک شہر) میں پیدا ہوئے[2] اپنے زمانہ کے اکابر علماء سے علم حاصل کیا۔ مبارک شاہ سے شرح مطالع پڑھی۔ ہدایہ کے محشی علامہ اکمل الدین محمد ابن محمود بابرتی سے علوم دینیہ حاصل کئے۔ یہاں تک کہ اپنے ہم عصر علماء سے سبقت لے گئے[3] اور السید السند، سید شریف جرجانی اور میر سید کے القاب سے مشہور ہوئے۔

میر سید نے حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے جلیل القدر خلیفہ خواجہ علاء الدین محمد ابن محمد عطار بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ سے تصوف کی تعلیم حاصل کی۔ سید کہا کرتے تھے جب تک میں حضرت عطار بخاری کی خدمت سے مشرف نہیں ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ کو جیسے کہ چاہیئے تھا، نہیں پہچانا تھا۔[4]

۷۷۰ھ میں بادشاہ شجاع الدین مظفر، قصر زرد میں مقیم تھا۔ میر سید نے اس تک رسائی کے لئے عجیب طریقہ نکالا۔ فوجیوں کا لباس پہن کر راستے میں کھڑے ہو گئے۔ علامہ تفتازانی بادشاہ کے پاس جا رہے تھے کہ راستے میں میر سید مل گئے اور کہنے لگے: میں مسافر ہوں اور تیر اندازی میں مہارت رکھتا ہوں، آپ بادشاہ سے سفارش کریں کہ

---

[1] غلام جیلانی، مولانا سید: البشیر شرح نحو میر (مطبوعہ الہ آباد) ص ۱۹-۱۸

[2] عمر رضا کحالہ، علامہ: معجم المؤلفین، ج ۷، ص ۲۱۶

[3] عبدالحی لکھنوی، علامہ: الفوائد البہیہ، ص ۸-۱۲۷

[4] فقیر محمد جہلمی، مولانا: حدائق الحنفیہ (مطبوعہ لاہور) ص ۳۳۸

مجھے ملاقات کا موقع دیا جائے۔ علامہ کی سفارش پر بادشاہ نے اُنہیں طلب کیا اور کہا کہ تیر اندازی کا مظاہرہ کرو۔ میر سیّد نے جیب سے کاغذات کا ایک مجموعہ نکال کر پیش کیا، جس میں مختلف مصنّفین پر اعتراضات تھے اور کہا کہ یہ میرے تیر ہیں اور یہ میرا فن ہے۔ علامہ تفتازانی کے فضل وکمال کے سامنے اِس جرآت کا مظاہرہ کرنا سیّد ہی کا کام تھا۔ بادشاہ نے سیّد کا بڑا احترام کیا اور اپنے ساتھ شیراز لے گئے اور مدرسہ دار الشفاء کا مدرّس بنا دیا۔ سیّد دس سال تک وہاں درس و تدریس میں مصروف رہے۔ [1]

جب تیمور لنگ نے شیراز پر حملہ کیا اور فتح کے بعد لوٹ مار کا بازار گرم ہوا، تو ایک وزیر کی سفارش پر سیّد کو پناہ ملی۔ تیمور اُنہیں اپنے ساتھ ورا النہر لے گیا۔ میر سیّد سمرقند میں فرائضِ تدریس انجام دیتے رہے۔ اس زمانے میں علامہ تفتازانی تیمور کی مجالس کے صدر الصدور تھے۔ تیمور کہا کرتا تھا کہ اگرچہ علم وفضل میں دونوں برابر ہیں، لیکن سیّد کو نسبی اعتبار سے تفتازانی پر فضیلت حاصل ہے۔ [2]

تیمور لنگ کی سلطنت کی وسعت کا یہ عالم تھا کہ دُنیا کا اکثر حصّہ اس کے زیرِ نگیں تھا۔ میر سیّد کو اس کے دربار میں تقرّب حاصل تھا۔ ایک دفعہ میر سیّد نے علامہ تفتازانی کے حواشی کشاف پر اعتراض کیا۔ زیرِ بحث کشّاف کی وہ عبارت تھی، جس میں أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ میں بیک وقت استعارہ تبعیہ اور تمثیلیہ قرار دیا گیا ہے۔ تیمور کے سامنے مناظرہ ہوا۔ نعمان معتزلی کو جج مقرّر کیا، جس نے سیّد کے حق میں فیصلہ دیا۔ تیمور نے سیّد کے اعزاز میں اضافہ کر دیا اور علامہ تفتازانی کے مرتبہ میں کمی کر دی۔ یہ ۷۹۱ھ کا واقعہ ہے۔

---

[1] وکیل احمد سکندر پوری، علامہ، مولانا؛ اخبار النحاۃ (مطبوعہ مجتبائی) ص ۱۲۳

[2] ایضاً؛ ص ۱۲۳

علامہ کا اسی غم میں محرم ۷۹۲ھ میں انتقال ہوگیا۔ [1]

پھر حضرت شیخ محمد ابن الجزری اور میر سید کے درمیان ۸۰۶ھ میں مناظرہ ہوا اور علامہ جزری غالب ہوتے۔ تیمور نے ان کا مرتبہ بڑھا دیا اور سید کا مرتبہ کم کر دیا۔

علامہ عبد العزیز پرہاروی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَھٰذا الکل من سوءِ فہم الامیر فان الافحام فی مسئلۃ لا یوجب نقصانا فی علم العالم۔ [2]

"یہ سب تیمور لنگ کی کم فہمی کا نتیجہ تھا، ورنہ کسی ایک مسئلے میں لاجواب ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس کا علم ناقص ہے۔"

مولانا عبد الحی لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"تذکرہ نگار متفق ہیں کہ سید حنفی تھے۔ میرے دیکھنے میں نہیں آیا کہ کسی نے انہیں شافعیہ میں شمار کیا ہو، البتہ علامہ تفتازانی کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہ حنفی تھے یا شافعی تھے۔" [3]

علامہ زرکلی فرماتے ہیں:

علی بن محمد بن علی المعروف بالشریف الجرجانی فیلسوف من کبار العلماء بالعربیۃ ولد فی تاکو (قرب استر آباد) ودرس فی شیراز [4]

"علی ابن محمد ابن علی المعروف شریف جرجانی، عظیم فلسفی اور عربی کے اکابر علماء میں سے تھے۔ استر آباد کے قریب تاکو میں پیدا ہوتے اور شیراز میں درس دیا۔"

---

[1] عبد العزیز پرہاروی، علامہ: نبراس شرح شرح عقائد (عبد الحی محمد ...) ص ۳

[2] ایضاً: ص ۳

[3] عبد الحی لکھنوی، علامہ: الفوائد البہیہ

[4] خیر الدین زرکلی، علامہ: الاعلام (مطبوعہ دار العلم، بیروت) ج ۵، ص ۷

سید سند نے پچاس سے زائد تصانیف یادگار چھوڑیں، جو اُن کے علم وفضل کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ چند تصانیف کے نام یہ ہیں:

(۱) شریفیہ شرح سراجی (۲) شرح وقایہ (۳) شرح مفتاح (۴) شرح تذکرۂ طُوسی (۵) شرح تلخیص چغمینی (علمِ ہیئت میں) (۶) شرح کافیہ (فارسی) علامہ عبدالحق خیرآبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے تسہیل الکافیہ کے نام سے اسی کا عربی ترجمہ کیا ہے۔ (۷) حاشیہ تفسیر بیضاوی (۸) حاشیہ مشکوٰۃ (۹) حاشیہ ہدایہ (۱۰) حاشیہ شرح شمسیہ (میر قطبی) (۱۱) حاشیہ مطوّل (۱۲) حاشیہ رضی (۱۳) حاشیہ تلویح (۱۴) صرف میر (۱۵) نحو میر (فارسی) (۱۶) صغریٰ کبریٰ (۱۷) تعریفات (۱۸) مناقبِ خواجہ نقشبند وغیرہ — ان میں سے متعدد کتابیں درسِ نظامی کے نصاب میں داخل ہیں۔

چہار شنبہ (بدھ) ۶ ربیع الاوّل ۸۱۶ھ میں سیّد سند کا وصال ہوا۔ "مشہورِ دارین" تاریخِ وفات ہے۔ [1]

نحو میر

نوعمری کے زمانہ کی لکھی ہوئی وہ مختصر اور بابرکت کتاب ہے جو پاک وہند کے تمام مدارسِ دینیہ میں داخلِ نصاب ہے اور بلاشبہ لاکھوں علماء اسے پڑھ چکے ہیں، اس میں نحو کے مسائل انتہائی آسان زبان میں بیان کئے گئے ہیں — جس طالب علم کو یہ کتاب اچھی طرح یاد ہو، انشاء اللہ العزیز اسے عبارت پڑھنے میں دشواری نہیں ہوگی۔ نحو میر سے پہلے ضروری ہے کہ طالب علم میزان الصّرف یا صرف کی کوئی ابتدائی کتاب پڑھ چکا ہو اور اُسے عربی مفردات کا کچھ ذخیرہ یاد ہو۔

---

[1] فقیر محمد جہلمی، مولانا: حدائق الحنفیہ، ص ۳۴۱

تدریس کا انداز

اساتذہ کو چاہیے کہ وہ درج ذیل پندرہ امور پر خصوصی توجہ دیں:

۱- طلباء کو نحو میر اچھی طرح زبانی یاد کرائیں اور بار بار سنیں۔

۲- ابتداءً سہ اقسامِ اسم، فعل اور حرف کی پہچان کرائیں، اور جو مثال سامنے آئے، اس کے ایک ایک لفظ کے بارے میں پوچھیں کہ یہ سہ اقسام میں سے کیا ہے؟

۳- شش اقسام ثلاثی مجرد، ثلاثی مزید، رباعی مجرد، رباعی مزید، خماسی مجرد اور خماسی مزید کی پہچان کرائیں۔

۴- ہفت اقسام کے بارے میں شناخت کرائیں، جو اس شعر میں مذکور ہیں ؎

صحیح[۱] است ومثال[۲] است ومضاعف[۳] لفیف[۴] وناقص[۵] ومهموز[۶] اجوف[۷]

۵- مصدر اور مشتق کے بارے میں پوچھیں کہ یہ کس باب سے ہے؟

(یہ سوالات صَرف سے متعلق ہیں)

۶- اِبتدائی اسباق میں مُفرد اور مرکب، مرکب تام، اور ناقص کا فرق ذہن نشین کرائیں۔ پھر جملہ خبریہ اور انشائیہ، جُملہ اِسمیہ اور فعلیہ، نیز مُسند اور مُسندالیہ کی شناخت کرائیں۔

۷- پھر آگے جاکر معرب اور مبنی، متمکّن اور غیر متمکّن کے بارے میں پوچھیں۔ غیر متمکّن ہے تو اُس کی آٹھ قسموں میں سے کونسی قسم ہے۔ متمکّن ہے تو اس کی سولہ قسموں میں سے کونسی قسم ہے؟ اس قسم کا اِعراب کیا ہے اور اس وقت کون سا اعراب ہے اور کیوں؟

۸- اسم، ظاہر ہے یا ضمیر؟ ضمیر ہے تو کونسی قسم مرفوع، منصوب یا مجرور، پھر متّصل ہے یا منفصل —؟

۹- معرفہ ہے یا نکرہ؟ معرفہ ہے تو کونسی قسم ہے؟ مذکّر ہے یا مؤنّث؟ مؤنّث ہے تو اس کی علامت کیا ہے؟ اسی طرح مفرد ہے یا جمع؟ جمع ہے تو اس کی کونسی قسم ہے؟ جمع سالم یا مکسّر، جمع قِلّت ہے یا کثرت؟

۱۰- فعل مضارع کا صیغہ آئے، تو پوچھا جائے کہ یہ معرب ہے یا مبنی؟ معرب ہے، تو اس کی چار قسموں میں سے کونسی قسم ہے؟ اور اس کا اعراب کیا ہے؟

۱۱- عامل اور معمول کی نشان دہی کرائیں، عامل لفظی ہے یا معنوی؟ عامل لفظی ہے تو وہ اسم ہے یا فعل یا حرف؟ اس عامل کے بارے میں پوچھیں کہ وہ کیا عمل کرتا ہے؟ عامِل معنوی ہے تو کونسا؟ اور وہ کیا عمل کرتا ہے؟

۱۲- معمول متبوع ہے یا تابع، تابع ہے، تو کونسی قسم؟ اس کی تعریف کیا ہے؟

۱۳- اسم متمکن منصرف ہے یا غیر منصرف؟ غیر منصرف کی تعریف کیا ہے؟ اس جگہ وہ کونسے دو سبب ہیں، جن کی وجہ سے کلمہ غیر منصرف ہے؟

۱۴- انتہائی ضروری ہے کہ مائۃ عامل منظوم زبانی یاد کرائیں، کیونکہ نظم کا یاد کرنا اور یاد رکھنا آسان ہوتا ہے۔ غرض یہ کہ طالب علم جتنے مسائل پڑھتا جائے، ان کا اجراء اوّل سے آخر تک ہوتا رہے، تو انشاءاللہ العزیز اسے شرح مائۃ عامل کی ترکیب میں کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی اور عبارت کا پڑھنا اُس کے لئے کچھ مشکل نہیں ہوگا۔

۱۵- طالب علم کی استعداد کے مطابق اسے چھوٹے چھوٹے جملے دیئے جائیں تاکہ وہ عربی سے اُردو اور اُردو سے عربی میں ترجمہ کرے۔
اس طرح اُسے لکھنے اور بولنے کی قدرت بھی حاصل ہوجائے گی۔

نحو کی تعریف

علم نحو، وہ علم ہے جس کے ذریعے اسم، فعل اور حرف کے آخر کی حالت معلوم ہوتی

ہے کہ اس میں تبدیلی آتی ہے یا نہیں اور کلمات کو آپس میں جوڑنے کا طریقہ معلوم ہوتا ہے۔

موضوع: علم کا موضوع وہ چیز ہے کہ علم میں جس کے حالات سے گفتگو کی جائے۔ نحو کا موضوع کلمہ اور کلام ہے۔ نحو میں کلمہ کی بحث اس اعتبار سے ہوتی ہے کہ اس کا آخر بدلتا ہے یا نہیں۔

غرض: عربی کلام میں لفظی خطا سے بچنا، یعنی خالص عربوں کے طریقے کے مطابق کلمات کو جوڑنا اور کلمات کے آخر میں تبدیلی لانا یا نہ لانا۔

واضع: نحو کے واضع حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں — حضرت ابوالاسود ظالم ابن عمر دُئلی (متوفی ۶۹ھ) فرماتے ہیں:

میں نے باب مدینۃ العلم حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ وہ کسی فکر میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ وجہ پوچھی تو فرمایا: میں نے ایک شخص کو غلط گفتگو کرتے ہوئے سنا ہے۔ میں چاہتا ہوں: عربی کے قواعد پر کوئی کتاب لکھی جائے۔ تین دن کے بعد حاضر ہوا، تو آپ نے ایک صحیفہ عنایت فرمایا جس میں اسم فعل، اور حرف کی تعریف تھی اور فرمایا: تم تلاش اور جستجو سے اس میں اضافہ کردو۔

حضرت ابوالاسود نے اس میں بابِ عطف، نعت، تعجب اور حروف مشبّہ بالفعل کا اضافہ کیا۔ جو کچھ لکھتے، اسے اصلاح کے لئے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمتِ اقدس میں پیش کر دیتے۔

وجہِ تسمیہ

جب حضرت ابوالاسود کافی کچھ لکھ چکے، تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا: مَا اَحْسَنَ هٰذا النَّحْوَ قَدْ نَحَوْتَ۔

ترجمہ: "تُو نے کتنے اچھے طریقے کا قصد کیا ہے۔

اسی بناء پر اس علم کا نام نحو قرار پایا۔ لفظ نحو کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے: (۱) قصد (۲) جہت (۳) مثل (۴) نوع۔ اس علم کو پہلے معنی کے اعتبار سے نحو کہا جاتا ہے، کیونکہ مصدر بعض اوقات اسم مفعول کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے، جیسے خلق بمعنی مخلوق، اسی طرح قصد بمعنی مقصود ہے۔[۱]

نحو میر کے آخر میں مفید رسائل چھپے ہوتے ملتے ہیں، لیکن عام طور پر مدارس میں وہ رسائل پڑھائے نہیں جاتے، اس لئے پیش نظر اشاعت میں اُن کو شامل نہیں کیا گیا، البتہ نحو میر کے ساتھ مستثنیٰ کی بحث اور مائۃ عامل منظوم کو شامل کیا جا رہا ہے کیونکہ ان کا پڑھانا اور یاد کرانا بہت ضروری ہے۔

اعتراف

راقم نے حاشیہ نحو میر میں امام نحو حضرت مولانا سید غلام جیلانی میرٹھی قدس سرہٗ کی شرح نحو میر البشیر اور حضرت بحر العلوم مولانا مفتی سید محمد افضل حسین شاہ قدس سرہٗ کی تصنیف لطیف بدایۃ النحو اور نحو میر کے فارسی حواشی سے استفادہ کیا ہے۔ سب سے زیادہ استفادہ البشیر سے کیا ہے۔ اس کے علاوہ استاذ الاساتذہ سلطان التدریس حضرت مولانا الحاج عطا محمد چشتی گولڑوی مدظلہٗ کے افادات جو دماغ کے کسی گوشہ میں محفوظ تھے، اُن کو صفحۂ قرطاس پر منتقل کر دیا گیا ہے۔ میرا اپنا اس میں کچھ نہیں، البتہ اس حاشیہ میں جو اغلاط ہوں گی، وہ بیشک فقیر کا کارنامہ ہوں گی۔

---

[۱] وکیل احمد سکندر پوری، مولانا: اخبار النحاۃ ص ۵-۴

مُقدّمہ نحو میر مطبوعہ ۱۹۸۴ء مکتبہ قادریہ لاہور

حجۃ الاسلام امام محمد غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ

آج کے خلائی دور میں مال و دولت کی فراوانی، آرائش اور تعیش کے وسائل کی کثرت اور سہولت فراہم کرنے والی جدید ترین سائنسی ایجادات کے باوجود وہ اطمینان و سکون ناپید ہے جو اس سے پہلے لوگوں کو حاصل تھا، وہ قوتِ عمل، وہ شرفِ انسانیت اور احترام آدمیت مفقود ہے، جو مسلمانوں کا طرّۂ امتیاز ہوا کرتا تھا، اس فکری انتشار اور بے عملی کا نتیجہ ہے کہ آج ہم ترقی کے بلند بانگ دعووں کے باوجود تنزل کی اتھاہ گہرائیوں میں گرتے چلے جا رہے ہیں علمی، اخلاقی، اعتقادی اور عملی لحاظ سے بگاڑ اور انحطاط دن بدن بڑھتا جا رہا ہے۔

دراصل انسان کا تعلق اپنے ربِّ کریم جل مجدہٗ اور اس کے حبیب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جتنا کمزور ہوتا جائے گا، اتنی ہی شدّت سے اس میں خامیاں اور خرابیاں بڑھتی جائیں گی۔ آبادی کے بے تحاشا بڑھ جانے کے ساتھ ساتھ فسق و فجور، بدعملی اور بدعقیدگی پھیلانے والی قوتیں تمام تر قوت اور غیر ملکی سرمائے کے بل بوتے پر مصروفِ عمل ہیں، ایسے میں علماء حق اور جانشینانِ مشائخ کی ذمہ داریوں میں کئی گنا اضافہ ہو گیا ہے۔ موجودہ دور کی ضرورت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ علماء و مشائخ کی تبلیغ و تلقین قطعاً ناکافی ہے اور اس میدان میں بڑی محنت کی ضرورت ہے۔

فاضلِ نوجوان حضرت مولانا محمد الیاس قادری امیر دعوتِ اسلامی لائقِ صد مبارکباد ہیں کہ انہوں نے تبلیغِ دین کا بیڑا اٹھایا اور مختصر سی مدّت میں قابلِ قدر کامیابی حاصل کی ہے۔ انہوں نے عوام الناس میں سے نوجوان مبلّغین کی ایک بڑی کھیپ تیار کی ہے جو پابند صوم و صلوٰۃ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی سُنّتِ مبارکہ کے مطابق مشت بھر داڑھی، سر پر عمامہ، جیب میں مسواک اور تبلیغ دین کے جذبے سے سرشار ہے۔ اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا تو یہ جماعت نہ صرف

پاکستان بلکہ دُنیا بھر میں اتباعِ شریعت اور پیروئ سُنّت کا نور پھیلانے کا عظیم الشان کارنامہ انجام دے گی۔ دعوتِ اسلامی نے سرِدست عوام النّاس کی سہولت کے پیش نظر حجۃ الاسلام امام محمد غزالی قدس سرّہ کی تصنیف لطیف مکاشفۃ القلوب کو تبلیغ کی بنیاد بنایا ہے۔ بلاشبہ یہ بہترین انتخاب ہے۔

امام غزالی علیہ الرحمہ ایک عرصہ تک منطق و فلسفہ، علمِ کلام، فن مناظرہ و دیگر فنون کی تدریس اور مطالعہ میں مصروف رہے۔ فلاسفہ، معتزلہ، باطنیہ اور روافض وغیرہم فرق باطلہ سے مناظرانہ معرکہ آرائیوں میں سرگرمی سے حصّہ لیتے رہے۔ پھر اُن کی زندگی میں وہ انقلابی موڑ آیا کہ انہوں نے اپنی تمام تر توجہات، عبادت و ریاضت اور تصوّف پر مرکوز کر دیں، وہ تصوف جو قرآن و حدیث کا عطر ہے، جو عملِ مسلسل کا درس دیتا ہے جو اخلاص اور خوفِ خدا کے بلندترین مقام تک پہنچاتا ہے جو انسان کو اخلاق کا پیکر بناتا ہے اور جو دُنیا و آخرت کی زندگی کے سنوارنے کی راہیں دکھاتا ہے۔ مختصر یہ کہ جو انسان کو مقامِ انسانیت سے روشناس کراتا ہے۔ یہی وہ تصوّف ہے جسے حضرت امام نے اپنی تصانیف میں پیش کیا ہے۔

حکیمِ اسلام امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ کے حکیمانہ سلسلۂ دعوت و تبلیغ اور رُشد و ہدایت سے صرف اس زمانے کے لوگ ہی فیض یاب نہیں ہوئے۔ بلکہ قبول عام کا درجہ حاصل کرنے والی ان کی لافانی تصانیف سے عوام و خواص رہتی دنیا تک فائدہ حاصل کرتے رہیں گے۔ ان کی بیسیوں تصانیف میں سے احیاءُ العلوم، کیمیائے سعادت، مکاشفۃ القلوب وہ زندہ جاوید کتابیں ہیں، جن سے اہلِ ذوق ہمیشہ ایمان کی تازگی اور حرارت اور دلوں کی حیاتِ نو حاصل کرتے رہیں گے ـــــ ادارہ شبیر برادرز لاہور کی خوش بختی ہے کہ وہ مکاشفۃ القلوب کا اُردو ترجمہ قارئین کے سامنے پیش کر رہا ہے۔

عُنوانِ سخن: مکاشفۃ القلوب، مطبوعہ شبیر برادرز، لاہور

امام غزالی مردِ قال و حال

حضرت امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے پانچویں صدی ہجری (۵۰۴ھ) میں آنکھ کھولی۔ ان کا نامِ نامی جس طرح ان کے عہدِ حیات میں محترم تھا، آج بھی عظمتِ اسلام کا نشان ہے۔ آپ کے والدِ گرامی محمد بن محمد رحمہ اللہ تعالیٰ رزقِ حلال کمانے کے لئے اُون کاتتے اور دکان پر بیچتے تھے، تنگدستی اور عُسرت کے باعث خود تو علم حاصل نہ کر سکے، لیکن علم سے لگن کے باعث علمائے کرام کی مجلسوں میں حاضر ہوتے اور گاہے گاہے اپنی ہمت کے مطابق علمائے کرام کو ہدیہ بھی پیش کرتے۔ علماء کی خدمت کر کے نہایت خوشی اور سکون محسوس کرتے تھے۔ علاوہ ازیں مجلسِ وعظ میں بھی نہایت شوق سے حاضری دیتے اور اکثر اُن کے دل میں ایک خواہش مچلتی رہتی اور بعض اوقات یہ حسرت اتنی شدّت اختیار کر جاتی کہ ان کی آنکھوں سے اشکوں کا سیل رواں جاری ہو جاتا اور اللہ تعالیٰ سے التجا کرتے کہ اے اللہ! میں تو علم حاصل نہیں کر سکا، مجھے واعظ بیٹا عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں دو صالح بیٹے عطا فرمائے، جن کے نام اس درویش خدا مست نے محمد غزالی اور احمد غزالی رکھّا۔ حضرت امام محمد غزالی ابھی پندرہ برس کے تھے، جبکہ حضرت احمد غزالی بارہ سال کے تھے کہ ان کے والدِ گرامی اپنے نونہالوں کو عالم اور واعظ دیکھنے کی حسرت لئے ۴۶۵ھ میں انتقال فرما گئے، لیکن ایک صُوفی مشرب دوست ابو حامد احمد بن محمد زاز کانی کو وصیت کر گئے کہ میرا جو کچھ اثاثہ ہے، اسے میرے بچوں کی پرورش اور تعلیم پر صرف کریں۔ حضرت ابو حامد احمد بن محمّد زاز کانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دوست کے بچّوں کو نہایت توجہ سے پالا پوسا اور پڑھایا۔ جب حضرت احمد زاز کانی علیہ الرحمہ کے پاس

سے اپنے دوست کا سرمایہ اور اپنا سرمایہ بھی ختم ہو گیا، تو انہوں نے ان دونوں بھائیوں سے کہا کہ میں فقیر آدمی ہوں، میرے پاس تمہارا جو کچھ تھا، میں نے تم پر خرچ کر دیا ہے اب تم دونوں طوس کے مدرسہ میں داخل ہو جاؤ تو یہ تم دونوں کے لئے زیادہ بہتر ہو گا۔

حصولِ علم

حضرت امام غزالی نے ابتدائی تعلیم اپنے والد گرامی کے صوفی منش دوست حضرت احمد بن محمد زادکانی سے حاصل کی۔ پھر طوس کے مدرسہ میں تعلیم حاصل کرنے کی بجائے جرجان روانہ ہوئے، جہاں مشہورِ زمانہ استاد ابونصر اسماعیلی کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا۔ یہاں رہ کر امام غزالی علیہ الرحمہ نے علوم متداولہ کی تعلیم میں بہت سے مدارج طے کئے۔ اپنے استادِ محترم سے جو کچھ سنتے، ضبطِ تحریر میں لاتے۔ حضرت امام غزالی کچھ عرصہ ابونصر فارابی کے پاس بھی رہے اور پھر طوس واپس تشریف لے آئے، لیکن علم کی تشنگی ابھی تک باقی تھی، لہٰذا آپ مدرسہ نظامیہ نیشاپور روانہ ہوتے اور مدرسہ نظامیہ کے صدر نشین امام الحرمین ابوالمعالی جوینی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہاں پہنچ کر حضرت امام غزالی انتہائی محنت اور مشقت سے تحصیلِ علم میں مشغول ہو گئے۔ دیگر علوم کے علاوہ علمِ مناظرہ، علم الکلام اور علمِ فلسفہ میں کمال حاصل کیا اور امام الحرمین کے تین سو تلامذہ میں سب سے سبقت لے گئے۔ اس طرح حضرت امام غزالی نے اپنے والد کے خوابوں کو صرف اٹھائیس برس کی عمر میں شرمندۂ تعبیر کر دیا۔

تدریس کا آغاز

مدرسہ نظامیہ بغداد کے صدر جانشین، امام الحرمین ابوالمعالی جوینی علیہ الرحمہ

۴۷۸ھ میں انتقال کر گئے، تو امام غزالی علیہ الرحمۃ خواجہ نظام الملک کے پاس پہنچے جو امام الحرمین کے جانشین کی تلاش میں تھا۔ نظام الملک نے امام صاحب کی بہت پذیرائی کی۔ یہاں امام غزالی نے علمائے کرام کے ساتھ علمی مذاکرہ کے بعد اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوالیا اور مدرسہ نظامیہ کی مسندِ صدارت پر فائز ہوتے۔ ۴۸۴ھ میں مدرسہ نظامیہ، بغداد کے مدرسِ اعلیٰ علامہ حسین بن علی طبری بھی انتقال فرما گئے، تو نظام الملک نے حضرت امام غزالی سے استدعا کی کہ اس خالی مسند کو رونق بخشیں اور تصنیف و تالیف کے ساتھ ساتھ تدریس کا فریضہ بھی سرانجام دیں۔ اس طرح آپ نے تدریس کا آغاز بھی فرما دیا۔ ۴۸۸ھ تک آپ مسندِ تدریس پر رونق افروز رہے۔

رُوحانی انقلاب

۴۸۷ھ اصفہان، مصر و عراق میں فرقہ باطنیہ کا ظہور ہوا، تو امام غزالی نے اس فتنے کی مناسب سرکوبی فرمائی۔ دوسری طرف علماء کی چپقلش بھی اپنے عروج پر تھی۔ علمائے اُمت کے اس اختلاف سے امام غزالی سخت کبیدہ خاطر ہوتے۔ ساتھ ہی ساتھ فلسفہ کا مطالعہ بھی جاری رکھا، لیکن علمی دنیا میں آپ کو اطمینان نصیب نہ ہوا، بلکہ اضطراب بڑھتا ہی گیا۔ آپ کی علمی قابلیت اور طبعی بیقراری کا عروجِ عظیم رُوحانی انقلاب کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ بالآخر آپ اپنی رُوحانی تسکین کے لیے مدرسہ نظامیہ کے منصبِ صدارت سے دستبردار ہو گئے، شان و شوکت کی اس زندگی پر بے سرو سامانی کی زندگی کو ترجیح دی۔ امام غزالی نے نہ صرف منصب کو چھوڑا، بلکہ شہر بغداد کو بھی چھوڑ دیا اور ایک طویل ہجرت کا ارادہ کرلیا اور اس ہجرت میں آنے والی تکلیفوں اور پریشانیوں کو نہایت

خندہ پیشانی سے قبول کیا۔ اپنی آپ بیتی بھی حضرت امام غزالی قدس سرہ نے تصنیف فرمائی جو آج بھی مقبول خاص و عام ہے۔ میری مراد المنقذ من الضلال سے ہے، جس کے متعدد ترجمے دستیاب ہیں۔ حضرت امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ہر طرف نظر دوڑائی، لیکن ان کی نظرِ انتخاب صرف صوفیاء کرام پر آ کے رُک گئی۔ حضرت امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

"میں نے جانا اور مجھے یقین ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کے راستے پر چلنے والے صرف اور صرف صوفیاء کرام ہیں، ان کی سیرت بہترین سیرتوں میں سے ہے، ان کا طریقہ صائب ترین طریقوں میں سے ہے اور وہ لوگ مہذب ترین اخلاق کے مالک ہیں، بلکہ اگر عقلاء کی عقلیں اور دانشوروں کی دانش اور شرع کی پیچیدگیوں سے آگاہ علماء کا علم یکجا ہو کر ان نیک نفس صوفیاء کی سیرت اور اخلاق میں اصلاح کرنا چاہے، تو ایسا نہیں کر سکتے، اس لئے کہ ان کی ظاہری اور باطنی حرکات و سکنات نورِ نبوت کا پرتو ہیں اور نورِ نبوت سے بڑھ کر کائنات میں ایسا کوئی نور نہیں، جس سے روشنی اخذ کی جا سکے۔ (المنقذ من الضلال ص ۳۲، ط: ترکی)

حضرت امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ کو جب یہ یقین حاصل ہو گیا کہ روحانی تسکین علمی دُنیا میں مفقود ہے اور یہ نعمت صرف صوفیاء کرام کی خدمت میں حاضری سے ہی حاصل ہو سکتی ہے، تو انہوں نے آرام و آسائش کو چھوڑا۔ علمائے کرام اور عمائدینِ سلطنت نے آپ کو روکنے کی بہت کوششیں کیں اور آپ فرماتے ہیں کہ میرے نفس نے بھی مجھے ہجرت کے ارادے سے روکنا چاہا اور عرصہ دراز تک ذہنی کشمکش میں مبتلا رکھا، جس سے میں اتنا بیمار ہوا کہ قوتِ گویائی جاتی رہی۔ اطباء نے جواب دے دیا، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ امام غزالی علیہ الرحمہ اپنے نظریۂ ہجرت اور صوفیاء

کی صحبت پر قائم رہے اور اپنی پہچان کے سفر پر نکل کھڑے ہوئے اور دس سال تک مملکت شام، بیت المقدس اور حجاز مقدس میں مقیم رہے اور عبادت و ریاضت کے ساتھ ساتھ مشقت کا راستہ بھی اختیار کیا۔ اس سلسلے میں آپ نے ادنیٰ سے ادنیٰ کام بھی سر انجام دیئے۔ دمشق کی جامع مسجد اموی کے ایک گوشے میں عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے اور خوش دلی سے مسجد میں جاروب کشی بھی کرتے رہتے، حتیٰ کہ غسل خانوں کی صفائی کو بھی عار نہیں سمجھتے تھے۔ رفتہ رفتہ لوگ آپ کے مقام و مرتبہ سے آگاہ ہوتے گئے اور آپ کے پاس ہجوم خلق بڑھتا گیا۔ جب آپ کا ذوقِ عبادت متاثر ہونا شروع ہو گیا تو آپ نے دمشق کو خیر باد کہہ دیا۔

یہاں سے حضرت امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ بیت المقدس پہنچے اور بیت المقدس میں واقع قبۃ الصخرہ کے ایک گوشے میں معتکف ہوئے۔ یہاں امام صاحب نے اپنے عہد کے عظیم صوفیاء کرام کی صحبت بھی اٹھائی۔ پھر امام غزالی علیہ الرحمہ حج بیت اللہ شریف اور روضۂ رسول پر حاضری کے لئے عازمِ سفر ہوئے۔ حرمین شریفین کی حاضری کے بعد وطن واپس تشریف لائے، لیکن ایک سال مکمل خلوت نشینی میں گزار دیا۔

امرائے سلطنت اور علماء کرام کے شدید تقاضوں کے پیشِ نظر دوبارہ مدرسہ نظامیہ میں مسندِ تدریس پر جلوہ افروز ہوئے۔ اب حضرت امام غزالی (رحمہ اللہ تعالیٰ) فقط ایک عالمِ دین ہی نہیں، درویش خدامست بھی تھے، اس لئے رشد و ہدایت کا طالب، ایک جمِ غفیر آپ کی طرف متوجہ ہو گیا۔ حضرت امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ کے اپنے بیان کے مطابق انہوں نے تصوف میں زیادہ تر تربیت حضرت ابوبکر نساج اور حضرت ابو علی فارمدی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہما سے حاصل کی، جبکہ سلسلۂ طریقت میں شیخ ابو علی فارمدی رحمہ اللہ تعالیٰ کے دامن سے وابستہ ہو گئے۔

حضرت امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حصولِ علم کے لئے مشکلات اور آزمائشیں برداشت کیں اور جب آپ کو آسودہ حالی نصیب ہوگئی تو علم سے عرفانِ ذات تک پہنچنے کے لئے اپنے علم، اپنی آسائشوں اور شہرت کو پس پشت ڈال کر، علمی دُنیا میں اپنی علمیت کا لوہا منوانے کے بعد تصوّف کی دُنیا میں بھی بُلند مقام حاصل کیا۔

یُوں تو آپ کی تمام تصنیفات، اُمّت کے لئے عظیم سرمایہ ہیں، لیکن دُنیائے تصوّف میں احیاء العلوم، کیمیائے سعادت، مکاشفۃ القلوب اور منہاج العابدین کو انتہائی قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ ایہاالولد بھی امام صاحب کی انتہائی قابلِ قدر اصلاحی اور راہنما تصنیف ہے، جس کا رواں شستہ ترجمہ خاندانِ معظّمیہ کے فرزند اور دارالعلوم محمّدیہ غوثیہ، بھیرہ شریف کے فاضل صاحبزادہ کمال الدین صاحب نے افادۂ عوام کے لئے کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس ترجمہ کو قبولِ عام عطا فرمائے۔ نیز حضرت مصنّف اور مترجم کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین!)

امام المجوّدین والمقرئین محمّد بن الجزری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت امام علامہ شمس الدین ابوالخیر محمد ابن محمد ابن محمّد ابن محمّد ابن علی ابن یوسف العمریٰ الدمشقی الشافعی ۲۵ رمضان المبارک ۷۵۱ھ/۱۳۵۰ء کو دمشق میں پیدا ہوئے[۱] دمشق ہی میں قرآن پاک حفظ کیا۔ ۷۶۵ھ میں قرآن مجید سُنایا، حدیث کا درس لیا بعض مشائخ سے الگ الگ قراءات کا درس لیا۔ ۷۶۸ھ میں سبعہ کا درس لیا اور اسی سال حج وزیارت سے مشرف ہوئے، پھر ۷۶۹ھ میں مصر گئے اور عشرہ، بارہ اور تیرہ قراءات کی تعلیم حاصل کی، پھر دمشق جاکر علامہ دمیاطی سے حدیث اور علامہ اسنوی سے فقہ پڑھی۔ مصر میں علم اصول، معانی اور بیان پڑھے۔ اسکندریہ میں ابن عبدالسّلام کے شاگردوں سے استفادہ کیا۔ اسمٰعیل ابن کثیر (مفسر) نے ۷۷۴ھ میں اور بلقینی نے ۷۷۵ھ میں سندِ اجازت دی۔

فراغت کے بعد تجوید و قرأت پڑھانے کا سلسلہ شروع کیا۔ ۷۹۳ھ میں شام کے قاضی مقرر کئے گئے۔ ۷۹۸ھ میں مصر تھے کہ ظلم وستم کا نشانہ بنے، تمام مال ومتاع چھین لیا گیا تو آپ رُوم میں جاکر بروسا شہر میں مقیم ہوگئے۔ وہاں بے شمار لوگوں نے استفادہ کیا۔

۸۰۵ھ میں جب تیمور اس علاقے پر مسلّط ہوا تو وہ آپ کو اپنے ساتھ ماوراءالنہر کے علاقہ میں لے گیا، وہاں آپ نے پہلے کش اور پھر سمرقند میں قیام کیا۔ وہیں آپ نے شرح مصابیح وغیرہ کتابیں لکھیں۔ شعبان ۸۰۷ھ میں تیمور کی وفات کے بعد خراسان، ہرات، یزد، اصبہان ہوتے ہوئے شیراز پہنچے۔ تو بادشاہ نے آپ کا بڑا احترام کیا اور شیراز کا قاضی مقرّر کردیا۔ ایک عرصہ تک وہاں قیام کے بعد ۸۲۳ھ میں دوبارہ حرمین شریفین کی زیارت سے مشرّف ہوئے،

---

[۱] عمر رضا کحالہ: معجم المؤلفین ج ۱۱، ص ۲۹۱

[۲] عبدالحی لکھنوی، مولانا: الفوائد البہیہ ص ۱۸۰

اور ایک عرصہ قیام کے بعد ۸۲۷ھ میں شیراز تشریف لائے اور وہیں جمعہ کے دن ۵ ربیع الاول ۸۳۳ھ / ۲۹ ۱۴ء کو جوارِ رحمت میں پہنچ گئے۔

آپ کے چار صاحبزادے (۱) ابوالخیر محمد (۲) ابوالفتح محمد (۳) ابوالبقاء اسمٰعیل (۴) ابوالفضل اسحٰق اور تین صاحبزادیاں (۱) فاطمہ (۲) عائشہ (۳) سلمیٰ۔ یہ تمام کے تمام حافظ، قاری اور محدث تھے۔

حضرت علامہ محمد ابن جزری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیک وقت مقری، مجود، حافظ، فقیہ، نحوی، بیانی، مؤرخ، مفسر، محدث اور شاعر تھے۔ آپ کی تصانیف عالیہ ان علوم وفنون میں آپ کی کامل دسترس پر شاہد ہیں۔ خصوصاً تجوید وقراءت میں آپ کی امامت مسلّم ہے، اور دنیا بھر کے قراء اور مجودین آپ کی تصانیفِ مبارکہ کے خوشہ چین ہیں۔

اسماعیل باشا بغدادی نے آپ کی تصانیف کی طویل فہرست دی ہے، چند تصانیف کے نام یہ ہیں، (۱) المقدمۃ الجزریہ (۲) اصول القراءات (۳) الاعلام فی احکام الادغام (۴) البیان فی خط عثمان (۵) تحبیر التیسیر فی القراءات (۶) التعریف بالمولد الشریف (۷) عرف التعریف بالمولد الشریف (۸) الحصن الحصین من کلام سید المرسلین (صلی اللہ علیہ وسلم) (احادیثِ طیبہ سے منتخب اوراد ووظائف کی معروف کتاب) (۹) ذات الشفاء فی سیرت المصطفیٰ ومن بعدہٗ من الخلفاء (۱۰) الدرر المضیہ فی قراءات الائمۃ الثلاثہ، (۱۱) القصد الاحمد فی رجال مسند احمد (۱۲) المسند الاحمد فی ما یتعلق بمسند احمد، (۱۳) الجوہرۃ فی النحو (۱۴) غایۃ المہرۃ فی الزیادۃ علی القراءات العشرۃ، (۱۵) مختصر تاریخ الاسلام للذہبی (۱۶) النشر فی القراءات العشر [۱]

مقدمہ جزریہ مدارسِ اسلامیہ میں پڑھائی جانے والی مختصر مگر جامع منظوم کتاب ہے، اس کے ۱۰۷ اشعار ہیں۔

پیش لفظ مقدمہ جزریہ، مطبوعہ مکتبہ قادریہ، لاہور

[۱] اسماعیل باشا البغدادی: ہدیۃ العارفین، ج ۲، ص ۱۲۷-۱۲۸

مُحدّثِ جلیل حضرت شاہ محمد غوث قادری قدس سرہٗ

اور رسالہ ذکو جہر

شریعت و طریقت کے راہنما، علمی اور نسبی عظمتوں کے جامع حضرت شاہ محمد غوث قادری رحمہ اللہ تعالیٰ ۱۰۹۱ھ/۱۶۸۰ء موضع سُلطان پور، علاقہ بگرام پشاور میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد حضرت ابوالبرکات سیّد حسن قادری رحمہ اللہ تعالیٰ (مزار شریف پشاور) اور جدِ امجد حضرت سیّد عبداللہ المعروف صحابی بغدادی قدس سرہٗ (مزار شریف مکلی ٹھٹھہ) اکابر اولیاء اور علماء میں سے تھے۔ حضرت شاہ محمد غوث قدس سرہٗ کا سلسلۂ نسب سولہ واسطوں سے حضرت غوثِ اعظم شیخ سیّد عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ سے ملتا ہے۔ آپ کی والدۂ ماجدہ حضرت پیر بابا سیّد علی ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ کی پرپوتی تھیں۔

اٹھارہ سال کی عمر میں مروّجہ علوم دینیہ سے فارغ ہو کر سلسلۂ عالیہ قادریہ میں والد ماجد کے ہاتھ پر بیعت ہوئے۔ چھ سال تک ریاضت و مجاہدہ میں مصروف رہے اور اجازت و خلافت سے مشرف ہوئے۔ جلال آباد، افغانستان کے قریب موضع کامہ میں مولانا اخوند محمد نعیم رحمہ اللہ تعالیٰ سے توضیح تلویح پڑھی۔ لاہور میں مولانا میاں جان محمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے حدیث شریف پڑھی اور سندِ حدیث حاصل کی۔

حضرت شاہ محمد غوث قادری قدس سرہٗ نے تمام زندگی عبادت و ریاضت، ارشاد و ہدایت، تبلیغ و تدریس اور تصنیف میں بسر کی۔ علومِ دینیہ اور خاص طور پر حدیث کے ساتھ انہیں بہت شغف تھا۔ انہوں نے تصانیف کا بڑا ذخیرہ یادگار چھوڑا، لیکن افسوس کہ کئی کتابیں زمانے کی دست بُرد سے محفوظ نہ رہ سکیں۔

آپ کی چند گراں قدر تصانیف یہ ہیں :

۱- شرح صحیح البخاری : حدیث شریف کے ساتھ والہانہ شغف کی بناء پر درس تدریس کا سلسلہ تو جاری رہتا ہی تھا حدیث کی تحریری ترجمانی کے لئے قلم اٹھایا اور بخاری شریف کے تین پاروں کا فارسی میں ترجمہ کیا اور صرف ترجمہ ہی نہیں کیا، بلکہ حضرت شیخ محقق شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور شیخ نورالحق محدث دہلوی قدس سرہما کے انداز میں مختصر مختصر شرح بھی فرماتے ہیں - اسماء رجال پر گفتگو کرتے ہیں اور مسائل کی تحقیق بھی فرماتے ہیں - شرح بخاری کی ابتداء میں فرماتے ہیں :

"سعادتوں کا حصول اتباعِ نبوی علیہ افضل الصلوات والتسلیمات پر موقوف ہے اور علمِ حدیث پر آگاہی کے بغیر اتباع نہیں ہو سکتی - علمِ حدیث میں لکھی گئی کتابوں میں سے صحیح ترین کتاب، صحیح بخاری ہے، اس لئے فقیر پر اس کے مطالعہ کا شوق غالب تھا اور اکثر اوقات اس کے ساتھ مشغول رہتا -

اِن دنوں ارادہ ہوا کہ شروح کا مطالعہ کر کے بخاری شریف کا فارسی میں ترجمہ کر دیا جائے" [۱]

۱۴۰۹ھ میں حضرت کے خانوادہ کی بزرگ علمی شخصیت پیر سید محمد امیر شاہ قادری مدظلہ (پشاور) نے اُردو ترجمہ کے ساتھ پہلے پارے کی شرح کا فارسی مخطوطہ بڑے اہتمام سے شائع کر دیا ہے - دو پارے ابھی منتظرِ اشاعت ہیں -

۲- اسرار التوحید (قلمی) وحدت الوجود کے موضوع پر، بزبان فارسی و عربی -

۳- اُصولِ حدیث (قلمی) اقسامِ حدیث اور طرقِ حدیث اور اسناد کا بیان -

۴- در کسب و بیان حقیقت و معرفت (قلمی) ذکر و فکر اور سلوک کے بارے میں اہم ہدایات

---

[۱] محمد غوث قادری، شاہ : شرح غوثیہ (مکتبۃ الحسن، پشاور) ص ۱

۵ - شرح قصیدہ غوثیہ (فارسی) چھپ چکی ہے۔
۶ - جواز ذکر جہر، عربی (قلمی)
تمام سلاسلِ طریقت میں ذکرِ الٰہی، سلوک و معرفت کے لئے بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ البتہ سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ میں ذکرِ خفی معمول اور مختار ہے، جبکہ دیگر سلاسل ذکرِ جہر پر عمل پیرا ہیں۔ حضرت شاہ محمد غوث قادری رحمہ اللہ تعالیٰ کے بعض ہم عصر علماء ذکرِ جہر سے منع کرتے تھے، اس لئے حضرت نے بزبان عربی ایک رسالہ لکھا، جس میں قرآن و حدیث اور مجتہدین و مفسرین کے ارشادات سے ذکر جہر کا جواز ثابت کیا۔
خطبہ کے بعد فرماتے ہیں:
"بے شک اللہ تعالیٰ کا ذکر تمام اعمال سے افضل ہے۔ ذکر کی دو قسمیں ہیں: (۱) ذکرِ خفی (۲) ذکرِ جہر ــ خفی کی دو قسمیں ہیں: (۱) قلبی (۲) لسانی، ذکرِ خفی کی دونوں قسمیں بلا شک و شبہہ بالاتفاق مستحب ہیں، رہا ذکر جہر تو وہ بھی بلا شبہہ جائز ہے، لیکن چونکہ بعض علماء ذکرِ جہر سے منع کرتے ہیں، اس لئے میں نے ارادہ کیا کہ کتاب و سنت اور اقوال مجتہدین کی روشنی میں اس کا جواز بیان کروں۔" [۱]

آیاتِ مبارکہ

اس سلسلے میں انہوں نے پانچ آیاتِ کریمہ پیش کی ہیں:
۱ - فَاِذَا قَضَیۡتُمۡ مَّنَاسِکَکُمۡ فَاذۡکُرُوا اللّٰہَ کَذِکۡرِکُمۡ اٰبَآءَکُمۡ اَوۡ اَشَدَّ ذِکۡرًا۔
"جب تم مناسکِ حج ادا کر چکو، تو اللہ (تعالیٰ) کا ذکر کرو، جیسے تم اپنے آباء کا ذکر کرتے ہو، یا اس سے زیادہ شدید۔"

---

[۱] محمد غوث قادری، شاہ: رسالہ ذکرِ جہر (قلمی)، ص ۳ ــ ۲

اس آیت کا مطلب بیان کرنے کے لئے تفسیر معالم التنزیل، کشّاف اور بیضاوی کے حوالے سے بیان کیا کہ عربوں کا طریقہ یہ تھا کہ حج سے فارغ ہو کر بیت اللہ شریف کے پاس یا منیٰ میں مسجد اور پہاڑ کے درمیان جمع ہوتے اور اپنے آباؤ اجداد کے فخریہ کارنامے بیان کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اپنے آباؤ اجداد کی طرح یا اس سے بھی زیادہ کثرت اور جوش وخروش سے میرا ذکر کرو۔

اس آیتِ مبارکہ سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"عبدِ ضعیف کہتا ہے: وہ لوگ ایک تو اپنے آباء کا ذکر کثرت سے کرتے تھے، دوسرا بُلند آواز سے، لہٰذا اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی بکثرت اور بُلند آواز سے ہونا چاہیئے، ورنہ مماثلت نہیں ہوگی، صفت کثرت کے ساتھ مماثلت کی تخصیص خلاف ظاہر ہے۔" [1]

۲۔ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا ط

"مومن وہی ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے، تو اُن کے دل کانپ جائیں اور جب اُنہیں اللہ کی آیتیں پڑھی جائیں، تو اُن کے ایمان کو مزید پختہ کردیں۔"

ذُکِرَ صیغہ مجہول اس لئے لایا گیا ہے کہ تاکہ پتا چلے کہ ذکر کرنے والا معین شخص نہیں ہے، اور جن مومنین کا ذکر کیا گیا ہے، اُن کے ماسوا کو بھی شامل ہے، دوسرے کے ذکر کرنے سے دل خوف زدہ ہوتا ہے تو سُن کر ہی ہوتا ہے اور سُنے گا اسی وقت جب ذکر باآواز بلند ہوگا۔

۳۔ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِينَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ۔

"اُن متواضع لوگوں کو خوشخبری دیجیے کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتے تو اُن کے دل ڈر جاتے ہیں۔"

---

[1] محمد غوث قادری، شاہ: رسالہ ذکر جہر (قلمی) ص ۶

۴- وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ؕ

"اگر کوئی مشرک آپ سے پناہ مانگے، تو اسے پناہ دیجئے یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سُنے۔"

۵- وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا -

"اور جب قرآن پڑھا جائے، تو توجہ سے سُنو اور چُپ رہو۔"

احادیث شریفہ

بُلند آواز سے ذکر کا جواز ثابت کرنے کے لئے حضرت محدّث جلیل رحمہ اللہ تعالیٰ نے متعدد احادیث نقل کی ہیں:

۱- امام بخاری حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسُول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے زمانۂ مبارک میں لوگ نماز سے فارغ ہوتے، تو بُلند آواز سے ذکر کرتے تھے۔

۲- صحیحین میں ان ہی سے روایت ہے کہ میں حضور نبی اکرم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی نماز کے ختم ہونے کو تکبیر کے ذریعے پہچانتا تھا۔۔ شارحین نے بیان کیا میں تکبیر اور ذکر سُن کر جان لیتا تھا کہ نماز ختم ہو گئی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کم عمر ہونے کی وجہ سے بعض اوقات، جماعت میں شامل نہیں ہوتے تھے۔

۳- امام مسلم، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسُول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم جب سلام پھیرتے، تو بلند آواز سے کہتے:

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ؕ (مشکوٰۃ شریف)

۴- صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسُول اللہ

صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: بندہ میرے بارے میں جیسا گمان کرتا ہے مَیں ویسا ہی اُس کے ساتھ معاملہ کرتا ہوں اور جب وہ میرا ذکر کرتا ہے تو میں اُس کے ساتھ ہوتا ہوں، پس اگر وہ اپنے دِل میں مجھے یاد کرے، تو میں بھی اُسے اپنے طور پر یاد کرتا ہوں اور اگر وہ جماعت میں میرا ذکر کرے، تو میں اُس سے بہتر جماعت میں اس کا ذکر کرتا ہوں۔

۵۔ امام نسائی حضرت عبدالرحمٰن بن ابزیٰ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم جب وتر سے سلام پھیرتے، تو تین مرتبہ کہتے: سُبحَانَ المَلِكِ القُدُّوسِ اور تیسری بار بُلند آواز سے یہ کلمات کہتے۔

۶۔ حضرت امام بخاری، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ حضور نبی اکرم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے فرمایا: لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ يَتَغَنَّ بِالْقُرْاٰنِ "یعنی وہ ہمارے طریقے پر نہیں، جو قرآن پاک خوش آوازی سے نہیں پڑھتا۔"

۷۔ ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کو اس قدر پسند نہیں کیا جس قدر خوش آواز نبی کے بُلند آواز سے قرآن پڑھنے کو پسند کیا۔

اقوالِ ائمّہ

حضرت محدّثِ جلیل قدس سرہٗ نے ہدایہ کے حواشی نہایہ، عنایہ اور کفایہ سے نقل کیا کہ ہمارے نزدیک اذکار میں اِخفاء مستحب ہے مگر جبکہ اس کا اعلان مقصود ہو جیسے اذان اور خطبہ وغیرہ اس صُورت میں بلند آواز سے ذکر مستحب ہے۔

اس حوالے سے اپنا مدّعا ثابت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اُس سے معلوم ہوا کہ جہر خلافِ مستحب ہے اور خلافِ مستحب جائز

ہے، اگر جہر حرام ہوتا تو اخفاء واجب ہوتا، مستحب نہ ہوتا، کیونکہ حرام
کی ضد واجب ہے"۔ لہ

اِس کے علاوہ فتاوٰی غرائب، فتاوٰی قاضی خان، فتاوٰی عالمگیری،
کبیری اور غایۃ البیان کے حوالے پیش کئے ہیں؛

ذکرِ جہر کے مانعین کے دلائل کا بھی جائزہ لیا ہے، مثلاً یہ آیتِ کریمہ پیش کی جاتی ہے:

وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيفَةً وَّدُونَ الْجَهْرِ (الآیۃ)

"اور اپنے رب کو اپنے دل میں یاد کرو عاجزی اور خوف کے ساتھ اور بغیر جہر کے"۔

محدّثِ جلیل رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ دُون الجہر کا معنیٰ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جہر بالکل نہ ہو، جبکہ اَدنی جہر بھی مُراد ہوسکتا ہے، تفسیر معالم التنزیل میں ہے کہ اس سے مُراد یہ ہے کہ جہری نماز میں شدید جہر کے ساتھ قرأت نہ کی جائے، جبکہ کشاف اور مدارک میں ہے کہ اس سے ہر طرح کا ذکر مراد ہے اور اخفاء، اخلاص کے بھی زیادہ قریب ہے اور غور و فکر کے بھی زیادہ قریب ہے۔ بندۂ ضعیف (حضرت محدّثِ جلیل) کہتا ہے کہ ان کا یہ کہنا کہ اِخفاء میں زیادہ اخلاص ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جہر بھی اخلاص سے خالی نہیں ہے۔ اگر جہر حرام ہوتا تو اس میں اخلاص سرے سے ہی نہ ہوتا۔

اِسی طرح مانعین یہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ "تم اپنی جانوں پر نرمی کرو کیونکہ تم بہرے یا غائب کو نہیں پکارتے"۔ محدّثِ جلیل اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ عبدالحق محدّث دہلوی قدّس سرہٗ وغیرہ مشکوٰۃ شریف کے شارحین فرماتے ہیں کہ یہ ممانعت ازراہِ شفقت ہے، بطورِ تحریم نہیں ہے۔ حدیث شریف کا معنیٰ یہ ہے کہ اپنی جانوں کو آسانی فراہم کرو اور اُن پر سختی نہ کرو اور شفقت کی بناء پر جو ممانعت ہوتی ہے، وہ حرُمت کے لئے نہیں ہوتی۔

لہ محمد غوث قادری، شاہ: رسالہ ذکرِ جہر ص ۱۲

دُوسری بات یہ ہے کہ یہ ارشاد اس وقت کا ہے، جب صحابۂ کرام غزوۂ خیبر سے واپسی پر رات کے وقت ایک ٹیلے پر چڑھے، اور اس زور سے تکبیر کہی کہ پہاڑ گونج اُٹھا، وہاں آس پاس کفّار بھی موجود تھے۔ ہوسکتا ہے کہ اس لئے ممانعت فرمائی ہو کہ کافر آواز سُن کر اچانک حملہ نہ کر دیں۔

تیسری بات یہ ہے کہ غزوۂ خیبر مدینہ منوّرہ میں ۷ھ میں واقع ہوا۔ تمام صحابۂ کرام حلال و حرام کے شرعی احکام جان چکے تھے۔ اگر جہر حرام ہوتا تو صحابہ کرام حُرمت کا علم رکھتے ہوئے کبھی بُلند آواز سے ذکر نہ کرتے۔ حقیقت یہی ہے کہ حضور نبی اکرم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے بطورِ تحریم نہیں، بلکہ ازراہِ شفقت منع فرمایا تھا۔ [۱]

حضرت محدّثِ جلیل کا اندازِ بیان بڑا متین ہے، وہ بڑے دل نشین اور معقول انداز میں اپنا مؤقف پیش کرتے ہیں۔ ایک جگہ فرماتے ہیں؛

"مشائخ فرماتے ہیں کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: اُذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيرًا اس آیت میں جس ذکر کثیر کا حکم دیا گیا ہے، وہ ذکر جہر پر صادق آتا ہے، کیونکہ بُلند آواز سے ذکر جب بہت سے سننے والوں کے کانوں اور دلوں تک پہنچے گا، تو یہ بھی ذکر ہے، بُلند آواز سے ذکر کرنے والا سُننے والوں کے ذکر کا سبب ہے اور نیکی پر راہنمائی کرنے والا بھی نیکی کرنے والے کی طرح ہے۔ اس طرح ایک ذکر، ذکر کثیر بن گیا، جبکہ ذکرِ خفی اس طرح نہیں ہوتا، نیز ذکرِ جہر میں زبان، کان اور دل سب کا حصّہ ہوتا ہے، جبکہ ذکرِ خفی میں اس طرح نہیں ہوتا۔ ہاں اگر ذکرِ خفی اس طرح جاری ہو اور زبان و دل پر اس قدر پختہ ہو جائے کہ اس سے غفلت نہ ہو تو بیشک یہ جہر سے بلند اور عظیم مرتبہ ہے۔" [۲]

---

[۱] محمّد غوث قادری، شاہ: رسالہ ذکر جہر ص ۲۷ - ۲۶

[۲] ایضاً: ص ۳۷ - ۳۶

ذکرِ جہر کے یہ جزئی فضائل ہیں، جبکہ ذکرِ خفی کے اپنے فضائل ہیں، مثلاً اس میں ریاکاری کا کوئی شائبہ نہیں ہوتا اور اس سے اصل مقصد حاصل ہوتا ہے اور وہ یہ کہ انسان کا باطن یادِ الٰہی میں مصروف رہتا ہے۔ وغیر ذالک

حضرت محدّثِ جلیل نے ذکر کا حکم بیان کرنے کے بعد کلمۂ طیبہ کا مفہوم اور مطلب بیان کیا ہے، کیونکہ افضل الذکر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ہے۔

یہ رسالۂ مبارکہ بیالیس ۴۲ صفحات پر مشتمل ہے، ہر صفحے میں گیارہ سطریں ہیں، زبان عربی اور خط نسخ ہے۔ یُوں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت محدّثِ جلیل کا اپنا لکھا ہوا نہیں ہے، کیونکہ اس میں کئی جگہ املاء کی غلطیاں دکھائی دیتی ہیں۔

اس رسالہ کے مطالعہ سے حضرت محدّثِ جلیل رحمہ اللہ تعالیٰ کے وسیع مطالعہ، گہری نظر اور قوتِ استدلال کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔ ضمناً جگہ جگہ مخالفین کی طرف سے پیش کردہ اعتراضات کے جوابات بڑی خوش اسلوبی سے دیئے ہیں۔

حضرت محدّثِ جلیل سیّد شاہ محمد غوث قادری گیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے عمر شریف کا زیادہ تر حصہ پشاور میں تبلیغ، تدریس اور ارشاد و ہدایت میں گزارا۔ آخر عمر میں لاہور تشریف لے آئے اور ۱۱۷۳ھ/۱۷۵۹ء میں یہیں وصال ہوا۔ دہلی دروازہ، لاہور کے باہر اکبری منڈی کے پاس آپ کا مزار پُر انوار مرجع خلائق ہے حال ہی میں آپ کے عقیدت مندوں نے مسجد اور مزار شریف کی تعمیرِ جدید کا کام کیا ہے، اور ساتھ ہی بُلند و بالا مینار تعمیر کیا ہے۔[۱]

---

[۱] حضرت محدّثِ جلیل کے سوانحی حالات محترمہ ڈاکٹر اُمّ سلمیٰ گیلانی کے مقالۂ ڈاکٹریٹ، "محدّثِ کبیر حضرت شاہ محمد غوث کی دینی و علمی خدمات"، مطبوعہ مکتبۃ الحسن، پشاور سے لئے گئے ہیں۔
۱۲ شرف قادری

شارح مسلم ومصنف ریاض الصالحین

امام یحییٰ بن شرف النّووی رحمہ اللہ تعالیٰ

آپ کا اسم شریف یحییٰ بن شرف حزامی، لقب محی الدّین اور کنیّت ابوزکریا ہے۔ آپ کے اجداد میں سے ایک کا نام حزام تھا، ان کی نسبت سے حزامی کہلائے۔ ماہِ محرّم کے پہلے عشرہ ۶۳۱ھ میں ایک گاؤں نوی میں پیدا ہوئے جو کہ دمشق کے مضافات میں واقع ہے، اس کی نسبت سے آپ کو نووی کہا گیا۔

قرآن پاک پڑھنے کے بعد ۶۴۹ھ میں دمشق آئے اور ساڑھے چار ماہ میں مذہبِ شافعی کی کتاب تنبیہ پڑھی اور سال کے باقی حصے میں مہذب کے حصہ عبادات کا چوتھائی حصہ پڑھا۔ پڑھنے کا اتنا شوق تھا کہ دو سال تک پہلو زمین سے نہیں لگایا اور دن رات مختلف علوم دینیہ کے اسباق اساتذہ سے پڑھا کرتے تھے۔ آپ نے بہت سے مشائخ سے استفادہ کیا، لیکن زیادہ تر حضرت کمال الدین اسحاق مغربی رحمہ اللہ تعالیٰ سے تعلیم حاصل کی۔

امام نووی نے امام رافعی کے بعد مذہب شافعی کی ترتیب وتحقیق کا قابلِ قدر کام کیا۔ اس وقت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب کا دارومدار امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصحیح اور تحقیق پر ہے۔ آپ زہد وتقویٰ اور عمل کا پیکر تھے۔ زندگی کی آسائشوں سے دُور رہتے، غسل کے لئے حمام میں نہ جاتے۔ باوجودیکہ اہلِ دمشق پھلوں کا بکثرت استعمال کرتے تھے، آپ وہاں کے پھل بالکل تناول نہ فرماتے۔ وجہ یہ تھی کہ وہاں کے پھل خیانت اور شبہات سے پاک نہ ہوتے تھے۔ جو کچھ والدین اپنے شہر سے بھیجتے، اسی پر اکتفا کرتے۔ دن رات میں ایک مرتبہ مغرب وعشاء کے درمیان

کھانا کھاتے اور ایک مرتبہ سحری کے وقت پانی پیتے۔ اہلِ شام برف کا پانی پینے کے خوگر تھے، مگر آپ برف کا ٹھنڈا پانی نہ پیتے۔ آپ نے تنہائی اور تجرّد کو اختیار کیا ہوا تھا، اس لئے شادی کی نوبت ہی نہ آئی۔

راتوں کو جاگنا اور عبادت و تصنیف میں مشغول رہنا آپ کا معمول تھا۔ شاہانِ وقت اور امراء کو برملا نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے منع کرتے اور مداہنت کو قطعاً دخل نہ دیتے۔ دو دفعہ حج بیت اللہ شریف کی سعادت حاصل کی۔ ۶۶۵ھ میں دار الحدیث اشرفیہ کے متولی مقرر ہوئے، لیکن بطورِ وظیفہ کچھ حاصل نہ کیا۔

آپ کی داڑھی مبارک میں صرف چند بال سفید آئے تھے۔ کسی مسئلہ پر بحث کے دوران بڑے وقار اور اطمینان سے گفتگو فرماتے۔ مذہباً شافعی تھے، لیکن تعصّب نام کو نہ تھا۔ اپنی کتابوں میں حضرت ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے شاگردوں کے اقوال نقل کرتے تھے۔ خود صوفی تھے اور بزرگانِ دین کے عقیدت مند۔

آخر میں اپنے گاؤں آگئے، بیت المقدس کی زیارت کی، سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے مزارِ مبارک پر حاضری دی۔ وطن میں اپنے والدین کے پاس بیمار ہوئے۔ بدھ کی رات ۱۴ رجب ۶۷۶ھ کو وصال ہوا[۱] رحمۃ اللہ علیہ ورضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

شیخ الاسلام، امام حافظ نووی رحمہ اللہ تعالیٰ علم و فضل کا بحرِ زخّار تھے۔ حضرت ابو العباس ابن فرج کہتے ہیں شیخ کو تین ایسے مرتبے حاصل تھے کہ اگر کسی شخص کو ان میں سے ایک حاصل ہو جاتے تو وہ اس لائق ہوگا کہ دور دراز کا سفر طے کر کے اس کے پاس حاضری دی جائے۔

پہلا مرتبہ : علم و فضل

دوسرا مرتبہ : زہد و تقویٰ

---

[۱] عبد الحق محدّث دہلوی، شیخ محقق، مقدمہ اشعۃ اللمعات (مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر) ص ۲۱

تیسرا مرتبہ: امر بالمعروف و نہی عن المنکر۔[1]

امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ کی جملہ تصانیف ان کے تبحرِ علمی، وسعت مطالعہ، قوتِ حافظہ، اور دینی امامت کی دلیل ہیں۔ صحاح ستہ میں سے مسلم شریف پر بکثرت شروح لکھی گئیں، لیکن امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ کی شرح مسلم کے آگے کسی کا چراغ نہ جل سکا۔ چونکہ امام نووی مسلکاً شافعی ہیں، اس لئے وقتاً فوقتاً احناف پر بڑے لطیف پیرائے میں ردّ بھی کر جاتے ہیں۔

امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصانیف مبارکہ میں سے چند کے نام یہ ہیں:

(۱) شرح مسلم (۲) ریاض الصالحین (۳) الاذکار،
(۴) الاربعین (۵) التبیان (۶) مختصر التبیان
(۷) المنہاج (۸) الفتاویٰ (۹) الایضاح
(۱۰) الایجاز (۱۱) تحریر الفاظ التنبیہ (۱۲) تہذیب الاسماء واللغات
(۱۳) مختصر اسد الغابہ (۱۴) مناقب الشافعی
(۱۵) شرح مہذب، یہ عظیم کتاب مہذب کے ایک حصہ کی شرح پر مشتمل ہے۔
(۱۶) بستان العارفین، وغیر ذالک۔

ریاض الصالحین

یہ کتاب حضرت امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ کی مفید ترین اور فیض رساں تصانیف میں سے ہے۔ کتاب کیا ہے؟ اولیاء کاملین کی زندگی کے شب و روز کا تفصیلی خاکہ ہے۔ قرآن و حدیث کے بندۂ مومن اور عبدِ صالح کی زندگی کا پروگرام ہے۔ یہ کتاب ۳۷۲ ابواب پر مشتمل ہے اور کتاب و سنّت کی روشنی میں ان اوصاف اور

---

[1] رضوان محمد رضوان، ترجمۃ المصنف ریاض الصالحین (ادارہ نشریات اسلام لاہور) ص۵

اعمال کی وضاحت کرتی ہے، جنہیں اپنانا چاہیئے یا جنہیں ترک کرنا چاہیئے، مثلاً اخلاص، توبہ، صبر، صدق، مراقبہ، تقوٰی، یقین وتوکّل وغیرہ وہ اوصاف ہیں جو انسانیّت کا زیور ہیں۔

حقوق العباد بیان کرتے ہوئے والدین کی خدمت، صلہ رحمی، حضور نبی اکرم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے اہل بیت کرام کی تعظیم، علماء کی تکریم، اولیاء صالحین کی زیارت اور اُن کی ہم نشینی ایسے موضوعات پر احادیثِ طیبّہ کی تعلیمات سے قاری کی اصلاح کی حسین کوشش کرتے ہیں۔

آدابِ زندگی پر بات کرتے ہیں، تو آدابِ طعام، آدابِ لباس، آدابِ سلام، آدابِ سفر وغیرہ عنوانات پر سیر حاصل معلومات فراہم کردیتے ہیں۔

فضائل بیان کرتے ہوئے قرآن، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، جہاد، اور علم کی اہمیت بیان فرماتے ہیں۔ پھر احادیث مبارکہ کی روشنی میں صبح وشام کے اذکار اور دُعاؤں کو بیان کرتے ہیں۔

آخر میں ان امور کا تذکرہ کرتے ہیں، جن سے ایک مسلمان کو مجتنب رہنا چاہیئے، مثلاً غیبت، چغلی، بغیر کسی ضرورت کے حکام کے پاس شکایت کرنا، جھوٹ وغیرہ۔

غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے حبیبِ اکرم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی تعلیمات کا نچوڑ اس کتاب میں پیش کردیا گیا ہے، جس پر عمل پیرا ہوکر انسان، متقی اور بندۂ صالح بن سکتا ہے۔ مولائے کریم ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

مقدّمہ ریاض الصّالحین اردو ترجمہ، طبع فرید بکسٹال، لاھور

حضرت علامہ سید یوسف حسینی راجا رحمہ اللہ تعالیٰ

(مصنف تحفہ ء نصائح)

حضرت علامہ سید یوسف حسینی راجا المشہور راجو قتال ابن سید علی قدس سرہما العزیز کا سلسلہ ء نسب سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے، آپ کے آباء و اجداد سلطان علاؤ الدین مسعود کے دور حکومت (تیرھویں صدی عیسوی کے آخر) میں عرب سے ہندوستان وارد ہوئے اور دہلی میں قیام پذیر ہو کر بلند مناصب پر فائز ہوئے، سید یوسف حسینی راجا یہیں دہلی میں پیدا ہوئے اور اپنے دور کے نامور علماء سے استفادہ کر کے علوم دینیہ میں یکتائے روزگار ہوئے۔(۱)

حضرت علامہ کی حیات مبارکہ کے اکثر و بیشتر گوشے پردہ ء خفاء میں ہیں البتہ تذکرہ ء خواجہ گیسودراز سے معلوم ہوتا ہے، کہ ان کا دربار شاہی، قلعہ ء دہلی سے خصوصی تعلق تھا اور جب ۷۲۴ھ میں سلطان محمد تغلق نے دہلی کی بجائے اورنگ آباد کو دارالخلافہ بنایا تو نقل مکانی کرنے والے مقربین میں سید یوسف بھی شامل تھے(۲)

دربار شاہی کے تعلق کے باوجود سید یوسف حسینی پر تقوی و پرہیز گاری اور روحانیت کا گہرا غلبہ تھا، آپ سلسلہ ء عالیہ چشتیہ کی عظیم المرتبت شخصیت اور حضرت محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین دہلوی کے خلیفہ ء اجل حضرت شیخ محمود نصیر الدین چراغ دہلوی کے مرید خاص اور سچے عاشق تھے، تحفہ ء نصائح میں اپنے پیرو مرشد کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے مستقل عنوان قائم کیا ہے۔

۱۔ اقبال الدین احمد : تذکرہ خواجہ گیسودراز (مطبوعہ اقبال پبلشرز، کراچی) ص ۲۸۔۲۷

۲۔ ایضا // // // ص ۲۹

"درمدح شیخ العالمین قدوۃ السالکین محمود نصیر الدین قدس سرہ العزیز"

اس عنوان کے تحت جو کچھ اپنے شیخ کے بارے میں کہا ہے وہ ان کے کمال اخلاص کا آئینہ دار ہے، انہوں نے واضح طور پر اشارہ کیا ہے کہ پیر و مرشد عالم با عمل ہونا چاہئے، جاہل اور بے عمل نہیں۔ فرماتے ہیں ؎

عالم بعلم ہمچو او ہرگز ندیدہ مردمے
اندر کرامت ہمچو او خیزد کجا دور قمر؟

سید یوسف حسینی کی عظمت و جلالت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ شریعت و طریقت کے آفتاب حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز ابوالفتح صدر الدین سید محمد حسینی (المتوفی ۸۲۵ھ ۱۴۲۲ء) جن کا مزار پر انوار گلبرگہ شریف میں مرجع خلائق ہے، آپ کے فرزند ارجمند اور تربیت یافتہ تھے، پیش نظر کتاب تحفہ ء نصائح ان ہی کے لئے لکھی گئی، چنانچہ سبب تصنیف میں فرماتے ہیں ؎

گوید ہمیں یوسف گدا در وعظ سخنے چند را
از بہر خلف خوش لقا بو الفتح آں نور البصر

انہوں نے اپنے لخت جگر کے لئے جو دعا کی اللہ تعالی نے اسے حرف بحرف پورا فرمایا ؎

از تو بخواہم بہر او علم و عمل، تقوی ، ورع
سالک بگرداں آنچناں، چوں او نباشد کس دگر

تحفہ ء نصائح اپنے نام کی طرح واقعی قیمتی نصیحتوں اور آداب زندگی کا مجموعہ ہے، پاک و ہند کے دینی مدارس کے نصاب میں عرصہ ء دراز سے شامل ہے اس کے

۴۵۔ ابواب ہیں جن میں مصنف نے بڑی عمدگی سے وہ مسائل بیان کر دیئے ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر تقویٰ و طہارت کی زندگی بسر کی جاسکتی ہے۔

عرصہ سے ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ تحفہ ء نصائح پر اردو میں حاشیہ لکھا جائے جو مختصر بھی ہو اور کتاب کو حل کرنے میں معاون بھی ہو، بحمدہ تعالیٰ گزشتہ سال اس حاشیہ کو مکمل کرنے کی توفیق نصیب ہوئی، اس حاشیہ کے دوران زیادہ تر حضرت مولانا محمد گلھوی رحمہ اللہ تعالیٰ (فارسی کی متعدد کتابوں کے شارح) کی شرح فارسی غیاث اللغات اور تحفہ کے فارسی حواشی سے استفادہ کیا گیا۔

نوٹ: کچھ عرصہ پہلے درس نظامی کے نصاب میں فارسی کی چند کتابیں پڑھائی جاتی تھیں جن سے طالب علم فارسی زبان کے ساتھ ساتھ اچھے اخلاق کی تعلیم حاصل کر لیتا تھا، آج کل ان کتابوں کو غیر ضروری قرار دے کر ترک کیا جارہا ہے، کاش ہمارے علماء اس طرف توجہ فرمائیں کہ اخلاق جمیلہ انسانیت کا وہ زیور ہے جس کی اس زمانہ میں بہت زیادہ ضرورت ہے۔

۷ ر رمضان المبارک ۱۴۰۲ھ   محمد عبدالحکیم شرف قادری

۲۹ ر جون ۱۹۸۲ء

باب نمبر2

چودھویں صدی اور
اس کے بعد کے علماء و مشائخ

سید السادات مفتئ اعظم پاکستان حضرت مولانا علامہ ابو البرکات

سید احمد قادری قدس سرہ

دُنیائے علم کے لئے عموماً اور ارضِ پاکستان کے لئے خصوصاً حضرت سید صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ گرامی ابرِ رحمت کی حیثیت رکھتی تھی۔ عوام و خواص، بیماری اور آسیب کے علاج کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ کے انفاسِ مبارکہ کی برکت سے شفایاب ہوتے۔ مسائلِ دینیہ معلوم کرنے کے لئے آپ سے رجوع کرتے۔ عید، بقرعید اور رمضان المبارک کے چاند کا شرعی ثبوت دریافت کرنے کے لئے آپ کے پاس حاضری دیتے اور آپ کے فتویٰ اور بیان کردہ حکم شرعی پر اس قدر اعتماد کرتے کہ اس کے مخالف کسی فتویٰ یا سرکاری اعلان کو اہمیت نہ دیتے۔ رُویتِ ہلال کے موقع پر تو علماء کرام اور عوام کا اتنا ہجوم ہوتا کہ تمام رات بیٹھے بیٹھے گزر جاتی۔

ایک دفعہ ریڈیو پر اعلان ہوا کہ صبح عید ہے۔ سید صاحب کے حکم سے شہر بھر میں لاؤڈ سپیکروں پر اعلان کر دیا گیا کہ چونکہ چاند کا شرعی طور پر ثبوت نہیں ملا، اس لئے صبح روزہ ہوگا۔ اے سی صاحب نے فون کیا اور بڑی ترشی سے پوچھا: روزے کا اعلان کس کے حکم سے کیا گیا ہے؟ سید صاحب نے بھی اسی تیزی سے جواب دیا جس کے حکم سے روزہ رکھا جاتا ہے اور عید منائی جاتی ہے۔ اربابِ حکومت سید صاحب کے مقام اور اُن کی عظمت سے واقف تھے، اس لئے اُن کے خلاف کوئی کارروائی نہ کر سکے۔

۱۹۵۳ء میں تحریکِ ختمِ نبوت کے دوران ملک بھر میں مارشل لاء کے تحت لاؤڈ سپیکر پر پابندی تھی، لیکن سید صاحب کا درسِ کلام پاک جاری رہا۔ کوتوالی قریب ہونے کے باوجود

کسی کو آپ کا سپیکر بند کرانے کی ہمّت نہ ہو سکی۔

خطیبِ پاکستان حضرت مولانا علامہ غلام الدّین رحمہ اللہ تعالیٰ خطیب جامع مسجد صدیقیہ، انجمن شیڈ، لاہور کے خطیب تھے۔ جمعہ کے روز عظیم اجتماع ہوتا تھا ان کی تقریر کے دوران حضرت مفتی اعظم پاکستان ٹانگے پر سوار ہو کر جمعہ پڑھانے کے لئے دہلی دروازے سے، لوکو شاپ تشریف لے جاتے اور ابھی ان کی تقریر جاری ہی ہوتی تھی کہ سیّد صاحب واپس تشریف لے جاتے۔ سیّد صاحب کا جب بھی گزر ہوتا تو خطیبِ پاکستان اپنی تقریر روک کر کہتے: "السّلام علیك یا سیدی وسندی!" ایک نامور خطیب اور صاحبِ طرز مقرر کا اپنے اُستاذِ مکرّم کے لئے یہ وہ احترام تھا جس کی مثال آج ڈھونڈے سے نہیں مل سکتی۔

سیّد صاحب کے پاس تعویذ لینے کے لئے مردوں اور عورتوں کا بکثرت رجوع ہوتا تھا۔ سیّد صاحب پوچھتے کہ نماز پڑھتے ہو یا نہیں؟ تعویذ کا طلبگار کہتا کہ نہیں پڑھتا، یا کبھی کبھار پڑھتا ہوں، تو فرماتے کہ تم نماز نہیں پڑھتے، تو اللہ تعالیٰ تم سے راضی نہیں اور جب اللہ تعالیٰ تم سے ناراض ہے تو میرا تعویذ وہاں کیا کام کرے گا؟ اس انداز سے نماز ادا کرنے کی تلقین فرماتے تھے۔

علماء کرام کو جب کوئی لاینحل مسئلہ پیش آجاتا یا کسی مسئلہ میں اختلاف ہو جاتا تو ہر کسی کی نظر سیّد صاحب پر ہی پڑتی۔ پاکستان ہی نہیں، دُنیا کے کسی خطّے میں بھی آپ کے جاننے والے کسی مسئلہ میں راہنمائی کی ضرورت محسوس کرتے تو بے ساختہ کہہ اٹھتے: سیّد صاحب کو خط لکھ کر ان سے معلوم کرلیں گے۔

سیّد صاحب سے جب بھی کوئی مسئلہ پوچھا جاتا، تو فوراً اس کا جواب عنایت فرماتے، اور کتبِ معتبرہ کی عبارات حافظہ کی مدد سے پڑھ کر سنا دیتے۔ پھر مزید تشفی کے لئے کتابیں منگوا کر دکھا بھی دیتے۔ خاص طور پر فتاویٰ رضویہ پر بڑا اعتماد فرماتے اور عموماً اسی میں سے

مسائل نکال کر دکھایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ راقم الحروف نے پوچھا کہ عورت کا دودھ پاک ہونے کی تصریح کسی کتاب سے مل جائے گی؟ فرمایا: ہاں! اور اسی وقت فتاویٰ رضویہ سے یہ تصریح دکھا دی۔

سید صاحب قدس سرہٗ کا ایک خاص وصف یہ تھا کہ سوال و جواب کی کثرت سے اکتاہٹ محسوس نہیں فرماتے تھے اور سائل کو تسلی کرانے میں ایک گونہ راحت محسوس فرماتے تھے۔ غالباً ۱۹۶۶ء کی بات ہے کہ راقم الحروف، دہلی دروازہ، حاضر ہوا اور عرض کیا کہ ایک شعر میں عَنْدَمْ کا لفظ استعمال ہوا ہے، اس کا کیا معنیٰ ہے؟ آپ نے محض تسلی کرانے کے لئے پہلے تو یکے بعد دیگرے لغت کی کئی کتابیں منگوائیں۔ پھر طب کی متعدد کتابیں طلب فرمائیں اور کسی لمحہ بھی یہ احساس نہیں ہونے دیا کہ آپ پہلو تہی فرما رہے ہیں۔ عَنْدَمْ ایک درخت کا گوند ہے، جو سُرخ ہوتا ہے۔ جب بہتا ہے، تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے آنسو بہہ رہے ہوں، اسے "دم الاخوین" بھی کہتے ہیں — وہ شعر یہ تھا ؎

أَفْكَرْتُ لَيْلَةً وَصْلِهَا فِيْ هِجْرِهَا فَجَرَتْ مَدَامِعُ مُقْلَتِيْ كَالْعَنْدَمِ
فَجَعَلْتُ أَمْسَحُ نَاظِرَيَّ بِخَدِّهَا مِنْ عَادَةِ الْكَافُوْرِ إِمْسَاكُ الدَّمِ

شرح جامی کی شرح عقد نامی میں ہے کہ ایک صحابی کے نکسیر پھوٹ پڑی، وہاں عربی کے مشہور شاعر امرا القیس کی بیٹی موجود تھی، اُس نے کہا کہ انہیں کافور سنگھایا جائے، چنانچہ نکسیر رُک گئی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے پوچھا: تمہیں کافور کی اس خاصیت کا کیسے پتا چلا؟ تو اُس نے مذکورہ بالا شعر پڑھ کر سنائے، اس پر حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے فرمایا: "بعض شعر حکمت ہوتے ہیں۔"

سید صاحب قدس سرہٗ کے پاس عوام و خواص کی آمد و رفت اس قدر ہوتی کہ آپ آرام کا موقعہ بھی نہ ملتا۔ ایک دفعہ آپ کی طبیعت ناساز تھی اور نیازمند مزاج پرسی

کے لئے بکثرت آرہے تھے۔ آپ کے داماد نے تجویز پیش کی کہ کسی کو دروازے پر متعین کردیا جائے تاکہ آرام کے وقت کسی کو نہ آنے دے۔ حضرت سید صاحب نے یہ تجویز ماننے سے انکار کردیا اور فرمایا ؏ "درِ درویش را درباں نباید"

مذہبی امور اور دینی مسائل پر گفتگو آپ کی طبیعتِ ثانیہ بن چکی تھی۔ آپ کی مجلس میں کیا مجال کہ دُنیاوی گفتگو ہو، وہاں تو ہر وقت قال اللہ و قال الرسول کا چرچا رہتا، اور ہر وقت مسلکِ اہل سنّت وجماعت کی تائید و تقویت کا ذکر رہتا۔

۱۹۷۱ء میں حاضر ہوا تو فرمانے لگے: گزشتہ دنوں پاکستان اور ہندوستان کی جنگ کے سبب حدیث شریف کے اسباق جاری نہ رہ سکے، میں نے فرصت کے ان لمحات میں تمہید ابو شکور سالمی کا ترجمہ کردیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ایک دفعہ اس کا اصل کے ساتھ مقابلہ ہوجائے، تو بہتر ہوگا۔ اسی گفتگو کے دوران فرمایا: حضرت مصنف، حضرت داتا صاحب (قدس سرہما) کے ہمعصر معلوم ہوتے ہیں، لیکن یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ ان سے ملاقات بھی ہوئی یا نہیں؟ پھر فرمایا: حضرت امام ابو شکور سالمی رحمہ اللہ تعالیٰ ہر مسئلے میں اتنے مذاہب اور اقوال بیان فرماتے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے۔ اتنی تفصیل کسی اور جگہ شاید ہی ملے۔ اشاعرہ کو بھی اہل سُنّت کے مقابل ذکر کرتے ہیں۔
قال اهل السنة كذا وقال الاشاعرة كذا۔

راقم الحروف نے پوچھا: "کیا یہ ماتریدی ہیں"؟ فرمایا: "ہاں! اسی لئے تو میں اسے زیادہ اہمیت دیتا ہوں۔ طالب علمی کے دَور میں ہمیں اس کا ایک نسخہ بدایوں سے ملا تھا جسے ہم نے نقل کرکے پڑھا تھا۔" راقم بڑی حیرت اور محویت سے سیّد صاحب کے ارشادات سُن رہا تھا کہ پیرانہ سالی میں بھی اتنا علمی ذوق کہ کسی لمحہ بھی فارغ رہنا گوارا نہیں فرماتے۔ پاکستان میں سیّد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے ہی تمہید شریف کی اشاعت کی تھی، اور باقاعدگی سے پڑھایا کرتے تھے۔

آخری دنوں میں جب بصارت اور طبیعت درس و تدریس کی متحمل نہ رہی تو کسی مرید یا شاگرد کو پاس بٹھا لیتے اور کشف المحجوب، مدارج النبوۃ یا ایسی ہی کوئی دوسری کتاب پڑھوا کر سنتے رہتے اور جہاں کہیں مناسب معلوم ہوتا، اپنے ارشادات سے فیضیاب فرماتے۔

سیّد صاحب قدس سرہ العزیز جہاں افتاء اور درسِ حدیث میں یگانۂ روزگار تھے، وہاں اعداء دین کی سرکوبی اور مسلکِ اہل سنّت کی محبت و خدمت میں ناقابلِ فراموش کارناموں کے مالک تھے، طریقت میں مرشدِ کامل تھے۔ اتباعِ شریعت میں روشن مینار تھے۔ عزم و ہمت میں جبلِ استقامت اور علمی انہماک اور محویت میں اپنی مثال آپ تھے۔ سیّد صاحب اہلِ اسلام کے لئے سرمایۂ فخر، علم و عمل اور تقوٰی کی زینت، حق گوئی و بیباکی میں سلف کی یادگار تھے۔ آج اگرچہ سیّد صاحب قدس سرہٗ ہم میں موجود نہیں ہیں، لیکن ان کے فیوض و برکات ان شاء اللہ العزیز قیامت تک جاری رہیں گے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وجزاہ عنّا خیر الجزاء [1]

مفتیٔ اعظم پاکستان رحمہ اللہ تعالیٰ ۱۳۱۹ھ/۱۹۰۱ء میں امام المحدثین حضرت مولانا علامہ ابو محمد سیّد محمد دیدار علی شاہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے گھر الور میں پیدا ہوئے [2] ۲۰ شوال المکرم، ۲۴ ستمبر ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء بروز اتوار [3] آفتابِ علم و معرفت اور پیکرِ زہد و تقوٰی، دارِ فانی سے رحلت فرما گیا۔ دارالعلوم حزب الاحناف، گنج بخش روڈ، لاہور میں آپ کا مزار پُر انوار ہے۔

راقم کو آخری لمحات میں سورۂ یٰسٓ پڑھ کر سنانے کی سعادت میسّر ہوئی۔

راقم سلسلۂ عالیہ قادریہ رضویہ میں حضرت سید صاحب قدس سرہ کا مرید ہے — آپ نے مجھے دلائل الخیرات پڑھنے کی اجازت عطا فرمائی تھی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ و قدس سرہٗ۔

---

[1] یہ تاثرات حضرت شارح بخاری مولانا سیّد محمود احمد رضوی مدظلہ کی تصنیف "سیدی ابوالبرکات" میں شائع ہوئے۔ [2] غلام مہر علی، علامہ: الیواقیت المہریہ، ص ۱۶۔

[3] محمد اسلم، پروفیسر: خفتگانِ خاکِ لاہور (ادارہ تحقیقاتِ پاکستان، لاہور)، ص ۱۵۱

صدر الشریعہ مولانا شاہ محمد امجد علی اعظمی قدس سرہ العزیز
مصنف بہار شریعت

نام و نسب و تحصیلِ علوم صدرِ شریعت، بدرِ طریقت، حضرت مولانا شاہ محمد امجد علی اعظمی ابن حکیم مولانا جمال الدین ابن مولانا خدا بخش ابن مولانا خیر الدین (قدست اسرارہم) ۱۲۹۶ھ / ۹-۱۸۷۸ء میں قصبہ گھوسی محلہ کریم الدین ضلع اعظم گڈھ میں پیدا ہوئے۔[۱]

آپ کے والد ماجد اور جد امجد علم و فضل اور فنِ طب میں یکتائے روزگار تھے۔ ابتدائی کتب جدِ امجد سے پڑھیں، بعد ازاں اپنے بڑے بھائی مولانا محمد صدیق رحمہ اللہ تعالیٰ (بانی دار العلوم اشرفیہ مبارکپور و تلمیذ مولانا ہدایت اللہ جونپوری) سے علوم و فنون کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ پھر انہی کے مشورے سے استاذ الکل مولانا ہدایت اللہ خاں رامپوری ثم جونپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ، دہم رمضان المبارک ۱۳۲۶ھ / ۱۹۰۸ء) تلمیذ خاتم الحکماء اسیر جزائر انڈمن مولانا شاہ محمد فضل حق خیر آبادی سے اکتسابِ فیض کیلئے مدرسہ حنفیہ جونپور میں داخل ہوئے۔[۲] رات کو خدمت گزاری کے لئے حاضر ہوتے، تو اُستادِ محترم تمام اسباق کا اعادہ کرا دیتے اور اگر کوئی فرو گزاشت ہو جاتی، تو اُس کا ازالہ فرما دیتے۔ یہی وجہ تھی کہ دورِ طالب علمی ہی میں افہام و تفہیم کا ملکہ اتنا راسخ ہو گیا تھا کہ اگر قطبی پڑھتے — تو شرح تہذیب دوسرے طلباء کو باآسانی پڑھاتے تھے۔[۳]

علوم و فنون کی تکمیل کے بعد حجۃ العصر، شیخ المحدثین مولانا شاہ وصی احمد محدث سورتی

---

[۱] علام مہر علی، مولانا: الیواقیت المہریہ ص ۷۹

[۲] محمود احمد قادری، مولانا شاہ: تذکرہ علمائے اہل سنت (مطبوعہ بھوانی پور، بہار ۱۳۹۱ھ) ص ۵۱، ۵۲

[۳] ماہنامہ پاسبان الہ آباد (امام احمد رضا نمبر، مارچ و اپریل ۱۹۶۲ء) ص ۶۴

قدس سرہٗ (م ۱۳۳۴ھ/ ۱۹۱۶ء) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مدرسۃ الحدیث (پیلی بھیت) میں درسِ حدیث لیا اور ۱۳۲۰ھ / ۱۹۰۲ء میں سند حاصل کی۔ بعد ازاں ۱۳۲۳ھ میں حکیم عبدالولی جھوائی ٹولہ، لکھنؤ سے فنِ طب . . . . . . حاصل کیا۔ ۱۳۲۴ھ سے ۱۳۲۷ھ تک حضرت محدّث سُورتی کے مدرسہ میں درس دیا۔ اس کے بعد ایک سال تک پٹنہ میں مطب کرتے رہے۔ [۱]

بارگاہِ رضا میں حاضری

اس اثناء میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ کو مدرسہ منظرِ اسلام، بریلی میں مدرّس کی ضرورت پیش آئی۔ حضرت مولانا وصی احمد محدثِ سُورتی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مولانا محمّد امجد علی اعظمی کا نام پیش کیا، جسے اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہٗ نے بہت پسند فرمایا، چنانچہ آپ استادِ محترم محدّثِ سُورتی رحمہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق پٹنہ کا مطب چھوڑ کر بریلی شریف آ گئے۔ ابتداءً تدریس کا کام شروع کیا، بعد ازاں مطبع اہل سُنّت کا انتظام بھی آپ کے سپرد کر دیا گیا۔ فتویٰ نویسی کا کام اس کے علاوہ تھا۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ کی عشقِ رسالت اور اتباعِ شریعت سے معمور زندگی سے اس قدر متاثر ہوئے کہ سلسلۂ عالیہ قادریہ میں داخل ہوئے اور بہت جلد خلافت سے نوازے گئے۔ اگرچہ آپ نے اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ سے کوئی کتاب سبقاً نہیں پڑھی تھی، لیکن فرماتے تھے کہ جو کچھ ہے، سب آپ ہی کا فیضِ کرم ہے۔ قریباً اٹھارہ برس شیخ کامل کے فیوض و برکات سے مستفید ہوئے۔ مُرشدِ شریعت و طریقت کی نگاہِ کیمیا اثر نے آپ کو جامع فضل و کمال بنا دیا۔ [۲]

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ العزیز بھی آپ پر بیحد شفقت فرماتے تھے

---

[۱] محمود احمد قادری، مولانا: تذکرہ علمائے اہل سنّت، ص ۵۲

[۲] رضائے مصطفیٰ، گوجرانوالہ، شمارہ ۲، ذیقعدہ (۱۳۷۹ھ/ ۱۹۶۰ء) ص ۳

اور فتاویٰ کے سلسلے میں آپ پر حد درجہ اعتماد فرماتے تھے۔ ایک موقع پر ارشاد فرمایا:

"آپ کے یہاں موجودین میں تفقہ جس کا نام ہے، وہ مولوی امجد علی صاحب میں زیادہ پایئے گا۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ استفتاء سنایا کرتے ہیں اور جو میں جواب دیتا ہوں لکھتے ہیں۔ طبیعت اخاذ ہے، طرز سے واقفیت ہو چلی ہے۔" [1]

تلامذہ اور خلفاء کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں ؎

میرا امجد، مجد کا پکا
اس سے بہت کچھ ساتے یہ ہیں [2]

بریلی شریف میں دینی مشاغل کی کثرت

حضرت صدر الشریعہ نے بریلی شریف کے قیام کے دوران شب و روز دینی خدمت کے لئے وقف کر دیئے۔ صبح سویرے تدریس، دوپہر کو پریس کی نگرانی، پروف ریڈنگ، پریس مینوں کو ہدایات، اور پارسلوں کی ترسیل، دوپہر کے بعد عصر تک پھر تدریس، عصر کے بعد اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے پاس آتے ہوئے سوالات کے جواب لکھتے۔ مغرب کے بعد کھانا تناول فرما کر مطالعہ فرماتے۔ عشاء کے بعد بارہ، ایک بجے تک پریس وغیرہ کا کام کرتے۔ ان دنوں بد مذہبوں کے رد میں روزانہ نئے رسائل اور اشتہار شائع ہو رہے تھے۔ فیض رضا نے احباب اور معاونین میں وہ سپرٹ پیدا کر دی تھی کہ انہیں کثرتِ کار کا بالکل بوجھ محسوس نہیں ہوتا تھا۔ معاصرین اور خاص طور پر مولانا امجد رضا خاں رحمہ اللہ تعالیٰ (مفتیٔ اعظم ہند مولانا مصطفےٰ رضا خاں قدس سرہ کے ماموں، جنہیں بریلی کے اکثر لوگ ماموں جان ہی کہتے ہیں) کا بیان ہے:

---

[1] محمد مصطفےٰ رضا، مفتیٔ اعظم ہند: ملفوظات حصہ اول (مطبوعہ کراچی)، ص ۹۳

[2] احمد رضا بریلوی، اعلیٰ حضرت، مولانا: الاستمداد (مطبوعہ لاہور)، ص ۹۷

"مولانا امجد علی صاحب تو کام کی مشین ہیں۔" ؎۱

یہ سلسلہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے وصال مبارک کے بعد ۱۹۲۴ء تک جاری رہا، جب آپ کو بحیثیتِ صدر مدرس دار العلوم معینیہ عثمانیہ اجمیر شریف جانا پڑا۔

ناقابلِ فراموش کارنامہ اعلیٰ حضرت مجددِ دین و ملت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ کا ترجمۂ قرآن مجید مسمّٰی بہ اسم تاریخی "کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن" (۱۳۳۰ھ/۱۹۱۱ء) افادیت، اہمیت اور دیگر تراجم پر فوقیت کے اعتبار سے محتاجِ بیان نہیں۔ صدر الشریعہ مولانا محمد امجد علی قدس سرہ کی مساعی جمیلہ سے معرضِ وجود میں آیا۔ امام احمد رضا بریلوی کو خود قرآن پاک کے ترجمہ کی ضرورت کا احساس تھا، لیکن تصنیف و تالیف اور دیگر علمی مصروفیات کے بے پناہ ہجوم کی وجہ سے اس کام میں تاخیر ہوتی رہی۔ آخر ایک دن صدر الشریعہ، قلم، دوات اور کاغذ لے کر حاضر ہو گئے اور ترجمہ شروع کرنے کی درخواست کی۔ اعلیٰ حضرت نے اسی وقت ترجمہ شروع کر دیا۔ پہلے پہل ایک آیت کا ترجمہ ہوتا پھر محسوس کر کے کہ اس طرح تکمیل میں بہت دیر لگ جائے گی، ایک ایک رکوع کا ترجمہ ہونے لگا، اس کے ساتھ ساتھ حضرت صدر الشریعہ اور دیگر علما مستند تفاسیر کے ساتھ ترجمہ کی مطابقت تلاش کرتے۔ انہیں یہ دیکھ کر حیرت ہوتی کہ اعلیٰ حضرت جو ترجمہ تیاری اور مطالعہ کے بغیر لکھاتے ہیں، اکثر تفاسیر کے مطابق ہوتا ہے، اس سلسلے میں حضرت صدر الشریعہ بعض اوقات رات کے دو دو بجے تک مصروف رہتے۔ ؎۲

تدریس حضرت صدر الشریعہ نے ابتدائے جوانی سے تدریس کا کام شروع کیا اور آخر عمر تک جاری رکھا اور حق یہ ہے کہ انہوں نے تدریس کا حق

؎۱ ماہنامہ پاسبان، الٰہ آباد (امام احمد رضا نمبر)، ص ۶۵

؎۲ رضائے مصطفیٰ (صدر الشریعہ نمبر، شمارہ ۲، ذیقعدہ ۱۳۷۹ھ) ص ۲

ادا کیا اور نابغۂ روزگار علماء و فضلاء کی ایک عظیم جماعت تیار کی، جن کا علمی فیض آج بھی پاک و ہند کے گوشے گوشے میں جاری و ساری ہے، بلکہ دیگر ممالک تک پہنچ چکا ہے۔ اس دعوے کی صداقت معلوم کرنے کے لئے آپ کے تلامذہ کی فہرست پر ایک نگاہ ڈال لینا کافی ہوگا۔ دیگر مدرسین سے پہلے صبح سویرے اسباق شروع کراتے اور بارہ بجے تک پڑھاتے۔ ظہر سے عصر تک پھر یہی سلسلہ جاری رہتا۔ اجمیر شریف کے قیام کے دنوں جب طلباء کے مشورے کی بناء پر عصر کے بعد دولت باغ میں تفریح کے لئے تشریف لے جاتے، تو محدثِ اعظم پاکستان مولانا محمد سردار احمد قدس سرہٗ کوئی کتاب لئے ساتھ ہوتے اور دورانِ تفریح سبق جاری رہتا۔ [1]

آپ نے طویل عرصہ تک مدرسہ منظرِ اسلام، بریلی شریف میں تدریس کے فرائض انجام دیئے۔ ۱۳۴۳ھ / ۱۹۲۴ء میں حضرت مولانا سید سلیمان اشرف صدر شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، دارالعلوم معینیہ عثمانیہ (اجمیر شریف) کی صدارت کے لئے میر نثار احمد مرحوم متولی و مہتمم کا دعوت نامہ لے کر پہنچے، لیکن آپ نے یہ کہہ کر معذرت کر دی کہ میں شیخ کا آستانہ اور مدرسہ چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔ انہوں نے حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ کی طرف رجوع کیا۔ ان کی طرف سے اجازت ملنے پر آپ اجمیر شریف چلے گئے اور پوری جانفشانی اور محنت سے کام کیا۔ یہیں آپ نے وہ یگانۂ روزگار افاضل تیار کئے، جن میں سے ہر ایک آسمانِ علم و فضل پر نیّرِ تاباں بن کر چمکا۔ ۱۳۵۱ھ / ۱۹۳۲ء میں میر نثار احمد مرحوم متولی سے بعض امور میں اختلاف کی وجہ سے علماء کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ بریلی شریف چلے گئے [2] اور تین سال تک منظرِ اسلام، بریلی شریف میں درس دیا۔ [3] بعد ازاں نواب حاجی غلام محمد خان

---

[1] رضائے مصطفےٰ، گوجرانوالہ، (صدر الشریعہ، شمارہ ۲، ذیقعدہ ۱۳۷۹ھ) ص ۳

[2] محمود احمد قادری، مولانا: تذکرہ علمائے اہل سنت، ص ۵۲

[3] غلام مہر علی، مولانا: الیواقیت المہریہ، ص ۸۰

شروانی رئیس ریاست دادوں (علی گڑھ) متوفی ۱۴ ربیع الاوّل (۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء) کی دعوت پر بہ حیثیت صدر مدرس دار العلوم حافظیہ سعیدیہ (قائم کردہ نواب ابوبکر رحمہ اللہ تعالیٰ، متوفی ۱۴ رمضان المبارک ۱۳۵۴ھ/۱۹۳۵ء) میں تشریف لے گئے اور سات سال تک بکمال حسن وخوبی تدریس کے فرائض انجام دیتے۔ مولانا حبیب الرحمن شروانی نے ۱۳۵۶ھ/۱۹۳۷ء میں مدرسہ کے سالانہ جلسۂ امتحان کے موقعہ پر تقریر کرتے ہوئے آپ کے فضل وکمال کا اعتراف ان الفاظ میں کیا:

"مولانا امجد علی پورے ملک میں ان چار پانچ مدرسین میں سے ایک ہیں، جنہیں میں منتخب جانتا ہوں۔" [1]

جس زمانے میں آپ دار العلوم حافظیہ سعیدیہ میں صدر مدرس تھے تو مولانا عبد الشاہد خان شروانی بھی اسی مدرسہ میں مدرس تھے۔ انہوں نے اپنے تاثرات کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے:

"مولانا محمد امجد علی اعظمی سات سال سے صدر مدرس تھے۔ بریلی، اجمیر اور دوسرے مدرسوں کے صدر مدرس رہ چکے تھے۔ کہنہ مشقی کی بناء پر درسیات میں پوری مہارت رکھتے ہیں۔ مولانا ہدایت اللہ خاں جونپوری مرحوم تلمیذ حضرت علامہ فضل حق خیرآبادی کے شاگرد اور مولانا سید سلیمان اشرف بہاری مرحوم سابق صدر شعبۂ دینیات مُسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے ہم درس اور اُستاد برادر ہیں۔" [2]

۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء تک دادوں میں قیام رہا۔ اس کے بعد ایک سال بنارس میں رہے۔ بعدازاں (۱۳۶۴ھ/۱۹۴۵ء) تک منظرِ اسلام، بریلی میں درس دیا۔

---

[1] محمود احمد قادری، مولانا: تذکرہ علمائے اہل سنّت، ص ۵۳

[2] محمد عبد الشاہد خاں شروانی، باغی ہندوستان (مطبوعہ بجنور، ۱۹۴۷ء) ص ۲۳۷

اجمیر شریف قیام کے دوران شروع میں زیادہ تر تفسیر حدیث کے اسباق پڑھاتے تھے۔ پھر جب وہاں کے بعض مدرسین نے یہ پروپیگنڈا کیا کہ دینیات میں تو ان کی بالغ نظری مسلّم ہے لیکن منطق و فلسفہ میں ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتے، تو آپ منطق و فلسفہ کی منتہی کتب بھی پڑھانے لگے۔[1]

آپ کے پڑھانے کا طریقہ یہ تھا کہ طالب علم سے عبارت پڑھوانے کے بعد ترجمہ بھی اسی سے کرواتے۔ عبارت میں صرفی و نحوی قواعد کا پوری طرح خیال رکھتے اور ترجمہ میں اُردو زبان کی صحت، اصل کے ساتھ مطابقت اور معنیٰ خیزی کا پورا اہتمام کرتے۔ اسی وجہ سے طلبہ کو تیاری کے لئے بھی خاصی محنت کرنی پڑتی۔ بعد ازاں مقصدِ کتاب کی بڑی آسان تقریر فرماتے۔ آخری کتابوں میں قیل و قال بھی فرماتے اور بعض اوقات محاکمہ بھی فرماتے۔ ابتدائی کتابوں میں طلبہ کی استعداد کے مطابق مختصر گفتگو فرماتے۔ یہ اندازِ تدریس بہترین صلاحیت پیدا کرنے کے لئے طلبہ میں جذبۂ ولگن دوچند کر دیتا۔ جمعہ کے دن تقریر اور مناظرہ کی مجلس منعقد ہوتی۔ مقررین کی اصلاح اور نقد و تبصرہ بھی فرمایا جاتا۔ اس طرح طلبہ کی پوشیدہ صلاحیتیں نمایاں ہوتیں اور یہ مشقیں آئندہ کے لئے راہنما ثابت ہوتیں۔[2]

تبلیغ و تقریر

اجمیر شریف کے قرب و جوار میں راجپوت قوم، راجہ پرتھوی راج کی اولاد آباد تھی، جو مسلمان ہو چکی تھی، لیکن ان میں فرائض و واجبات سے غفلت اور مشرکانہ رسوم بکثرت پائی جاتی تھیں۔ بارگاہِ چشتیہ کے گھرانے میں ان کی اکثر شادیاں ہوتی رہتی تھیں۔ حضرت صدر الشریعہ کے ایماء پر آپ کے تلامذہ نے ان لوگوں میں تبلیغ کا پروگرام بنایا۔ تبلیغی جلسوں کا خوشگوار اثر ہوا اور ان لوگوں میں مشرکانہ رسوم سے اجتناب اور دینی اقدار کے اپنانے کا جذبہ پیدا ہو گیا۔[3]

---

[1] ماہنامہ پاسبان، الہ آباد (امام احمد رضا نمبر) ص ۶۷
[2] رضائے مصطفیٰ (۲، ذیقعدہ ۱۳۷۹ھ) ص ۷
[3] ماہنامہ پاسبان، الہ آباد (امام احمد رضا نمبر) ص ۶۸

پروفیسر محمد ایوب قادری لکھتے ہیں:

"اجمیر کے زمانۂ قیام میں مولانا محمد امجد علی نے خوب تبلیغ کی اور اُس کے بہت مفید نتائج برآمد ہوئے۔" [1]

اس کے علاوہ ارد گرد کے بڑے شہروں اور قصبات مثلاً نصیر آباد، بیاور، لاڈنول، جے پور، جودھپور، پالی مارواڑ اور چتوڑ وغیرہ میں بھی خود آپ اور آپ کے تلامذہ تبلیغی سرگرمیاں جاری رکھتے اور مذہب اہل سنت کی اشاعت اور وہابیہ، قادیانیہ کا رد کیا کرتے تھے۔ [2]

آپ کی تقریر خالص علمی مضامین اور قرآن و حدیث کی تفسیر و تفصیل پر مشتمل ہوا کرتی تھی۔ مسلک اہل سنت کو اس طرح بیان فرماتے کہ مخالفین کو بھی تسلیم کئے بغیر چارہ نہ رہتا۔ جھونا نتھ، جھنجن، وہابیہ، دیوبندیہ کا خاص گڑھ تھا، وہاں کے لوگ آپ کے مواعظ کو بڑے ذوق و شوق سے سنتے اور بہت متاثر ہوتے تھے۔ آپ اصلاح عقائد کے ساتھ ساتھ اصلاحِ اعمال و اخلاق پر بھی خاص طور پر توجہ دیا کرتے تھے۔ [3]

سیاست

حضرت صدر الشریعہ اصولی طور پر دینی راہنما اور مذہبی قائد تھے، لیکن ضرورت پڑنے پر سیاسی طور پر ملتِ اسلامیہ کی صحیح راہنمائی فرمائی۔ چونکہ آپ کے مرشدِ طریقت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز "دو قومی نظریہ" (مسلمان اور ہندو، دو مختلف قومیں ہیں) کے عظیم ترین مبلغ اور داعی تھے، اسی نظریہ کی بنا پر پاکستان معرضِ وجود میں آیا۔ ان کی موافقت میں آپ نے بھی اس نظریہ کی تبلیغ پورے شد و مد سے کی۔

---

[1] محمد ایوب قادری، یادگار بریلی، انجمن تعاونِ احباب کی دوسری رپورٹ (مطبوعہ کراچی ۱۹۷۰ء) ص ۱۶،

[2] ماہنامہ پاسبان، الٰہ آباد (امام احمد رضا نمبر) ص ۶۸

[3] ایضاً: ص ۶۸، ۶۹

۱۴ رجب المرجب، ۲۴ مارچ (۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء) کو بریلی میں جمعیۃ العلماء ہند کا اجلاس منعقد ہوا، جس میں ابو الکلام آزاد کے علاوہ دوسرے لیڈر بھی شریک ہوئے۔ جمعیّت کے لیڈر اس جوش و خروش سے آئے تھے کہ گویا "ہندو مُسلم اتحاد" کے مخالف علمائے اہل سُنّت کو لاجواب کر دیں گے۔ مولانا محمد امجد علی نے جماعت رضائے مصطفےٰ (بریلی) کے شعبۂ علمیہ کے صدر کی حیثیت سے اراکین جمعیت کے ہندوؤں سے اتحاد و وداد کے بارے میں ستر سوالات پر مشتمل سوالنامہ[۱] مرتب کر کے قائدین جمعیت کو بھجوایا، بار بار اصرار اور مطالبہ کے باوجود انہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔

صدر الافاضل مولانا سیّد محمد نعیم الدّین مراد آبادی نے اعلیٰحضرت امام احمد رضا بریلوی (قدس سرہما) کے نام ایک مکتوب میں اس سوالنامہ کے بارے میں اس طرح اظہارِ خیال فرمایا ہے:

"سیّدی، دامت برکاتہم! سلامِ نیاز کے بعد گزارش، حضور سے رخصت ہو کر مکان پہنچا، یہاں آکر میں نے اتمام حجت تامہ کا مطالعہ کیا، فی الواقع یہ سوالات فیصلۂ ناطقہ ہیں اور یقیناً ان سوالات نے مخالف کو مجالِ گفتگو اور راہِ جواب باقی نہیں چھوڑی ہے۔"[۲]

ابو الکلام آزاد نے روانگی کے وقت بریلی کے اسٹیشن پر کہا:

"اُن کے جس قدر اعتراضات ہیں، حقیقت میں سب درست ہیں، ایسی غلطیاں کیوں کی جاتی ہیں؟ جن کا جواب نہ ہوسکے اور ان کو اس طرح گرفت کا موقع ملے۔"[۳]

---

[۱] یہ سوالنامہ "اتمام حجتِ تامہ" (۱۳۳۹ھ) کے نام سے چھپ چکا ہے، ملاحظہ ہو:
دَوَامغ الحمیر: مطبوعہ مطبع حسنی، بریلی، ص ۴۰، ۴۶

[۲] دوامغ الحمیر: مکتوب صدر الافاضل، ص ۵۴، ۵۵

[۳] ایضاً: ص ۵۶، ۵۷

۱۹، اور ۲۰، شعبان المعظم ۳، اور ۴، اکتوبر (۱۳۵۸ھ/۱۹۳۹ء) کو مراد آباد میں حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا بریلوی کی صدارت میں اجلاس منعقد ہوا اور ایک جماعت مؤتمر العلماء قائم کی گئی، جس کے ناظمِ اعلیٰ بالاتفاق صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی منتخب کیے گئے۔ اس جماعت کے مقاصد، نت[۱] نئے پیدا ہونے والے خطرات سے مسلمانوں کا تحفظ، اسلام[۲] کے نام پر قائم ہونے والی سیاسی جماعتوں کے مفاسد کی اصلاح، اہلِ[۳] سُنت و جماعت میں روابط اتحاد کو مستحکم کرنا، دشمنانِ[۴] اسلام کے حملوں کا دفاع، مسلمانوں[۵] کو دینی امور میں علماء کی طرف رجوع کی رغبت دلانا، اور اقتصادیات[۶] تجارت اور اولاد کی تعلیم و تربیت وغیرہ امور میں مسلمانوں کی راہنمائی وغیرہ امور تھے۔ اس جماعت میں حضرت صدر الشریعہ نمایاں طور پر شریک ہوئے۔ [۱]

یہی جماعت بعد میں آل انڈیا سُنی کانفرنس کے نام سے متعارف ہوئی۔ سُنی کانفرنس کے اپریل ۱۹۴۶ء میں بنارس میں منعقد ہونے والے بے مثل اجلاس (جس میں صرف علماء و مشائخ کی تعداد دو ہزار تھی) کو بنیادِ پاکستان کی خشتِ اوّل کی حیثیت حاصل ہے۔ اس اجلاس میں اسلامی حکومت کے لئے لائحۂ عمل مرتب کرنے کے لئے جلیل القدر علماء کی ایک کمیٹی بنائی گئی تھی، جس کے ممتاز اراکین میں حضرت صدر الشریعہ کا نام بھی تھا۔ [۲]

تصنیف و تالیف

حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کو اللہ تعالیٰ نے جملہ علوم و فنون میں مہارتِ تامہ عطا فرمائی تھی، لیکن انہیں تفسیر، حدیث، اور فقہ سے خصوصی لگاؤ تھا۔ فقہی جزئیات ہمیشہ نوکِ زبان رہتی تھیں۔ اسی بناء پر دورِ حاضر کے مجدد امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے آپ کو

---

[۱] ابو البرکات سید احمد، مفتیٔ اعظم پاکستان، قلمی یادداشت

[۲] غلام معین الدین نعیمی، مولانا: حیات صدر الافاضل (طبع ثانی)، ص ۱۹۰

صدرالشریعہ کا لقب عطا فرمایا تھا۔[1] آپ کی تصانیف کی تعداد اگرچہ زیادہ نہیں، لیکن یہ بات بلاخوف و تردید کہی جاسکتی ہے کہ آپ کی یادگار تصانیف درجنوں کتابوں پر فائق ہیں۔

دادوں (ضلع علی گڑھ) میں قیام کے دوران آپ نے امام ابوجعفر طحاوی حنفی قدس سرہ (م ۳۲۱ھ/ ۹۳۳ء) کی حدیث کی مشہور کتاب شرح معانی الآثار پر حاشیہ لکھنا شروع کیا۔ اور سات ماہ کی مختصر مدت میں پہلی جلد کے نصف پر مبسوط حاشیہ تحریر فرمادیا۔ حضرت صدرالشریعہ نے اس کی تفصیل خود ان الفاظ میں فرمائی ہے:

"محرم (۱۳۶۲ھ/ ۱۹۴۳ء) میں فقیر نے چند طلبہ کے اصرار پر شرح معانی الآثار معروف بہ طحاوی شریف کا تحشیہ شروع کیا تھا کہ یہ کتاب نہایت معرکۃ الآرار، حدیث و فقہ کی جامع حواشی سے خالی تھی۔ اس تحشیہ کا کام سنہ مذکورہ میں تقریباً سات ماہ تک کیا، مگر مولوی عطاء المصطفےٰ کی علالتِ شدیدہ، پھر اُن کے انتقال نے اس کام کا سلسلہ بند کرنے پر مجبور کیا۔ جلد اوّل کا نصف بفضلہ تعالیٰ محشّیٰ ہوچکا ہے، جس کے صفحات کی تعداد باریک قلم سے ۴۵۰ ہے اور ہر صفحہ ۳۵ یا ۳۶ سطر پر مشتمل ہے۔"[2]

اس سے آپ کی زود نویسی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ آپ روزانہ ۳۵ سطر کے تقریباً اڑھائی صفحات لکھتے تھے، جبکہ اصولِ کتب کی طرف رجوع کرنا پڑتا اور ضمناً تحقیقاتِ بدیعہ آجاتی تھیں۔ افسوس کہ یہ حاشیہ محفوظ نہ رہ سکا۔

---

[1] محمود احمد قادری، مولانا: تذکرہ علمائے اہلِ سنّت ص ۵۲

[2] محمد امجد علی اعظمی، صدرالشریعۃ: بہارِ شریعت، حصہ ۱۷، ص ۱۰۲

آپ کی دوسری تصنیف فتاویٰ امجدیہ ہے، جس میں متحدہ ہندوپاک کے اطراف واکناف سے آنے والے سوالات کے جوابات ہیں۔ اگر یہ فتاویٰ شائع ہوجاتا، تو کتبِ دینیہ میں گراں قدر اضافہ ہوجاتا۔ ایک زمانہ میں حیوانات کی تصاویر پر مشتمل قاعدے جاری ہوئے، تو آپ نے دینی مدارس کے طلبہ کے لئے اسلامی قاعدہ مرتب فرمایا، جس میں تصویریں تھیں، لیکن بے جان اشیاء کی، اس کی ترتیب ایسی آسان رکھی کہ طالب علم میں اُردو پڑھنے کی لیاقت بہت جلد پیدا ہوجاتی، آپ کی تحریر کی یہ خوبی ہے کہ مشکل سے مشکل مسئلے کو نہایت آسان لفظوں میں بیان فرمادیتے ہیں۔ آپ کے خطوط میں یہ نمایاں خصوصیت تھی کہ صرف ضروری اُمور پر مشتمل ہوتا۔ تاریخ اور مقام روانگی کا خاص طور پر اہتمام فرماتے اور اگر کوئی شخص خط کا جواب نہ دیتا تو بہت ناراضگی کا اظہار کرتے اور فرماتے:

"اگر تم کسی سے بات کرو اور وہ تمہیں جواب نہ دے، تو یہ بات تم کو کتنی ناگوار ہوگی۔ اسی طرح اگر کسی کے خط کا جواب نہ دیا جائے تو اُس کا بھی یہی اثر ہوتا ہے"[1]

اس سے ہمارے ان احباب کو سبق لینا چاہیے جو خطوط کے جواب کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھتے۔

بہارِ شریعت صدرالشریعہ کی شہرہ آفاق تصنیف بہارِ شریعت ہے۔ یہ کتاب حنفی فقہ کا دائرۃ المعارف (انسائیکلوپیڈیا) ہے، اس کے سترہ حصے طبع ہوکر قبولیتِ عامہ کی سند حاصل کرچکے ہیں۔ اس کتاب نے نہ صرف عوام، بلکہ علماء کے لئے بھی سہولت پیدا کردی ہے۔ مولانا مفتی صاحبداد رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے فتاویٰ میں دیگر ماخذ کے ساتھ بہارِ شریعت کا حوالہ بھی دیا کرتے تھے، اس سے ایک تو ماخذ کی نشاندہی ہوجاتی، دوسرا اس کے مستند ہونے کا اظہار بھی

---

[1] ماہنامہ پاسبان الٰہ آباد (امام احمد رضا نمبر) ص ۷۰

ہوجاتا۔ اس کی ابتداء غالباً ۱۳۳۴ھ/۱۹۱۶ء میں ہوئی اور ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء میں تکمیل ہوئی [۱] باوجودیکہ صدر الشریعہ کا اشہبِ قلم سریع السیر تھا، لیکن کثرتِ کار کی وجہ سے اتنی تاخیر ہوئی، چنانچہ فرماتے ہیں:

"اُس کتاب کی تصنیف میں عموماً یہی ہوا کہ ماہِ رمضان المبارک کی تعطیل میں جو کچھ دوسرے کاموں سے وقت بچا، اس میں کچھ لکھ دیا جاتا" [۲]

حضرت صدر الشریعہ چاہتے تھے کہ اس کتاب کے مزید تین حصے لکھ کر اسے مکمّل کر دیتے۔ اس عزم کا اظہار یوں فرماتے ہیں:

"ابھی اس کا آخری تھوڑا سا حصہ باقی رہ گیا ہے جو زیادہ سے زیادہ تین حصوں پر مشتمل ہوتا۔ اگر توفیقِ الٰہی سعادت کرتی اور یہ بقیہ مضامین بھی تحریر میں آجاتے، تو فقہ کے جمیع ابواب پر، یہ کتاب مشتمل ہوتی، اور کتاب مکمّل ہوجاتی۔" [۳]

لیکن، ہجومِ حوادث تکمیل کی راہ میں حائل ہوا، اور آپ کی یہ مبارک آرزو پوری نہ ہو سکی، ذرا آپ بھی دَرد والم کی داستان سنئے، جس کا تصور ہی دلِ حسّاس کو لرزا دیتا ہے، فرماتے ہیں:

۷ شعبان المعظّم (۱۳۵۸ھ/۱۹۳۹ء) کو میری ایک جوان لڑکی کا انتقال ہوا اور ۲۵ ربیع الاول (۱۳۵۹ھ/۱۹۴۰ء) کو میرا منجھلا لڑکا مولوی محمد یحییٰ کا انتقال ہوا۔ شبِ دہم رمضان المبارک (۱۳۵۹ھ/۱۹۴۰ء) کو بڑے لڑکے مولوی حکیم شمس الہدیٰ نے رحلت کی۔ ۲۰ رمضان المبارک

---

[۱] ماہنامہ پاسبان، الٰہ آباد (امام احمد رضا نمبر) ص ۶۹، ۷۱

[۲] محمد امجد علی اعظمی، صدر الشریعہ: بہارِ شریعت، جلد ۱۷، ص ۱۰۰

[۳] ایضاً، ص ۱۰۱ — ۱۰۲

(۱۳۶۲ھ/ ۱۹۴۳ء) کو میرا چوتھا لڑکا عطاء المصطفٰے مرحوم کا دادوں (ضلع علی گڑھ) میں انتقال ہوا اور اسی دوران میں مولوی شمس الہدٰی مرحوم کی تین جوان لڑکیوں کا اور اُن کی اہلیہ کا اور مولوی محمد یحییٰ مرحوم کے ایک لڑکے کا، اور مولوی عطاء المصطفٰے مرحوم کی اہلیہ اور بچی کا انتقال ہوا۔" ۱؎

چار سال میں گیارہ عزیزوں کی جدائی نے دل و دماغ میں اس قدر گہرا اثر ڈالا کہ بینائی زائل ہوگئی اور نہ صرف بہارِ شریعت کی تالیف کا کام رُک گیا، بلکہ بہارِ شریعت کے انداز پر مسائلِ تصوف پر مشتمل کتاب (جو ابھی زیرِ تجویز تھی) کا آغاز بھی نہ ہوسکا۔ حضرت صدر الشریعہ فرماتے ہیں:

"اپنا ارادہ تو یہ تھا کہ اس کتاب (بہارِ شریعت) کی تکمیل کے بعد اسی نہج پر ایک دوسری اور کتاب بھی لکھی جائے گی جو تصوّف اور سلوک کے مسائل پر مشتمل ہوگی، جس کا اظہار اس سے پیشتر نہیں کیا گیا تھا، ہوتا وہی ہے جو خدا چاہتا ہے۔" ۲؎

بہارِ شریعت کا دوسرا حصّہ پہلے لکھا گیا۔ بعد ازاں عقائدِ ضروریہ پر مشتمل پہلا حصّہ لکھا گیا، اس کے ابتدائی چھ حصّے اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا بریلوی نے حرف بحرف سُنے، جا بجا اصلاح فرمائی، اور ان حصّوں کو تقریظ سے مُزیّن فرمایا۔ تقریظ کے درج ذیل الفاظ لائقِ تحسین و مطالعہ ہیں:

"فقیر غفرلہ المولیٰ القدیر نے مسائلِ طہارت میں یہ مبارک رسالہ "بہارِ شریعت" تصنیف لطیف اخی فی اللہ، ذی المجد والجاہ، والطبع السلیم والفکر القویم، والفضل والعلا، مولانا ابو العلیٰ مولوی حکیم محمد امجد علی قادری،

۱؎ محمد امجد علی اعظمی، صدر الشریعہ، بہارِ شریعت جلد ۱۷، ص ۱۰۱

۲؎ ایضاً، ص ۱۰۱

برکاتی، اعظمی[1] بالمذہب والمشرب والسکنیٰ رزقہ اللہ تعالیٰ فی الدارین الحسنیٰ مطالعہ کیا۔

الحمد للہ! مسائلِ صحیحہ رجیحہ، محققہ منقحہ پر مشتمل پایا۔ آج کل ایسی کتاب کی ضرورت تھی کہ عوام بھائی، سلیس اُردو میں صحیح مسئلے پائیں اور گمراہی و اغلاط کے مصنوع ملمع زیوروں کی طرف آنکھ نہ اٹھائیں۔[2]

کتبِ فقہ میں بہارِ شریعت کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ ہر باب کی ابتدا میں پہلے آیاتِ مبارکہ سے مسائل کو بیان کیا گیا ہے۔ اس کے بعد آیاتِ کریمہ سے ان مسائل کی تفصیل بیان کی گئی ہے، بعد ازاں فقہ حنفی کی معتبر کتابوں سے مسائلِ جزئیہ باحوالہ نقل کئے گئے ہیں، اسی لئے حضرت مولانا مفتی محمد اعجاز الرضوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"حنفی فقہ میں بہارِ شریعت کے سترہ حصص اُردو میں تصنیف فرما کر ملتِ مسلمہ پر وہ احسان فرمایا ہے، جس کا جواب نہیں۔"[3]

بہارِ شریعت ضخیم ہونے کے ساتھ گراں قیمت بھی ہے، اس لئے مولانا محمد اولاد شاہ مدظلہ نے راقم کو اس کی تلخیص کا مشورہ دیا۔ تلخیص میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ روزمرہ پیش آنے والے ضروری مسائل باقی رکھے جائیں اور عربی عبارات کا ترجمہ بھی کر دیا جائے۔ بعض مقامات میں مشکل الفاظ کو آسان لفظوں میں بدل دیا گیا ہے۔ مولائے کریم اس کتاب کو زیادہ سے زیادہ فائدہ مند بنائے۔

---

[1] اعظمی کی تفسیر یہ ہے کہ صدر الشریعہ، امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب اور حضور سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشرب پر تھے اور نسبتِ سکونت اعظم گڈھ کی طرف رکھتے تھے۔ اعظم گڈھ کی نسبت سے اپنے آپ کو اعظمی کہنے کے موجد صدر الشریعہ تھے، ورنہ آپ سے پہلے لوگ اعظم گڈھی لکھا کرتے تھے۔ (ماہنامہ پاسبان، امام احمد رضا نمبر، ص ۷۱)

[2] بہارِ شریعت: جلد دوم، ص ۱۱۶

[3] مقالاتِ یومِ رضا (حصہ سوم) مطبوعہ رضا اکیڈمی، لاہور (۱۹۷۱ء) ص ۱۹

تلامذہ

حضرت صدر الشریعہ کے حلقہ تدریس میں ہندوستانی، پاکستانی، بنگالی، بلخی، بخاری، سمرقندی، افغانی، ترکی، افریقی اور ایرانی طلباء شریک ہوئے اور کامران و کامیاب ہوکر لوٹے۔ ایک بخاری صاحب قسطنطنیہ سے شرح مطالع خرید کر لائے، لیکن انہیں یہ کتاب پڑھانے والا کوئی مدرس نہ ملا۔ پھر طرفہ یہ کہ وہ اُردو بھی نہیں سمجھتے تھے۔ حضرت صدر الشریعہ انہیں اوقاتِ درس کے بعد منطق کی اس منتہی کتاب کا درس فارسی میں دیا کرتے تھے۔[1]

آپ کے تلامذہ کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ چند مشاہیر کے نام یہ ہیں:

حضرت محدثِ اعظم پاکستان مولانا محمد سردار احمد لائل پوری، مناظرِ اعظم مولانا حشمت علی خاں لکھنوی، مولانا محمد الیاس سیالکوٹی، مولانا محراب دین پشاوری ثم مکی، مولانا محمد یحییٰ (فرزند ارجمند)، مولانا عطاء المصطفیٰ (فرزند ارجمند) مولانا غلام محی الدین بلیاوی، مولانا حکیم شمس الہدیٰ (فرزندِ اکبر)، مولانا قاری عبد الجلیل الہ آبادی، مولانا اعجاز ولی خاں، مولانا غلام یزدانی، سابق صدر مدرس جامعہ رضویہ مظہر اسلام بریلی (رحمہم اللہ تعالیٰ)، مولانا سید غلام جیلانی میرٹھی (مؤلف بشیر الکامل شرح شرح مائۃ عامل و بشیر القاری شرح بخاری) مولانا عبد العزیز صدر مدرس مدرسہ اشرفیہ مبارکپور، مجاہدِ اعظم مولانا حبیب الرحمن صدر آل انڈیا تبلیغ سیرت، مولانا رفاقت حسین بہاری مفتیٔ اعظم کانپور، مولانا شمس الدین جونپوری، مولانا وقار الدین دار العلوم امجدیہ کراچی مولانا محمد محسن اور ان کے برادر مولانا ولی النبی، بیکی، تورڈیر شریف (مردان) مولانا تقدس علی خاں رحمہ اللہ تعالیٰ سابق شیخ الجامعہ جامعہ راشدیہ پیر گوٹھ (سندھ)

---

[1] ماہنامہ پاسبان (امام احمد رضا نمبر) ص ۷۲ - ۷۴

مولانا قاضی شمس الدین، مولانا سلیمان بھاگلپوری، مولانا مختار الحق خطیب اعظم دارالسلام (ٹوبہ، ضلع لائل پور)، مولانا حامد فقیہ، مولانا عبد العزیز ڈیرہ اسمٰعیلی، مولانا عبد الحلیم بخاری، مولانا سید ظہیر احمد علی گڑھی، مولانا محمد مبین امروہوی، مولانا فیض الحسن پھپھوندوی، مولانا محمد سلیمان سلہٹی، مولانا محمد علی اجمیری ازہری، مولانا قاری محبوب رضا خاں وغیرہم۔ [1]

غرض یہ کہ پاک و ہند کے اکثر مدارس میں آپ کے بلا واسطہ اور بالواسطہ تلامذہ کا فیض جاری ہے۔ آپ نے نصف صدی کے قریب سلسلۂ درس جاری رکھا، ظاہر ہے کہ آپ کے تمام تلامذہ کا احاطہ نہایت دشوار ہوگا۔

اولاد امجاد

اللہ تعالیٰ نے صدر الشریعہ رحمہ اللہ تعالیٰ کو سعادتمند اولاد سے نوازا تھا۔ آپ نے لڑکیوں سمیت اپنی تمام اولاد کو علوم دینیہ سے بہرہ ور فرمایا۔ تین صاحبزادے (جن کا ذکر اوپر آچکا ہے) آپ کی حیات میں ہی داغ مفارقت دے گئے تھے۔ اس وقت آپ کے چار صاحبزادے صاحب علم و فضل موجود ہیں، جن کے نام یہ ہیں: مولانا علامہ عبد المصطفٰے ازہری، شیخ الحدیث جامعہ امجدیہ، کراچی، مولانا حافظ رضاء المصطفٰے خطیب جامع مسجد میمن کراچی، مولانا ثناء المصطفٰے اور مولانا ضیاء المصطفٰے [2] اوّل الذکر علامہ ازہری مدظلہ العالی جمعیت علمائے پاکستان کے ممتاز راہنما اور قومی اسمبلی کے ممبر ہیں۔ حق و صداقت کی آواز پوری بیباکی سے بلند کر رہے ہیں اور نظام مصطفٰے کے نفاذ

---

[1] ماہنامہ پاسبان (امام احمد رضا نمبر) ص ۷۲، ۷۴

[2] رضائے مصطفٰے (صدر الشریعہ نمبر) شمارہ ۲، ذیقعدہ ۱۳۷۹ھ، ص ۸

اور مقامِ مصطفےٰ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے تحفظ کے لئے سرگرمِ عمل ہیں۔ [1]

سفرِ مدینہ اور سفرِ آخرت

حضرت صدر الشریعہ، بریلی شریف کے قیام کے دوران ۱۳۳۷ھ/۱۹۲۲ء میں پہلی مرتبہ حج وزیارت کی سعادت سے مشرف ہوئے[2] واپسی پر حرمین شریفین کی دوبارہ حاضری کا اشتیاق ہر وقت بے چین کئے رکھتا۔ آخر ۲۰ شوال المکرم / ۲۶ اگست (۱۳۶۷ھ / ۱۹۴۸ء) کو وہ دن آگیا جس سے دوسرے دن اس مبارک سفر پر روانگی تھی۔ اس وقت شوقِ زیارت میں بے پناہ اضافہ ہوگیا، رخصت کے وقت عقیدت مندوں کا جمِ غفیر الوداع کہنے کے لئے اسٹیشن پر پہنچا۔ آپ نے الوداعی خطاب فرمایا تو ہر شخص کی آنکھوں سے سیلِ اشک رواں ہوگیا۔ آخر میں آپ نے فرمایا "حقوق العباد میں مجھ سے کوئی فرد گزاشت ہوگئی ہو تو آپ لوگ مجھے معاف کردیں فقیر کے حقوق جن پر ہوں، میں نے سب کو معاف کئے۔ گاڑی میں سوار ہوئے، تو راستے میں شدید بخار ہوگیا۔ شدّتِ بخار میں یہ شعر زبان پر رہا ؎

مَرِضْتُ شَوْقاً وَّمُتُّ هِجْرًا
فَكَيْفَ أَشْكُو إِلَيْكَ شِكْوًى

بعض خدّام نے عرض کیا: حضور ایسی حالت میں سفر ملتوی فرمادیں۔ فرمایا:
"اگر حج وزیارت میری قسمت میں ہوا تو روانگی کی تاریخ تک اچھا ہو جاؤں گا اور اگر عمر کا پیمانہ لبریز ہی ہوچکا ہے، تو اس سے بڑھ کر کونسی

---

[1] افسوس کہ علامہ ازہری رحمہ اللہ تعالیٰ ۱۶ ربیع الاول، ۱۸ اکتوبر ۱۴۱۰ھ/۱۹۸۹ء کو رحلت فرماگئے، اِنّا لِلّٰہ واِنّا الیہ راجعون۔ ۱۲ اشرف قادری

[2] غلام مہر علی، مولانا: الیواقیت المہریہ، ص ۸۰

فیروز مند موت ہو سکتی ہے کہ راہِ حبیب (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) میں اپنی جان دے دوں۔" [1]

۳؍ستمبر بروز جمعہ بمبئی پہنچے، تو ڈاکٹر نے بتایا نمونیہ کا عارضہ ہو گیا ہے۔ ۲؍ذیقعدہ ۶؍ستمبر بروز دوشنبہ (۱۳۶۷ھ / ۱۹۴۸ء) رات کے گیارہ بجے سکرات کا عالم طاری تھا، اسی عالم میں دونوں ہاتھ اُٹھانے کی کوشش کی، مگر ایک ہاتھ نہ اُٹھ سکا۔ اسی طرح نماز کی نیت باندھی اور کچھ پڑھنا شروع کیا، یہاں تک کہ ایک ہچکی آئی اور قاصدِ مدینہ طیبہ کی رُوح پرواز کر گئی۔ ادھر اسی وقت حجاز کا جہاز کھلا، مگر

مدینے کا مسافر ہند سے پہنچا مدینے میں،
قدم رکھنے کی نوبت بھی نہ آئی تھی سفینے میں [2]

مادۂ تاریخ وصال درج ذیل آیتِ قرآنی ہے:

اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوْنٍ [3]

۱ ۳ ھ ۶ ۷

شاعرِ مشرق شفیق جونپوری نے یہ قطعہ پیش کیا:

سلامی جا بجا ارض و سما دیں
مہ و خورشید پیشانی جھکا دیں
ترے خدام اے صدرِ شریعت
جدھر جائیں فرشتے پر جھکا دیں [4]

---

[1] رضائے مصطفےٰ، گوجرانوالہ، (صدر الشریعہ نمبر) ص ۸
[2] ایضاً: ص ۸
[3] ماہنامہ پاسبان (امام احمد رضا نمبر) ص ۴۷
[4] ایضاً: ص ۴۷

مولانا عبدالمصطفےٰ اعظمی (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے طویل نذرانۂ عقیدت پیش کیا، اس کے صرف دو بند ملاحظہ ہوں :

آہ ! اے صدرِ شریعت، صدر بزمِ اہلِ دیں
آہ ! اے بدرِ طریقت ، مردِ میدانِ یقیں
آہ ! اے غمخوارِ ملّت ، عالمِ شرعِ مبیں
آہ ! اے احمد رضا خلد آشیاں کے جانشیں
سرزمینِ ہند رحلت سے تری مہجور ہے
اب جہانِ زندگی بے کیف ہے بے نور ہے

السّلام اے صدرِ ملّت ہادئ حق پیشوا
السّلام اے ناخدائے کشتئ دینِ ہُدٰی
السّلام اے نورِ چشم حضرتِ احمد رضا
السّلام اے فخرِ دیں ، پروردۂ غوث الورٰی
السّلام اے اعظمی کے دین و دنیا کے ولی
السّلام اے حضرت علّامہ امجد علی[1]

---

[1] رضائے مصطفےٰ (صدر الشریعہ نمبر) ص ۱

یہ مقالہ "باغی ہندوستان" کے ضمیمہ میں پاکستان اور ہندوستان سے چھپ چکا ہے۔

حضرت علامہ ڈاکٹر رضوان مدنی مدظلہ

فاضلِ جلیل علامہ ڈاکٹر رضوان مدنی ۱۳۷۳ھ / ۱۹۵۴ء میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد حضرت علامہ فضیلۃ الشیخ فضل الرحمٰن مدنی مدظلہ العالی مدینہ منوّرہ کے نامور اور اکابر علماء میں سے ہیں اور جدّ امجد بین الاقوامی علمی اور رُوحانی بزرگ مرجع الانام حضرت مولانا ضیاء الدین احمد مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ خلیفۂ امام احمد رضا قادری رحمہ اللہ تعالیٰ تھے، جنہیں تقریباً ستّر سال مدینۂ طیبہ میں قیام اور جنّت البقیع میں مدفون ہونے کی سعادت حاصل ہوئی۔ دُنیا بھر کے اہلِ محبت علماء اور مشائخ جب مدینۂ عالیہ حاضر ہوتے تو بابِ مجیدی کے سامنے آپ کے درِ دولت پر بھی ضرور حاضر ہوتے اور آپ کے ایمانی، رُوحانی اور علمی فیوض سے بہرہ ور ہوتے۔

ڈاکٹر رضوان مدنی نے ۱۳۹۸ھ / ۱۹۷۸ء میں جامعۃ الملک سعود، ریاض کے کلیۃ التربیۃ (ایجوکیشن کالج) سے تاریخ اور جغرافیہ میں بی۔اے کیا۔ ۱۹۸۳ء میں جامعہ نیویورک، بفلو سے ایجوکیشن (تعلیم) میں ایم۔اے کیا۔ اسی یونیورسٹی سے جون ۱۹۸۷ء میں ایجوکیشن ہی میں ڈاکٹریٹ کیا۔

فراغت کے بعد جامعۃ الملک سعود، ریاض میں اسسٹنٹ پروفیسر مقرر ہوئے اور جامعہ اسلامیہ نیاگرا نیویارک، بفلو کے مدرسہ اسلامیہ کے ناظم بھی ہیں، اور لیکچرار بھی۔ اس کے علاوہ جامعۃ الملک عبدالعزیز، مدینہ منورہ کے اسسٹنٹ پروفیسر ہیں۔ مدینہ منوّرہ میں ایجوکیشن کالج میں شعبۂ طرقِ تعلیم و تدریس کے سربراہ ہیں۔ نیز مدینہ منورہ میں ملک عبدالعزیز یونیورسٹی کے شعبۂ داخلہ کے

انچارج ہیں۔
درجۂ عالیہ کے طلبا اور طالبات کو تعلیمی منصوبہ بندی کا لیکچر دیتے ہیں۔
ایجوکیشن ڈپلومہ کے طلبا اور طالبات کو مختلف مضامین پڑھاتے ہیں۔
عمرانیات اور معاشرتی علوم کے پڑھانے کے طریقوں پر لیکچر دیتے ہیں۔
شعبۂ عمرانیات میں تحقیق کرنے والے طلباء کی راہنمائی کرتے ہیں۔
ان کے خصوصی موضوعات ہیں اکیڈمک راہنمائی، اساتذہ کا علمی معیار مقرر کرنا، اکیڈمی کے انتظامی امور کی مہارت سکھانا، بحیثیتِ ایڈوائزر (گائڈ) علومِ ادبیہ کی تدریس کے طریقے سکھانا، نمائندگی کرنے والے افراد تیار کرنا۔
ڈاکٹر رضوان، مدینہ طیبہ کی اہم شخصیت ہیں، علمی اور تعلیمی کانفرنسوں اور سیمیناروں میں شرکت کرتے ہیں۔ سعودی عرب میں منعقد ہونے والی شاید ہی کوئی ایسی کانفرنس ہوگی، جس میں وہ شریک نہ ہوتے ہوں۔ ریڈیو اور ٹیلیویژن کی محافل میں شرکت کرتے ہیں۔ کالجوں اور یونیورسٹیوں کی کمیٹیوں کے ممبر ہیں۔
غرض یہ کہ تعلیم و تربیت ان کا اوڑھنا بچھونا ہے اور وہ سعودی عرب کے ممتاز ماہرینِ تعلیم میں شمار ہوتے ہیں۔ عمرانیات کے طلباء کے لئے ان کی لکھی ہوئی چار کتابیں چھپ چکی ہیں۔ [1]

ملخص الاسراء والمعراج

حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل و کمالات اور معجزات کا بیان کرنا، تاریخ اسلام کی ابتدا ہی سے مسلمانوں کا محبوب موضوع رہا ہے۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت و جلالت کے سننے اور سنانے سے اللہ تعالیٰ

[1] ڈاکٹر رضوان فضل الرحمٰن شیخ: السیرۃ الذاتیۃ (مختصر تعارف)

وحدہٗ لاشریک پر ایمان پختہ ہو جاتا ہے، انسان سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ جب "عبدہٗ" کی یہ شان ہے، تو ربِّ محمّد کی کیا شان ہو گی ؟ (جلّ جلالہٗ وصلّی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہٖ محمّد وآلہٖ وسلّم)، اور جب ایمان پختہ ہو گا تو اللہ تعالیٰ اور اُس کے حبیبِ اکرم صلّی اللہ تعالیٰ علیہٖ وآلہٖ وسلّم کی اطاعت کا جذبہ لازماً فروغ پذیر ہو گا۔

معجزات و کمالات بیان کرنے والے خطباء کے لئے ضروری ہے کہ وہ سامعین کے ذہن میں یہ نکتہ راسخ کریں کہ تمام مخلوقات میں یہی وہ ہستی ہے جو سب سے زیادہ محبّت و تعظیم کے لائق ہے اور محبت کا مطلب ہی اطاعت ہے، اطاعت کے بغیر محبّت مکمّل ہی نہیں ہو سکتی۔

حضور نبی اکرم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے نمایاں ترین معجزات میں سے معراج شریف ہے۔ جناب محترم ڈاکٹر رضوان مدنی مدظلہ العالی نے ملخص الاسراء والمعراج میں اِسی موضوع پر قرآن وحدیث کی روشنی میں گفتگو کی ہے۔ وہ مقدمہ میں فرماتے ہیں :

"اسراء ومعراج وہ عطیّۂ ربانی ہے، جو خاص طور پر رسُول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہٖ وسلّم کو عطا کیا گیا، اس میں بہت سی حکمتیں اور نصیحتیں ہیں اور بہت سے ایسے امور کا بیان ہے جن کی آج ہمیں ضرورت ہے۔ بعض ایسی روایات مشہور ہیں، جو محلّ نظر ہیں، مثلاً (ایک رسالہ) "معراج ابن عباس"۔ میں نے ارادہ کیا کہ اس عظیم واقعہ کا خلاصہ صحیح روایات کی روشنی میں پیش کروں، مَیں نے اسے مخصوص اسلوب کے ساتھ بیان کیا ہے، جس میں متعدّد احادیث کو جمع کر دیا گیا ہے۔" [۱]

---

[۱] ڈاکٹر رضوان فضل الرحمٰن شبنج : ملخص الاسراء والمعراج (عربی)، (طبع مدینہ منوّرہ) ص ۳

مقدمہ میں مختصر طور پر حضور نبی اکرم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے معجزات کا بیان ہے۔ اس کے بعد اسراء و معراج کی تاریخ بیان کی ہے۔ اس کے بعد اسراء یعنی مکّہ مکرّمہ سے مسجدِ اقصیٰ تک سفر کا بیان ہے۔ پھر مسجدِ اقصیٰ سے آسمانوں کی سیر کرتے ہوئے قابَ قوسین کے مقام تک جانے کا تذکرہ ہے۔ پچاس نمازوں کی فرضیت اور شبِ اسریٰ کے دُولہا صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کی درخواست پر تخفیف کر کے پانچ نمازوں کے حکم کا بیان ہے۔

مجرموں کے عذاب کا مشاہدہ فرمانا، واپسی پر اہلِ مکّہ کا شدید انکار کرنا اور حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تصدیق کرنا، حدیث کی مُستند کتابوں کے حوالوں سے بیان کیا ہے۔ آخر میں پُر اثر اور رقّت انگیز دُعا ہے۔ اس کے بعد والدین کے لئے سوز و گداز سے معمور دُعا ہے۔

غرض یہ کہ معراج شریف کے موضوع پر یہ مختصر اور مُستند کتاب ہے، جس سے مصنّف کی ثقاہتِ علمی کا اندازہ ہوتا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ انہیں توفیق عطا فرمائے کہ وہ ملّتِ اسلامیہ کو ایسے ہی فاضلانہ جواہر پاروں سے فیض یاب فرماتے رہیں۔

اس عربی رسالے کا ترجمہ ہمارے فاضل دوست حضرت مولانا علامہ افتخار احمد قادری مدظلہٗ فاضل جامعہ اشرفیہ، مبارکپور (انڈیا)، حال مقیم سعودی عرب نے کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں علم و فضل کے ساتھ عربی اور اُردو دونوں زبانوں پر مکمل دسترس عطا فرمائی ہے۔ ان کے ترجمے کے بارے میں کچھ عرض کرنا سُورج کو چراغ دکھانے والی بات ہے۔ تاہم اتنا ضرور عرض کروں گا کہ انہیں تصنیف و تالیف اور ترجمہ کے لئے اپنے قیمتی اوقات کا کچھ حصّہ ضرور نکالنا چاہیے، خاص طور پر حضرت علامہ سیّد سلیمان اشرف بہاری رحمہ اللہ تعالیٰ

کی گراں قدر تصنیف "المبین" کا عربی ترجمہ مکمّل کر دینا چاہیے، جس میں اُنہوں نے دُنیا کی تمام زبانوں پر عربی زبان کی برتری ثابت کی ہے۔

فاضل نوجوان مولانا علامہ محمد اشرف آصف جلالی کا شکرگزار ہوں کہ انہوں نے حضرت علامہ ڈاکٹر رضوان مدنی مدظلہ العالی کے تعارف کے سلسلے میں مخلصانہ تعاون کیا۔

ادارۂ معارفِ نعمانیہ، لاہور کے اراکین لائق ستائش ہیں کہ وہ اس رسالۂ مبارکہ کا ترجمہ شائع کر رہے ہیں۔ اس ادارہ کی تمام مطبوعات صوری اور معنوی حسن کا شاندار مرقع ہوتی ہیں۔

۲۲ر جمادی الاخریٰ ۱۴۱۷ھ
۵ر نومبر ۱۹۹۶ء

محمّد عبدالحکیم شرف قادری

محدّثِ اعظم پاکستان مولانا محمد سردار احمد رحمہ اللہ تعالیٰ

دیال گڑھ ضلع گورداسپور کا ایک ہونہار اور سعادت مند نوجوان میٹرک پاس کرنے کے بعد مزید علم حاصل کرنے کے لئے، داتا کی نگری لاہور آتا ہے اور ایف اے میں داخلہ لے لیتا ہے۔ وہ قدرت کے سانچے میں ڈھلا ہوا شرافت کا دل نواز پیکر تھا، اس کی گفتگو اور چال ڈھال میں قیامت کا بانکپن تھا، اسے گود میں کھلانے والے اور اس کے سکول کے ساتھی ہی نہیں، بلکہ اس کے اساتذہ بھی اس کی نیک نفسی، پاکیزہ نگاہی اور ملکوتی کردار کے گواہ تھے۔ سب ہی اسے محبت اور احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور وہ سب کی آنکھ کا تارا تھا۔ اُس نے پٹوار کا امتحان بھی دیا تھا اُس کی بے مثال ذہانت اور محنت کو دیکھتے ہوئے اُس کے رشتے دار یہ آس لگائے بیٹھے تھے کہ ہمارا یہ عزیز نوجوان پٹواری بنے گا، تحصیل دار بنے گا اور ترقی کرتے کرتے بہت بڑا افسر بنے گا، لیکن انسان کے سوچنے سے کیا ہوتا ہے؟ وہی ہوتا ہے جو سب سے بڑی قوت و طاقت والے کو منظور ہوتا ہے۔ اچانک اس نوجوان کو نظر لگ گئی اور نہ جانے وہ کیسی نظر تھی کہ رشتہ داروں کے سب منصوبے فیل ہو گئے اور تمام پروگرام دھرے کے دھرے رہ گئے۔

جامع مسجد وزیر خاں، لاہور، قیامِ پاکستان سے پہلے، متحدہ پاک و ہند کا عظیم ترین سٹیج تھی، جہاں پورے ملک کے جلیل القدر علماء اور مشائخ رونق افروز ہوتے، اُن کی زیارت سے ایمان تازہ ہو جاتا اور اُن کے ارشادات سُن کر دلوں کی ویران بستیاں آباد ہو جاتیں۔ ان دنوں بھی اسی جامع مسجد میں عظیم الشان اجلاس ہو رہا تھا سامعین جوق در جوق حاضر ہو رہے تھے۔ اتنے میں اسٹیج سے اعلان کیا گیا کہ آج

فلاں وقت، فلاں گاڑی سے مُلک کے عظیم عالمِ شریعت اور شیخِ طریقت، جگر گوشۂ امام احمد رضا، حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں بریلوی تشریف لا رہے ہیں، جو حضرات ان کی زیارت سے مشرف ہونا چاہیں، وہ مقررہ وقت پر ریلوے اسٹیشن پہنچ جائیں۔

مشتاقانِ دید کا ایک ہجوم ریلوے اسٹیشن پر جمع ہو گیا، اسی ہجوم میں وہ خوش بخت نوجوان طالب علم بھی تھا، جب گاڑی پلیٹ فارم پر پہنچی اور حضرت حجۃ الاسلام اپنے ڈبے سے باہر تشریف لائے، تو تکبیر و رسالت کے پُرجوش نعروں سے اُن کا استقبال کیا گیا اور ہر شخص بے تابی سے ایک نظر زیارت کرنے اور مصافحہ کے لئے آگے بڑھنے لگا، اسی دھکم پیل میں وہ طالب علم بھی آگے بڑھا اور مصافحہ کرنے کے بعد سر اُٹھا کر جو دیکھا تو اُن کا نورانی چہرہ دیکھتا ہی رہ گیا۔ چہرہ کیا تھا حُسن کی کھُلی ہوئی کتاب تھی، جس پر جمالِ تقویٰ اور جلالِ علم کا نور برس رہا تھا، جسے دیکھ کر کئی غیر مسلم اسلام لے آئے تھے، ایک نظر انہوں نے بھی اس طالب علم کو دیکھا، یہی وہ لمحہ تھا، جب اس طالب علم کو نظر لگ گئی، اس کی رُوح کی گہرائی تک ایک برقی رَو دوڑ گئی اور دل ایک انجانی اضطرابی کیفیت سے دوچار ہو گیا۔

جلسہ بڑی شان و شوکت سے ہوا اور جلسہ کے بعد حضرت حجۃ الاسلام، حضرت شاہ محمد غوث رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کے قریب، اپنی قیام گاہ پر تشریف لے گئے، وہ طالب علم جلسے کے دوران بڑی محویت کے ساتھ ٹکٹکی باندھے انہیں ہی دیکھتا رہا، اور جلسے کے بعد کشاں کشاں ان کی قیام گاہ پر پہنچ گیا۔ حضرت حجۃ الاسلام نے دیکھتے ہی پہچان لیا کہ یہ وہی کشتۂ تیرِ نظر ہے، بڑی محبت و شفقت کے ساتھ اپنے پاس بُلایا اور خیریت دریافت کرنے کے بعد پوچھا کہاں کے رہنے والے ہو؟ اور کیا کرتے ہو؟ طالب علم نے جواب دیا تو انہوں نے اس کے چہرے کی اضطرابی تحریر

پڑھتے ہوئے پوچھا کہ آپ کچھ کہنا چاہتے ہیں ؟ نوجوان نے کہا: جی ہاں! فرمایا: کہو اور بغیر کسی تکلف کے کہو۔ کہنے لگے: مجھے اپنے ساتھ لے جائیں۔ مجھے ایف اے کرنے اور پٹوار کا امتحان پاس کرنے کا کوئی شوق نہیں رہا۔ میں چاہتا ہوں کہ اپنی پیاسی نگاہیں آپ کے دیدار سے سیراب کرتا رہوں۔ آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کروں اور وہ نورانی علم حاصل کروں، جس کے آپ نمائندے ہیں۔ حضرت حجۃ الاسلام نے بڑی خوشی سے اپنے ساتھ چلنے کی اجازت دے دی، اور وہ اپنی جگہ اس شاہین کے زیرِ دام آنے پر بے حد مسرور تھے۔

مرکزِ علم و عرفان بریلی شریف جا کر اس طالب علم نے پوری تندہی اور یکسوئی کے ساتھ علومِ دینیہ حاصل کرنے شروع کئے۔ منظرِ اسلام، بریلی میں حضرت حجۃ الاسلام، مفتیٔ اعظم ہند مولانا محمد مصطفےٰ رضا خاں اور صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی، مصنف بہارِ شریعت ایسے نادرِ روزگار اربابِ علم و نظر کے فیوض سے خوشہ چینی کی۔ آٹھ سال تک جامعہ معینیہ، اجمیر شریف میں صدر الشریعہ کے دریائے علم سے فیضیاب ہونے کے بعد سندِ فراغت حاصل کی۔

آپ جانتے ہیں کہ وہ نوجوان طالب علم کون تھا؟ اُسے کون نہیں جانتا ــــــ؟ اُسے اپنے اور بیگانے سب ہی جانتے ہیں ــــــ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ایسی بلندیوں پر پہنچا کہ بڑے بڑے آفیسر اُس کے قدموں میں بیٹھنے کو سعادت سمجھتے تھے ــــــ بڑے بڑے علماء اس کی دست بوسی کو اپنا شرف تصور کرتے ــــــ بقول حضرت شیخ القرآن علامہ عبد الغفور ہزاروی وہ جس کے سر پر ہاتھ پھیر دیتے (دستار بندی کر دیتے) تھے، وہ راسخ العقیدہ سُنّی عالم دین بن جاتا تھا ــــــ انہوں نے تمام زندگی علومِ دینیہ کا درس دیا ــــــ دلوں کی دُنیا میں حُبِّ مُصطفےٰ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جوت جگائی ــــــ علماء اور محدثین کی اتنی

بڑی جماعت تیار کی کہ اکابر علماء نے انہیں محدثِ اعظم پاکستان تسلیم کیا ـــــ
ـــــ یہ تھے ـــــ محدثِ اعظم پاکستان حضرت علامہ ابو الفضل محمد سردار احمد چشتی قادری قدس سرہ العزیز ـــــ وہ آسمان سُنیت کے چاند تھے، جن کی ضیاء پاشیوں نے پاک و ہند کے خطّے کو بقعۂ نور بنا دیا ـــــ وہ شیخ التفسیر والحدیث تھے ـــــ وہ جامع معقولات و منقولات تھے ـــــ وہ رہبرِ شریعت اور مُرشدِ طریقت تھے ـــــ وہ پیکر رشد و ہدایت تھے ـــــ وہ سحر بیان خطیب تھے ـــــ کئی کئی گھنٹے خطاب فرماتے، اس دوران زورِ بیان اور دلائل کے تسلسل میں فرق آتا اور نہ ہی سامعین کی محویت ختم ہوتی ـــــ وہ کوہِ استقامت تھے ـــــ جو کہتے تھے وہی کرتے تھے اور جو کرتے تھے، اس پر قائم رہنا جانتے تھے۔

مولانا غلام محی الدین قادری، فیصل آباد کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حکومت نے چاند کا اعلان کر دیا ـــــ حضرت کا موقف یہ تھا کہ چونکہ شرعی گواہی موجود نہیں، اس لئے چاند نہیں ہوا ـــــ رات کے وقت ضلع کے حکّام گفت و شنید کیلئے آپ کے پاس آئے، تو آپ نے فرمایا: کیا حکومت یہ سمجھتی ہے کہ سردار احمد موم کی ناک ہے جسے جدھر چاہا موڑ لیا؟ اور اپنا فیصلہ واپس لینے سے صاف انکار کر دیا۔

وہ اقبال کے مردِ مومن کی سچّی تصویر تھے اور اقبال (علیہ الرحمہ) کے اس شعر کا صحیح مصداق تھے ؎

جس سے جگرِ لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم
دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفاں

حضور سیدِ عالم نورِ مجسّم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی محبت تو جانِ ایمان ہے اور ذکرِ مصطفےٰ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم مومن کی رُوح کی غذا ہے، لیکن ان پر حدیث پڑھاتے وقت عجیب کیفیت طاری ہوتی، نبی اکرم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی جس کیفیت کا

بیان ہوتا، ویسی کیفیت ان پر طاری ہوتی، مسرّت و شادمانی کا ذکر ہوتا، تو آپ بھی مسرور دکھائی دیتے ـــــ کسی صدمے یا تکلیف کا ذکر ہوتا، تو آپ کے چہرے پر حزن و ملال کے آثار واضح دکھائی دیتے ـــــ فرائض اور واجبات تو اپنی جگہ رہے، سنن اور مستحبات پر بھی بالالتزام عمل کرتے ـــــ اپنے اساتذہ کا ذکر محبت و عقیدت میں ڈوب کر کرتے ـــــ دوستوں اور معاصرین سے ملتے، تو مسرّت و شادمانی کا پیکر نظر آتے ـــــ سادات کرام کا خصوصی احترام کرتے، تبرّک تقسیم کیا جاتا، تو انہیں دو حصّے دیئے جاتے ـــــ شاگردوں اور مریدوں کی اس قدر عزّت افزائی فرماتے کہ حاضر ہونے والا باغ باغ ہو جاتا اور یہ محسوس کرتا کہ حضرت سب سے زیادہ مجھ پر مہربان ہیں۔

ایک دفعہ سلطان الواعظین مولانا ابوالنور محمد بشیر مدظلہ کوٹلی لوہاراں نے تقریر میں حضرت ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث بیان کرتے ہوئے یہ کہہ دیا کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے حضرت ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت پر خوش ہو کر فرمایا: سَلْ مَا شِئْتَ جو چاہو مانگو ـــــ جلسے کے بعد حضرت محدّث اعظم نے تخلیئے میں انہیں فرمایا: مولانا! حدیث شریف کا مطلب اگرچہ یہی ہے، جو آپ نے بیان کیا ہے، کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے مطلقاً فرمایا ہے کہ مانگو، یہ نہیں فرمایا کہ فلاں چیز مانگو۔ اس اطلاق سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عطا سے تمام نعمتیں آپ کے دستِ اقدس میں ہیں، جسے چاہیں اور جو چاہیں عطا فرمائیں، لیکن حدیث شریف میں مَاشِئْتَ کے الفاظ نہیں ہیں، اگر کوئی مخالف مطالبہ کر بیٹھے کہ حدیث کے یہ الفاظ دکھاؤ تو پریشانی ہو گی، اس لئے احتیاط سے کام لینا چاہیے ـــــ حضرت سلطان الواعظین مدظلہ اس قوتِ استحضار اور فہمائش کے اس حکیمانہ انداز سے بہت متاثر ہوئے

ایک نعت خواں نے جنابِ محمد اعظم چشتی مدظلہ کی نعت پڑھتے ہوئے یہ شعر پڑھا

تُساں سانوں مکھ وکھاونا نئیں، اساں دید بناں ایتھوں جاوناں نئیں
اَساں مڑ مڑ در تے آونا نئیں، ساڈا جوگیاں والا پھیرا اے

حضرت محدثِ اعظم نے فوراً ٹوک دیا اور فرمایا: سرکار بلائیں تو ہم بار بار حاضر ہوں گے، ہمیں کیا عذر ہو سکتا ہے؟ پڑھنا ہے تو دوسرا مصرع اس طرح پڑھو:

ع اسیں مُڑ مُڑ جگ تے آونا نئیں، ساڈا جوگیاں والا پھیرا اے

غور کیجیے! کہ شعر و سخن کا بڑے سے بڑا استاد بھی اس سے بہتر کیا اصلاح کر سکتا تھا؟ ایک لفظ کی تبدیلی سے شعر کو زمین سے اُٹھا کر آسمان پر پہنچا دیا۔
دُوسری طرف بدعقیدہ افراد کیلئے اُن کے دل میں کوئی نرم گوشہ نہیں تھا۔
حضرت سُلطان الواعظین مولانا ابُوالنور محمد بشیر مدظلہ نے بجا فرمایا تھا:

ع حضرتِ فاروقِ اعظم کی تُو اِک شمشیر ہے

بدیہی بات ہے کہ صُلحِ کلیت اور ہر کسی کو سینے سے لگا کر شمعِ محفل بننا بڑا آسان ہے۔ اگر وہ یہ رویّہ اختیار کرتے، تو ہر فرقہ اور ہر طبقہ انہیں سر آنکھوں پر جگہ دیتا، لیکن انہوں نے دُعائے قنوت کے ان کلماتِ طیّبات پر عمل کر کے دکھایا:
وَنَخْلَعُ وَنَتْرُكُ مَنْ يَّفْجُرُكَ بار الٰہا! جو تیرا نہیں، وہ ہمارا نہیں ہے۔
وہ اَلْحُبُّ لِلّٰهِ وَالْبُغْضُ لِلّٰهِ پر عمل پیرا تھے اور زندگی بھر عمل پیرا رہے۔
دادئ نجد کے متشدد دین عامۃ المسلمین کو اس لئے مشرک اور دائرۂ اسلام سے خارج قرار دیتے ہیں کہ وہ سیّدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بارگاہِ الٰہی میں مقبول ترین وسیلہ مانتے ہیں۔ حضرت محدثِ اعظم، حرمین طیّبین کی حاضری کے لئے گئے، تو نجدی اماموں کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے تھے کہ جب ہم ان کے نزدیک مشرک ہیں، تو اُن کے عقیدے کے مطابق ہماری نماز کیسی؟ اور ان کے پیچھے اِقتدا کا کیا مطلب؟ —— پیچھے نماز پڑھنا تو بڑی بات ہے، وہ ایسے لوگوں سے مصافحہ

تک کے رواداری نہ تھے۔ ایک شیعہ افسر آپ سے ملاقات کے لئے آیا، تو آپ نے یہ کہتے ہوئے ہاتھ کھینچ لئے کہ میرے دِل میں حضرات خلفاء راشدین اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی محبت کی شمع روشن ہے۔ مجھے خطرہ ہے کہ اس شمع کی لَو ماند نہ پڑ جائے —— اسی طرح احرار کے مشہور خطیب قاضی احسان احمد شجاع آبادی سے ایک سفر میں آمنا سامنا ہو گیا۔ وہ مصافحہ کرنے کے لئے آگے بڑھے، تو آپ نے فرمایا، تحذیر النّاس، براہینِ قاطعہ، اور حفظ الایمان کی ایمان سوز عبارات کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ انہوں نے کہا کہ میں مناظرہ کرنے نہیں آیا صرف مُلاقات کے لئے آیا ہوں، آپ نے فرمایا، جب تک ان عبارات کا تصفیہ نہیں ہو جاتا میں آپ سے ملاقات نہیں کر سکتا۔

مولانا محمد علی جوہر نے ایسے ہی لوگوں کے بارے میں کہا تھا:

توحید تو یہ ہے کہ خُدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے ہے

عاشق کا جنازہ

یکم شعبان المعظم، ۲۹ دسمبر جمعہ اور ہفتہ کی درمیانی شب (۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء) اپنے دَور کا عظیم محدّث، ملّتِ اسلامیہ کا محُسن، حبیبِ کبریا، علیہ التحیۃ والثناء کا سچا محُب، سُنیّت کا قافلہ سالار، لاکھوں افراد کو اشکبار چھوڑ کر دنیا سے رُخصت ہو گیا۔ کراچی سے آپ کا جسدِ مُقدّس بذریعہ ٹرین، لائل پور (فیصل آباد) لایا گیا۔ مُلک بھر کے علماء و مشائخ اور عوام اہلِ سُنّت کے تا حدِ نظر پھیلے ہوئے مجمع نے آپ کی نمازِ جنازہ میں شرکت کی، بہت سے مخالفین بھی حسرت و یاس کی تصویر بنے ہوئے جنازہ میں شریک ہوئے اور سُنّی رضوی جامع مسجد کے پہلو میں آپ کی آخری آرام گاہ بنائی گئی۔

اس موقع پر ہزار ہا افراد نے ایک حیرت انگیز منظر کھلی آنکھوں سے دیکھا اور جس نے بھی دیکھا، عش عش کر اٹھا۔ ریلوے اسٹیشن سے جامعہ رضویہ تک آپ کے جنازہ پر ایک نورانی پھوار پڑ رہی تھی، جوں جوں جنازہ آگے بڑھتا، انوار کی بارش بھی آگے بڑھتی چلی گئی۔ اس سے بڑھ کر کرامت اور آپ کے مسلک کی صداقت کی دلیل کیا ہو سکتی ہے؟ ربّ العزت کی طرف سے یہ انعام تھا اُن کے تقویٰ و تقدس کا، خدمتِ دین کا، پرچم سُنّیت بلند کرنے کا، حُبِّ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دلوں میں بسانے اور عظمتِ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پھریرے لہرانے کا۔

——رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ——

تذکرۂ مُحدّثِ اعظم پاکستان

مُحدّثِ اعظم پاکستان مفکّرِ اسلام بھی تھے اور مُدبّر بھی تھے —— اُن کی زندگی عملِ مسلسل اور جہدِ پیہم سے عبارت تھی —— وہ ہمہ گیر شخصیت تھے —— بے عملی اُن کے نزدیک بہت بڑا جرم تھی —— جو شخص اُن سے وابستہ ہو جاتا، اسے شعلہ جوّالہ بنا دیتے —— اہلِ سُنّت و جماعت اور خصوصاً اُن کے اصحابِ علم تلامذہ اور مریدین کی ذمہ داری تھی کہ ان کے احوال و آثار کتابی صورت میں جمع کرتے —— ان کی دینی و ملّی خدمات کو قلم بند کرتے —— تاکہ بعد میں آنے والے لوگ ان کی شمعِ حیات سے اکتسابِ ضیاء کرتے —— مگر ہمارے ہاں تو تقریر اور خطابت ہی کو سب کچھ سمجھا جاتا ہے —— قرطاس و قلم کے ساتھ ہمیں دلچسپی ہی نہیں ہے —— ماہ نامہ نوری کرن، بریلی، رضائے مصطفےٰ، گوجرانوالہ، اور محبوبِ حق، فیصل آباد نے ان کے بارے میں اپنی بساط کے مطابق نمبر نکالے —— کئی حضرات نے کتابچے اور مضامین لکھ کر

اُن کی بارگاہ میں خراجِ عقیدت پیش کیا ـــــ تاہم ایک مبسوط کتاب کی ضرورت ہر ذی شعور محسوس کر رہا تھا ـــــ جس میں اُن کی زندگی کے ہر پہلو پر معلومات فراہم کئے گئے ہوں ـــــ کئی دفعہ کوشش بھی کی گئی، لیکن کوئی نتیجہ بر آمد نہ ہوا ـــ

قدرت نے اس اہم کام کا انتظام کرنے کی سعادت، حضرت محدثِ اعظم کے مخلص ترین شاگرد اور مرید، جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور / شیخوپورہ اور تنظیم المدارس، اہل سنّت، پاکستان کے ناظمِ اعلیٰ، حضرت مولانا مفتی محمد عبدالقیوم قادری ہزاروی مدظلہ، کے نام ودیعت فرمائی ہوئی تھی۔ ان کا اخلاص، دین کے لئے سوزِ دروں اور مذہب کے لئے شب و روز کی کاوشِ پیہم، شک و شبہہ سے بالا ہے۔ بلاشبہ وہ ملّت کا قیمتی سرمایہ ہیں، کئی سال سے وہ حیاتِ محدّثِ اعظم کی ترتیب و تدوین کے بارے میں سوچا کرتے تھے۔ بالآخر وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ اس کارِ خیر کا انتظام انہیں ہی کرنا چاہیئے ـــ حُسنِ اتفاق کہ مؤرخِ لاہور جناب محمد دین کلیم نے فیصل آباد میں چار سال قیام کے دوران جو مواد جمع کیا تھا، وہ ان کی خدمت میں لاکر پیش کر دیا۔ مولانا محمد منشا تابش قصوری مدظلہ اور راقم الحروف کے پاس جو متعلقہ مواد تھا، وہ بھی پیش کر دیا۔

اب یہ فکر ہوئی کہ ہزاروں صفحات پر پھیلے ہوئے اس مواد کو کون ترتیب دے گا؟ اس کام کے لئے مفتی صاحب نے حضرت محدّث اعظم کے شاگرد رشید اور متعدد کتابوں کے مصنف مولانا محمد جلال الدین قادری مدظلہ کو منتخب کیا اور واقعی یہ صحیح ترین انتخاب تھا ـــ ۴ محرم الحرام، ۱۱ اکتوبر ۱۴۰۴ھ / ۱۹۸۳ء کو ان سے درخواست کی گئی کہ یہ کام آپ کریں اور آپ ہی کو کرنا چاہیے۔ انہوں نے ناسازئ طبیعت اور کثیر مشاغل کے باوجود تقریباً چار سال کے عرصے میں یہ کام مکمل کر لیا ـــــ مولانا محمد جلال الدین قادری نے اس تذکرے کی ترتیب میں جاں گسل محنت سے کام لیا،

دُور دراز کے کئی سفر کیے، علماء کو سینکڑوں خطوط لکھے اور نہ جانے کتنی راتیں بیدار رہ کر اس عظیم الشان کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔

حضرت محدّثِ اعظم کے فرزندِ اکبر اور جانشین صاحبزادہ قاضی محمد فضلِ رسول حیدر رضوی مدظلہ نے نہ صرف خاندانی حالات فراہم کیے اور حضرت کی ذاتی یادداشتوں کے مطالعہ کی اجازت عطا فرمائی، بلکہ ازراہِ کمال مہربانی تمام کتاب، مؤلف کی زبانی سماعت بھی فرمائی۔ اس طرح اس تذکرے پر مُہرِ تصدیق ثبت فرما دی علاوہ ازیں تقریظ لکھ کر بھی حوصلہ افزائی فرمائی ـــــــ محدّثِ جلیل، شارحِ بخاری حضرت مولانا علامہ غلام رسول رضوی دام ظلّہ نے بھی دُعائیہ کلمات تحریر فرمائے۔

کتابت کے لئے حضرت محدّثِ اعظم کے مخلص نیازمند اور مکتبہ قادریہ لاہور کے دیرینہ رفیقِ کار جناب محمد عاشق حسین ہاشمی زید مجدہ (چینیوٹ) ایسے خوشنویس کو منتخب کیا گیا۔ انہوں نے بڑی محبت اور محنت کے ساتھ، پیشِ نظر تذکرے کی کتابت فرمائی ـــــــ مفتی محمد علیم الدّین مجدّدی نے مفید مشوروں سے نوازا اور حضرت مولانا محمد منشا تابش قصوری نے کتاب پر نظرِ ثانی کی ـــــــ اس طرح یہ کتاب پایۂ تکمیل کو پہنچی اور زیورِ طباعت سے آراستہ ہو کر قارئین کے ہاتھوں میں پہنچ گئی ـــــــ جن جن حضرات نے اس کارِ خیر میں حصّہ لیا ہے، وہ سب ہی دُنیائے سُنّیت کے شکریئے کے مستحق ہیں ـــــــ اللہ تعالیٰ انہیں دُنیا و آخرت میں جزائے خیر عطا فرمائے۔ (آمین)

○

رئیس المتکلمین مولانا سید محمد سلیمان اشرف بہاری قدس سرہٗ

دنیائے علم و فضل کے تاجدار، میدانِ تحقیق و تدقیق کے شہسوار مولانا سید محمد سلیمان اشرف بہاری ابن مولانا حکیم سید محمد عبداللہ قدس سرہما تقریباً ۱۲۹۵ھ/ ۱۸۷۸ء میں محلہ میرداد بہار (ضلع پٹنہ) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی کتب پڑھنے کے بعد مدرسہ حنفیہ جونپور میں اُستاذ العلماء مولانا علامہ محمد ہدایت اللہ رامپوری ثم جونپوری سے علوم کی تحصیل و تکمیل کی۔[۱] ان کے علاوہ اُستاذ الاساتذہ مولانا یار محمد بندیالوی قدس سرہٗ سے بھی استفادہ کیا۔[۲]

طریقت کے اعتبار سے آپ چشتی نظامی فخری سُلیمانی تھے (آپ کے مرشد کا نام معلوم نہیں ہو سکا) موجودہ صدی کے مجددِ اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی آپ کو اجازت و خلافت حاصل تھی۔

۲۰-۱۳۱۹ھ/ ۱۹۰۲ء میں علی گڑھ یونیورسٹی کے شعبۂ اسلامک اسٹڈیز کے چیئرمین مقرر ہوئے۔ آپ کے تقرر کی تفصیل جناب حافظ غلام غوث (نبیرہ مولانا ہدایت اللہ خاں جونپوری) نے ایک مضمون میں بیان کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایم۔ اے۔ او کالج علی گڑھ میں دینیات کے لیکچرار کی ضرورت تھی، مولانا کو اطلاع دی گئی اور انٹرویو میں "معجزہ" پر مقالہ لکھنے کی فرمائش کی گئی اور ساتھ ہی کہا گیا کہ کتابوں کی ضرورت ہو تو حبیب گنج تشریف لے جائیں۔ مولانا نے فرمایا: بحمداللہ مجھے کتابوں کی ضرورت نہیں ہے، صرف کاغذ اور قلم دوات مہیا کر دیا جائے۔ چنانچہ نمازِ عشاء کے بعد سے صبح کی نماز تک ایک ہی مجلس میں بائیس فل اسکیپ صفحات پر مدلل مضمون قلمبند کر دیا جسے بہت پسند کیا گیا۔ پھر نماز جمعہ کے بعد "توحید" پر خطاب کرنے کے لئے کہا گیا تو آپ نے تین گھنٹے

---

[۱] محمود احمد قادری، مولانا: تذکرہ علمائے اہل سنت، ص ۱۰۰
[۲] حیات استاذ العلماء بندیالوی: ص ۳۹

تک اس موضوع پر تقریر فرمائی جسے سُن کر پرستاران وحدت جھوم گئے۔ اس تقریر میں دینیات کمیٹی کے تمام اراکین نواب وقار الملک مُشتاق حسین اور مولانا حبیب الرحمٰن شروانی موجود تھے۔ اسی دن پچاس روپیہ مشاہرہ پر آپ کا تقرر کر دیا گیا۔[۱] آپ نے تا حیات بڑے جاہ و جلال کے ساتھ فرائضِ منصبی کو ادا کیا۔

قدرتِ ایزدی نے آپ کو حیرت انگیز صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ خطابت میں بلا کا زور تھا، جس وقت آپ گفتگو فرماتے، تو دریا کی روانی کا نقشہ سامنے آجاتا تھا پروفیسر رشید احمد صدیقی صدر شعبۂ اُردو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ لکھتے ہیں:

"جونپور میں سیرتِ رسُول کا جلسہ تھا، مرحوم (مولانا محمد سلیمان اشرف) کی تقریر ہو رہی تھی، جلسہ کیا! ایک جمِ غفیر تھا۔ مرحوم اپنے مخصوص والہانہ جوش و وارفتگی کے ساتھ تقریر کر رہے تھے۔ حاضرین کی خاموشی کا عالم یہ تھا کہ سارا مجمع ایک ہی متنفس تھا، اتنے میں دُور سے ایک بوڑھا پستہ قد، منحنی شخص جُھکا ہوا، انبوہ کو چیرتا ہوا بڑھتا نظر آیا، جس شخص کے پاس سے گزرتا ہے، وہ خوف و عقیدت سے سمٹ کر تعظیم دیتا ہے، دیکھتے دیکھتے پلیٹ فارم پر پہنچ گیا، مرحوم کو سینہ سے لگا کر پیشانی کا بوسہ دیا اور واپس چلا گیا۔ یہ مولانا ہدایت اللہ خاں صاحب، جبروت جونپوری کے اُستاد اور جونپور میں اس وقت علم و ہنر کے چشم و چراغ تھے۔"[۲]

جرأت اور بیباکی مولانا کی طبیعت میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ اپنی رائے کا اظہار بے دھڑک کر دیتے تھے۔ کسی کے علم و فضل یا وجاہت و اقتدار سے مرعوب ہونا تو آپ نے سیکھا ہی نہ تھا۔ خودداری کا یہ عالم تھا کہ یونیورسٹی کے کسی ایسے اجلاس میں شریک نہ

---

[۱] غلام غوث، حافظ مولانا محمد سلیمان اشرف اور مولانا حبیب الرحمٰن شروانی کے تعلقات، (سہ ماہی العلم، اپریل تا جون ۱۹۷۴ء، ص ۸۲)

[۲] رشید احمد صدیقی، پروفیسر، گنجہائے گراں مایہ (آئینۂ ادب، لاہور) ص ۳۱، ۳۲

ہوتے، جس میں کسی بڑے آدمی کو مدعو کیا گیا ہوتا اور نہ ہی کسی کے گھر جاتے جب تک اس سے دوستانہ مراسم نہ ہوتے۔[1]

پروفیسر رشید احمد صدیقی لکھتے ہیں:

"مرحوم میں اپنے استاد ہی کا جبروت و طنطنہ تھا، ان کی شفقت میں بھی جبروت کارفرما تھا۔ میں نے مرحوم کو جھجک کر یا گول مول باتیں کرتے کبھی نہ پایا۔"[2]

۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں مردانہ وار حصہ لینے کی بناء پر مسلمانوں کو خوفناک مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ کونسا وہ ظلم ہوگا جو انگریزوں نے اہلِ اسلام کے لئے روا نہ رکھا۔ مسلمانوں کی خستہ حالی سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے ہندوؤں نے پہلے تو مسلمانوں کی املاک اور جاہ و منصب پر ہاتھ صاف کیا، پھر اس طرف سے یک گونہ مطمئن ہوکر ان کے مذہب پر جارحانہ حملے کا آغاز کیا۔ ابتداءً گائے کی قربانی بند کرنے کی تحریک شروع کی اور نکتہ یہ اٹھایا کہ اسلام میں گائے کی قربانی فرض نہیں ہے۔ لہٰذا اگر اس خیال سے کہ گائے کی قربانی سے ہندوؤں کی دل آزاری ہوتی ہے، اسے ترک کر دیا جائے تو کیا مضائقہ ہے؟ اس قسم کے سوالات علماء کی خدمت میں پیش کئے گئے۔ بعض حضرات نے ہندوؤں کے فریب میں آکر فتویٰ دے دیا کہ گائے کی قربانی ترک کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ حضرت مولانا محمد سُلیمان اشرف اور آپ کے شیخ اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی اور دیگر علمائے اہلِ سنت ہی کا کام تھا کہ انہوں نے اس فتنے کا ڈٹ کر مقابلہ کیا، اور واشگاف الفاظ میں اعلان کیا کہ:

"شریعت نے جو اختیار عطا فرمایا ہے، اس سے فائدہ اُٹھانے کا

---

[1] رشید احمد صدیقی، پروفیسر: گنج ہائے گراں مایہ (آئینۂ ادب، لاہور) ص ۳۳

[2] ایضاً: ص ۳۲

ہمیں حق حاصل ہے، خوفِ فتنہ ہو تو حکومت کی قوت کو متوجہ کرنا چاہیئے
بہ پاسِ خاطرِ ہنود یا خوفِ ہنود اپنے دینی حق سے باز رہنا ہرگز روا نہیں"[1]
امام احمد رضا بریلوی نے اس مسئلہ پر ایک مستقل رسالہ انفس الفکر فی قربان البقر سپردِ قلم فرمایا اور مولانا محمد سلیمان اشرف نے اپنی گراں قدر تالیف النور میں سیر حاصل بحث فرمائی۔

پھر ہندوؤں کے عیار اور مکار لیڈر گاندھی نے کانگریس نواز علماء کو کچھ ایسا چکر دیا کہ یہ حضرات اس کے دامِ تزویر میں آگئے اور نہ صرف یہ کہ تحریکِ خلافت اور تحریکِ ترکِ موالات ایسی تحریکوں میں گاندھی کے فیصلے کو حرفِ آخر سمجھنے لگے، بلکہ اس کی اقتدار میں دین و مذہب سے بھی بے اعتنائی برتنے لگے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمان عوام اپنے دینی شعائر کو ترک کر کے ہنود کی خرافات کو اپنانے لگے، اس دور کا نقشہ مولانا سید سلیمان اشرف نے کس درد و کرب سے کھینچا ہے، ذیل کی عبارت میں ملاحظہ فرمایئے:

> "گائے کی قربانی مسلمانوں سے چھڑائی جاتی ہے۔ موحدین کی پیشانی پر قشقہ جو شعارِ شرک ہے، کھینچا جاتا ہے۔ مساجد ہنود کی تفرج گاہیں، مندر مسلمانوں کا ایک مقدس معبد ہے، ہولی شعارِ اسلام ہے جس میں رنگ پاشی اور وہ بھی خاص اہلِ ہنود کے ہاتھوں جبکہ وہ نشۂ شراب میں بدمست ہوں، عجب دلکش عبادت ہے۔ بتوں پر ریوڑیاں چڑھانا، ہار پھولوں سے انہیں آراستہ کرنا، پھولوں کا تاج اصنام کے سروں پر رکھنا خالص توحید ہے ۔۔۔ یہ سارے مسائل ان صورتوں میں اس لئے ڈھل گئے کہ ہندوؤں کی دلنوازی اور استرضاء سے زیادہ اہم نہ توحید ہے نہ رسالت نہ معاد۔ نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ!"[2]

---

[1] محمد سلیمان اشرف، مولانا: النور (مطبوعہ علی گڑھ ۱۹۲۱ء) ص ۲
[2] ایضاً: ص ۸

اس وقت اُمّتِ مُسلمہ کو ایسے راہنما کی ضرورت تھی جو ہندو کی شاطرانہ چالوں کے تار و پود بکھیر کر راہِ راست واضح کرتا اور مسلمانوں کو ہندوازم میں مدغم ہونے سے بچاتا۔ اس نازک دَور میں علمائے اہلِ سُنّت نے طعن و تشنیع سے بے نیاز ہوکر حق گوئی کا فریضہ کماحقہٗ ادا کیا اور علی الاعلان کہا:

"بُت پرست اور بُت شکن کا اتحاد نہیں ہوسکتا۔"

یہی وہ دو قومی نظریہ کا نعرہ تھا جو پہلے پہل علمائے اہلِ سُنّت کی طرف سے بُلند ہوا اور اسی نظریے کی بنا پر پاکستان معرضِ وجود میں آیا۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی کی بلند پایہ تصنیف المحجۃ المؤتمنہ اور مولانا سیّد محمد سلیمان اشرف کی تصنیف لطیف النّور کا مطالعہ کیجئے، یہ حقیقت بے نقاب ہوکر سامنے آجائے گی۔

مولانا سیّد محمد سلیمان اشرف، مشرکین ہنود سے کس قدر متنفر تھے، اس کا اندازہ ذیل کے واقعہ سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ جناب ڈاکٹر عابد احمد علی بیان کرتے ہیں:

ایک مرتبہ علی گڑھ یونیورسٹی کی مسجد میں بعض لوگوں نے گاندھی کو تقریر کے لئے بُلایا، تو سیّد صاحب (مولانا محمد سلیمان اشرف) نے بعد میں خود اپنے ہاتھ سے ساری مسجد کو دھو کر صاف کیا۔[1]

مشرکین سے یہ نفرت و بیزاری محض دینی جذبے اور خوفِ خُدا کے تحت تھی۔ چنانچہ ایک موقعہ پر فرمایا:

"دیکھو علماء کس طرح لیڈروں کا کھلونا بنے ہوتے ہیں اور لیڈروں نے مذہبی اصول اور فقہی مسائل کو کیسا گھروندا بنا رکھا ہے — ؟ میں جھگڑا مول لینا نہیں چاہتا ہوں اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ کالج اس قسم کے مناقشوں کا مرکز بنے، لیکن کیا کہ وں خدا کو تو بعد میں مُنہ دکھانے

---

[1] عابد احمد علی ڈاکٹر: مقالاتِ یومِ رضا (حصّہ سوم) مطبوعہ اپریل ۱۹۷۱ء، ص ۱۰

کا موقع ملے گا، اس دُنیا کے پڑھے لکھے لوگ کیا کہیں گے۔" [1]

مولانا کے نزدیک دین کی حفاظت سب سے اہم تھی، سلطنت کے حصول کی خاطر ہنود سے اتحاد مناکہ دین کے پس پشت ڈالنے کو بدترین گمراہی قرار دیتے تھے، چنانچہ فرمایا کرتے تھے:

"لعنت ہے اُس سلطنت پر جو دین بیچ کر حاصل کی جائے۔" [2]

ماہِ رجب بمطابق مارچ (۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء) میں جمعیۃ العلماء ہند کا اجلاس بریلی میں ہونا طے پایا۔ پروپیگنڈے کے طور پر دو اشتہار سامنے آئے، جن سے معلوم ہوتا تھا کہ اراکین جمعیت اس آن بان سے بریلی آئیں گے کہ ان کی گھن گرج سے مخالفین دہل جائیں گے اور کسی کو مجال دم زدن نہ ہوگی۔ ایک اشتہار کا عنوان تھا، "زندگی مُستعار کی چند ساعتیں" اس میں اجلاس کے مقاصد بیان کرتے ہوئے کہا گیا تھا:

"مخالفین ترکِ موالات اور موالاتِ نصاریٰ کے عملی حامیوں پر اتمامِ حجت کیا جائے گا۔"

دُوسرا اشتہار بعنوان "آفتابِ صداقت کا طلوع" شائع ہوا۔ اس میں مخالفین پر بڑے رکیک حملے کئے گئے تھے، ذرا اس اشتہار کے غیر منصفانہ تیور ملاحظہ ہوں، اس میں لکھا تھا:

"منکرین و منافقین پر اتمام حجت، مسائلِ حاضرہ کا انقطاعی فیصلہ، خدائی فرمان پہنچانے کے لئے بریلی میں جمعیۃ العلماء کا اجلاس ہونے والا ہے، سچائی ظاہر ہوگئی اور جھوٹ بھاگ نکلا، خداوند جبار و قہار کا یہ فرمان پورا ہو کر رہے گا۔" [3]

---

[1] رشید احمد صدیقی، پروفیسر: گنج ہائے گراں مایہ، ص ۳۰

[2] محمد نعیم الدین مُرادآبادی، مولانا سید: حیات صدر الافاضل، ص ۱۰۱

[3] اراکین جماعتِ رضائے مصطفےٰ، بریلی: دوامغ الحمیر (مطبوعہ بریلی)، ص ۴

۱۰ رجب، ۲۰ مارچ (۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء) کو صدر شعبۂ علمیہ جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی، صدر الشریعہ مولانا محمد امجد علی اعظمی نے ستر سوالات پر مشتمل اعلانِ مناظرہ بنامِ اتمام حجت شائع کر کے جمعیۃ العلماء کے ناظم کو بھیج دیا، لیکن بار بار تقاضوں کے باوجود عمائدینِ جمعیۃ مناظرہ کے لئے تیار نہ ہوئے اور بلند بانگ دعاوی کو صاف نظر انداز کر گئے۔

۱۳ رجب ۱۳۳۹ھ کو مولانا سید محمد سلیمان اشرف بھی تشریف لے آئے۔ انہوں نے انفرادی طور پر بھی مناظرہ کی دعوت دی، اس کا جواب مولانا ابوالکلام آزاد نے دیا، لیکن مختلف فیہ مسائل پر گفتگو کرنے کی بجائے غیر متعلقہ مسائل کا تذکرہ چھیڑ دیا اور کسی طرح نزاعی مسائل پر گفتگو کرنے کے لئے تیار نہ ہوئے۔ آخر ۱۴ رجب کو شام کے بعد مولانا سید سلیمان اشرف، حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا بریلوی، صدر الشریعہ مولانا محمد امجد علی صدر جماعت رضائے مصطفیٰ، صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی، ملک العلماء مولانا ظفر الدین بہاری، مولانا محمد حسنین رضا خاں ناظم جماعت رضائے مصطفیٰ اور مولانا برہان الحق وغیرہم حضرات شان و شوکت کے ساتھ جمعیۃ العلماء کے پنڈال میں تشریف لے گئے۔ صدر جلسہ مولوی ابوالکلام آزاد نے جماعت رضائے مصطفیٰ کے مناظرین کو خطاب کا وقت نہ دیا۔ غالباً وہ اس طرح ستر سوالات کے جواب سے پہلو تہی کرنا چاہتے تھے، البتہ مولانا سید سلیمان اشرف کو ۳۵ منٹ کا وقت دیا، اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ ان کے نام اجلاسِ بریلی میں شرکت کا دعوت نامہ جا چکا تھا۔ [1]

مولانا سید محمد سلیمان اشرف نے خطاب فرمایا اور علماء اہل سنت کا موقف بڑی خوبی سے واضح کیا۔ اس تقریر کو پڑھ کر مولانا کی حق گوئی، صلابتِ رائے اور چھا جانے والی شخصیت کا گہرا احساس دل پر نقش ہو جاتا ہے۔ یہ تقریر رودادِ مناظرہ میں جماعت رضائے مصطفیٰ، بریلی کی طرف سے شائع ہو چکی ہے۔ اس تقریر کے چند اقتباسات ذیل میں پیش کئے جاتے ہیں، مولانا نے مابہ الاتفاق اور مابہ الاختلاف بیان کرتے ہوئے فرمایا:

---

[1] اراکین جماعت رضائے مصطفیٰ، بریلی: رودادِ مناظرہ ص ۲، ۴

"مسئلہ خلافت و تحفظ و صیانت اماکنِ مقدسہ اور ترکِ موالات، یہ وہ مسائل ہیں جن میں نہ صرف فقیر بلکہ تمام علمائے کرام، نہیں، بلکہ تمام عامہ مسلمین ہمیشہ متفق اللسان ہیں، ترکوں کی خلافت بمعنی قوتِ دفاعی ایک امر مسلّم ہے، خدمت حرمین شریفین ہر مسلمان پر فرض کفایہ ہے۔ نیز محافظت حرمین شریفین بھی ہر مسلمان پر فرض کفایہ ہے۔ سلطنتِ ترکی ہماری دینی بھائی، اس پر اسلامی سلطنت، اس پر اسلام کی قوتِ دفاعی، پھر حرمین شریفین کی خادم و محافظ، پس ان کی اعانت اور نصرت نہ صرف مسلمانانِ ہند بلکہ تمام مسلمانانِ عالم پر بقدرِ استطاعت فرض ہے۔ یہ وہ مسائلِ شرعیہ ہیں جنہیں نہ میں صرف اس وقت بیان کر رہا ہوں، بلکہ آج سے دس برس پیشتر فقیر نے کہا، لکھا، چھاپا، ملک میں شائع کیا۔

میرا و نیز دیگر علمائے اہل سنّت و جماعت کا آپ سے اختلاف اس مسئلہ میں ہرگز نہیں، ہاں اختلاف اس میں ہے کہ آپ ہندوؤں سے موالات برتتے ہیں اور مسلمانوں کو حرام و کفریات کا مرتکب بناتے ہیں تفصیل اس کی یہ ہے کہ موالات ہر نصرانی و یہودی سے ہر حال میں حرام ہے اور قطعی حرام! یاایھا الذین اٰمنوا لاتتخذوا الیھود والنصارٰی (الآیۃ) نصرانی اور یہودی خواہ فریقِ محارب ہو یا غیر محارب مطلقاً موالات اُن سے حرام اور مطلقاً حرام، ہر کافر سے موالات حرام، خواہ محارب ہو یا غیر محارب، لایتخذ المؤمنون الکافرین اولیآء۔

آپ حضرات انگریزوں سے تو موالات حرام بتاتے ہیں اور کافروں (ہندوؤں) سے موالات نہ صرف جائز، بلکہ عین حکمِ الٰہی کی تعمیل بتاتے ہیں۔ آپ نے قشقہ لگایا، گاندھی کی جے ایک دو بار نہیں، بلکہ بیسیوں جگہ بیسیوں

بار پکاری کہ مہاتما گاندھی کی جے۔ جس طرح صلیب علامتِ تثلیث ہے، کیا قشقہ علامتِ شرک نہیں؟ کیا آپ کی غیرت تقاضا کرتی ہے کہ شرک کی علامت قشقہ اپنی پیشانیوں پر لگائیے؟

آپ ہمارے سامنے سمرنا وغیرہ کے مظالم بیان کر کے ہمارے جذبات اُبھارتے ہیں، مگر کیا ہندوؤں نے آرہ، شاہ آباد، کٹارپور وغیرہ میں قربانی بند کرنے کے لئے ایسے ہی مظالم نہیں کئے؟ قرآن مجید نہیں پھاڑے؟ عورتوں کی بے حُرمتی نہیں کی؟ مسلمانوں کی جانیں نہیں لیں؟ مسجدوں میں بے ادبیاں نہیں کیں؟ آج آپ سبز گنبد کی بے ادبی ہوتے سے غیرت دلاتے ہیں، مگر کیا آپ کے لئے یہ غیرت کی بات نہیں تھی، جبکہ یہ کہہ کر دربارِ نبوت و رسالت کی اہانت کی گئی کہ:

"اگر نبوت ختم نہ ہو گئی ہوتی، تو مہاتما گاندھی نبی ہوتے۔"

آپ نے اس پر کیوں انکار نہ کیا؟ کیوں خاموش رہے؟

غرض مقاماتِ مقدسہ و خلافتِ اسلامیہ کے مسائل میں ہمیں اختلاف نہیں، ہندوستان کے مفاد کی کوشش کیجئے، اس سے ہمیں خلاف نہیں۔ خلاف ان حرکات سے ہے، جو آپ لوگ منافی و مخالفِ دین کر رہے ہیں، ان حرکات کو دُور کر دیجئے، ان سے باز آیئے، ان کی روک تھام کیجئے، عوام کو ان سے باز رکھئے، تو خلافتِ اسلامیہ و ممالکِ مقدسہ کی حفاظت، ہندوستان کے ملکی مفاد کی کوششیں، ہم بھی آپ کے ساتھ مل کر کرنے کو تیار ہیں۔"[1]

اس کے بعد ابو الکلام آزاد نے چند باتیں بطورِ صفائی کہیں، جن کا خلاصہ آئندہ سطور میں مندرج ہے:

---

[1] اراکین جماعت رضائے مصطفےٰ، بریلی: رُودادِ مناظرہ، ص ۵، ۸

یہاں کس نے قشقے کی اجازت دی؟ کس نے مہاتما گاندھی کی جے، پکارنے کو کہا؟ بلکہ میں خود تو مہاتما کے یہ معنی تک نہیں جانتا کہ وہ کوئی تعظیم کا لفظ ہے — یہاں کے کس ذمہ دار نے کہا کہ "اگر نبوت ختم نہ ہوگئی ہوتی، تو مہاتما گاندھی نبی ہوتے؟ یہ کفر کا کلمہ کون مسلمان کہہ سکتا ہے؟ اور جے، قشقہ وغیرہ حرکاتِ مخالفِ دین پر ہم سخت نفرین کرتے ہیں — نفسِ موالات تمام کفّار سے خواہ وہ حربی یا غیر حربی، یقیناً حرام اور ممنوع ہے اور ہم کب اسے جائز بتاتے ہیں — کوئی غیر مسلم کسی مسلم کا ہرگز پیشوا و رہنما نہیں ہو سکتا، مسلمانوں کی پیشوائی و راہنمائی ایک ذات حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ہے اور ان کی نیابت سے علماء کے لئے ہے۔ میں صاف کہتا ہوں کہ ہمارے ہندو بھائی بائیس کروڑ ہیں اور اگر وہ بائیس کروڑ گاندھی ہوں اور مسلمان اُن کو اپنا پیشوا بنائیں اور اُن کے بھروسہ پر رہیں تو وہ بُت پرست ہیں اور گاندھی اُن کا بُت ہے" [1]

مولانا آزاد نے اپنی تقریر میں مسئلہ قربانی کے بارے میں کچھ نہ کہا، اس تقریر کے جواب میں مولانا سید سلیمان اشرف نے کہا:

"ابوالکلام صاحب کہتے ہیں کہ آیات میں تحریف کر کے ہنود سے موالات کس ذمہ دار شخص نے جائز بتائی؟ کیا حکیم اجمل خاں صاحب ذمہ دار شخص نہیں؟ پھر اُن کا مطبوعہ خطبہ دیکھئے، جس کی ہزاروں کاپیاں شائع ہوئیں۔ آپ کہتے ہیں کہ قشقہ وغیرہ حرکات کی ہم نے کب اجازت دی؟ مگر آپ نے عوام کے سامنے ہنود سے اتحاد کو کیوں اس طرح مفصل و مشرح کر کے نہیں پیش کیا کہ ان امور میں اتحاد کرو اور ان امور میں الگ ہو۔ آپ نے

---

[1] اراکین جماعت رضائے مصطفےٰ، بریلی: رُوداد مناظرہ، ص ۸، ۹

ان کے سامنے مجمل صورت میں اتحاد پیش کیا، جس سے وہ ان حرکات میں مبتلا ہوتے، پھر آپ ان حرکات کی ذمہ داری سے کیسے الگ ہو سکتے ہیں۔ خود آپ کے شہر بریلی میں گاندھی کو سپاسنامہ پیش کیا گیا، جس میں گاندھی کی نسبت کہا گیا۔

ع خاموشی از ثنائے توحدِ ثنائے تست

کیا آپ حضرات نے اس پر کچھ انکار کیا، کیا آپ کا یہ سکوت آپ پر الزام نہیں لاتا؟

ابوالکلام آزاد — اِن الزامات پر خاموش رہے، پھر مولانا محمد سُلیمان اشرف نے مولانا عبدالماجد بدایونی کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر کہا:

"کہو یار تمہاری بھی کہہ دیں، تم نے گاندھی کو کہا کہ خدا نے ان کو مُذکّر بنا کر بھیجا ہے، یہ کُفر ہے۔"[1]

اِس پر مولانا بدایونی خاموش رہے، تقریر ختم ہونے پر مولانا حامد رضا بریلوی نے فرمایا:

"ہمیں خلاف آپ حضرات کی ان خلافِ شرع و خلافِ اسلام حرکات سے ہے، جن میں سے کچھ مولوی سید محمد سلیمان اشرف صاحب نے بیان کیں، اور جن کے متعلق جماعت رضائے مصطفےٰ کے ستر سوال بنام "اتمامِ حجّت تامّہ" آپ کو پہنچے ہوتے ہیں، ان کے جواب دیجئے، جب تک آپ ان تمام حرکات سے اپنا رجوع نہ شائع کر دیں گے اور اُن سے عہدہ برآنہ ہولیں گے، ہم آپ سے علیحدہ ہیں اور اس کے بعد خدمت و حفاظت حرمین شریفین و مقاماتِ مقدسہ و ممالکِ اسلامیہ میں ہم آپ کے ساتھ مل کر جائز

---

[1] اراکین رضائے مصطفےٰ، بریلی: رُوداد مناظرہ ص ۹ — ۱۰

کوشش کرنے کو تیار ہیں۔" [1]

یہ ہے خلاصۂ گفتگو، جس میں علمائے اہلِ سُنّت کو نمایاں کامیابی ہوئی۔ صدرالافاضل مولانا سیّد محمد نعیم الدین مُرادآبادی نے اعلیٰ حضرت امامِ اہلِ سنّت امام احمد رضا بریلوی کے نام ایک مکتوب میں اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے لکھا:

"روانگی کے وقت بریلی کے اسٹیشن پر ایک تاجر صاحب نے مجھ سے کہا کہ ابوالکلام جس وقت بریلی سے جارہے تھے، میں اُن کے ساتھ تھا، وہ یہ کہتے جاتے تھے کہ "اُن کے جس قدر اعتراض ہیں، حقیقت میں سب درست ہیں، ایسی غلطیاں کیوں کی جاتی ہیں، جن کا جواب نہ ہو سکے اور ان کو اس طرح گرفت کا موقع ملے۔"

مَیں اپنی مسرت کا اظہار نہیں کر سکتا، جو مجھے اس فتح سے حاصل ہوئی۔ میدان مولوی سلیمان اشرف صاحب کے ہاتھ رہا۔ حضرت کے غلاموں کی ہمّت قابلِ تعریف ہے۔" [2]

مولانا سیّد محمد سلیمان اشرف نے متعدد کتابیں تحریر فرمائیں جن میں بیان و برہان کا زور پوری طرح جلوہ گر ہے۔ آپ نے جب النّور اور الرشاد ایسی کتابیں لکھ کر ہندو نواز کانگریسی لیڈروں کا شرعی نقطۂ نگاہ سے محاسبہ کیا تو نئی لفتوں کا طوفان کھڑا ہو گیا۔ تحریر و تقریر کے ذریعے آپ کے خلاف پروپیگنڈا کیا گیا، لیکن آپ کوہِ وقار بنے رہے اور طعن و تشنیع کی پروا کئے بغیر اعلاءِ کلمۃ الحق کا فریضہ ادا کرتے رہے۔ اس وقت عوام تو عوام بعض خواص بھی اس مغالطے میں واقع ہو گئے کہ عام طور پر کانگریس اور جمعیۃ العلماءِ ہند کے لیڈر جو کچھ کہہ رہے ہیں، وہی سو فیصد درست ہے۔

---

[1] اراکین رضائے مصطفےٰ، بریلی: رُودادِ مناظرہ ص ۱۰-۱۱

[2] ایضاً: ص ۱۹-۲۰

جُوں جُوں وقت گزرتا گیا، یہ احساس یقین کی حد کو پہنچنے لگا کہ اس افراتفری کے دَور میں علماء اہل سُنّت نے جو کچھ کہا تھا، وہی حقیقت تھا۔

پروفیسر رشید احمد صدیقی لکھتے ہیں:

"سیلاب گزر گیا، جو کچھ ہونے والا تھا وہ بھی ہوا، لیکن مرحوم (مولانا سیّد محمد سلیمان اشرف) نے اس عہد سراسیمگی میں جو کچھ لکھ دیا تھا، بعد میں معلوم ہوا کہ حقیقت وہی تھی، اُس کا ایک ایک حرف صحیح تھا، آج تک اس کی سچائی اپنی جگہ پر قائم ہے، سارے علمی سیلاب کی رَو میں آچکے تھے، صرف مرحوم اپنی جگہ پر قائم تھے۔" [۱]

فارسی شعر و ادب کی تاریخ پر الانہار لکھی۔ عربی، فارسی اور اُردو کے محقق اور ادیب مولانا حبیب الرحمٰن شروانی نے اسے شبلی کی شعر العجم سے بہتر قرار دیا۔ حج کے موضوع پر الحج تالیف کی، جسے مولانا شروانی نے حج کے موضوع پر سب سے بہتر قرار دیا۔ عربی زبان کی برتری اور فوقیت پر نہایت وقیع کتاب المبین لکھی، جسے اہلِ علم نے بے حد سراہا۔ مشہور مستشرق مسٹر براؤن نے اسے دیکھ کر کہا:

"مولانا نے اِس عظیم موضوع پر اُردو میں یہ کتاب لکھ کر ستم کیا، عربی یا انگریزی میں ہوتی، تو کتاب کا وزن اور وقار بڑھ جاتا۔" [۲]

مولانا نے المبین کا ایک نسخہ ڈاکٹر اقبال کو بھی بھجوایا تھا۔ اتفاقاً کچھ دن بعد علامہ اقبال، علی گڑھ گئے تو دورانِ ملاقات اس کتاب کی بڑی تعریف کی اور کہا:

"مولانا آپ نے عربی زبان کے بعض ایسے پہلوؤں پر بھی روشنی

---

[۱] رشید احمد صدیقی، پروفیسر: گنج ہائے گراں مایہ، ص ۲۱

[۲] محمود احمد قادری، مولانا: تذکرہ علمائے اہل سنّت، ص ۱۰۰

ڈالی ہے، جن کی طرف پہلے کبھی میرا ذہن منتقل نہیں ہوا تھا۔"[1]

مشہور صاحبِ قلم محمد حنیف ندوی المبین پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اُس کا تعارف مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی مرحوم نے تحریر کیا ہے۔ دیباچہ سید نور محمد قادری نے لکھا ہے، جو ۳۵ صفحات پر مشتمل ہے۔

"المبین، مولانا سید سلیمان اشرف مرحوم، سابق صدر شعبۂ علوم اسلامیہ، علی گڑھ کی معرکۃ الآرا تصنیف ہے۔ اس کا موضوع، ان تلبیہات و شکوک کا ازالہ ہے، جن کو فلسفۃ اللغۃ العربیہ کے مصنف جرجی زیدان نے عربی زبان کی اہمیت و وقار کو گزند پہنچانے کے لئے وضع کیا۔ اس کی حیثیت ایسے ادبی اور تحقیقی شاہکار کی ہے جس میں ایک طرف اگر زبان اور اسلوب کا اچھا خاصا چٹخارہ پایا جاتا ہے، تو دُوسری طرف تحقیق و تفحص کی ایسی نادرہ کاری بھی جلوہ کناں ہے جو علمی حلقوں سے خصوصی داد پانے کی مستحق ہے۔

عربی زبان وسعت اور اظہار و تبیین کی معجزانہ خوبیوں سے اس درجہ مالا مال ہے کہ دُنیا کی کوئی زبان اس بارے میں اس کی نظیر پیش نہیں کر سکتی۔ اس کے الفاظ میں جو معنویت اور آہنگ و صوت کی مناسبتیں پائی جاتی ہیں، وہ بھی صرف اسی کا مقدر ہے۔ اس میں مرصّع اور جامع الفاظ سے لے کر اسلوب تک ہر شے منفرد اور ممتاز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وحی و تنزیل کی تکمیل و اتمام کا جب وقت آیا، تو مشیتِ ایزدی نے اس زبان کو یہ فخر بخشا کہ اس کے ذریعے اسلام کے پیغامِ ہدایت التیام کو عام کیا جائے۔ لیکن اس کا کیا کیجئے کہ عربی زبان کی یہی خوبی نگاہِ استشراق میں بڑی طرح کھٹکی، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ نام نہاد عربی دانوں میں اس پر انگلیاں اٹھنے

---

[1] رشید احمد صدیقی، پروفیسر: گنجہائے گرانمایہ ص ۱۴۱

لگیں۔ کسی نے کہا کہ یہ اہلِ بادیہ کی زبان ہے، اس میں بھلا یہ استعداد کہاں کہ جدید لسانی تقاضوں کا ساتھ دے سکے۔ کسی نے یہ کہہ کر اس کی کم مائیگی پر اعتراض کیا کہ اس میں سوا مترادفات کی کثرت کے اور رکھا ہی کیا ہے اور جرجی زیدان نے یہ کہہ کر دل کی بھڑاس نکالی کہ عربی زبان صرف دو حرفوں سے ترکیب پذیر ہے، اور یہ کہ اس میں بہت سے الفاظ دوسری زبانوں سے مستعار لئے گئے ہیں۔

مولانا سلیمان اشرف نے عربی زبان کے فضائل اور خوبیوں کو جس بلند لسانی سطح پر پیش کیا ہے اور تحقیق تفحص کے جن موتیوں کو رولا اور ترتیب دیا ہے، اس سے اس حسین و مکمل زبان کے بارے میں دو منطقی نتیجے نکالے جا سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ یا تو اس کی زلف و کاکل کو سنوارنے اور چمکانے میں اس حد تک مشاطۂ قدرت کے دستِ ہنر پرور کا براہِ راست کرشمہ کار فرما ہے اور یا پھر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کچھ ماہرِ لسانیات نے سوچ سمجھ کر اس کے مزاج و نہج کو ترتیب دیا ہے۔

یہ کتاب سات ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں وضع الفاظ سے تعرض کیا گیا ہے، اس میں بیان کیا ہے کہ آلۂ صوت کو جس جامعیت اور قوت و بلاغت کے ساتھ عربی زبان میں استعمال کیا گیا ہے، اس کی مثال کسی عجمی زبان میں پائی نہیں جاتی۔ یہ باب اپنے دامن میں نہایت قیمتی مواد کو لئے ہوئے ہے۔

دُوسرا باب مخارج و صفات و اعرابِ حروف سے متعلق ہے، اس میں اعراب و حرکات کا سلسلہ نہایت تحقیق و کاوش سے پیش کیا گیا ہے اور بیان کیا گیا ہے کہ اس کے حروف ترکیبی کا معنیٰ و مفہوم سے گہرا تعلق ہے۔

تیسرے باب میں عربی الفاظ کی اس خصوصیت کو امثلہ و نظائر کی روشنی میں واضح کیا گیا ہے کہ ان اسالیب و امتزاج کی صورت میں جو معنویت ابھرتی ہے، وہ کیا ہے اور کیونکر دو حرف مل کر ایک مخصوص مفہوم کو جنم دیتے ہیں۔

چوتھے باب میں حروف کی خصوصیات کی تفصیلی بحث ہے، اس میں جرجی زیدان کے علمی بھرم کا پول کھولا گیا ہے اور ثابت کیا گیا ہے کہ لفظ "قط" ثنائی نہیں ثلاثی ہے اور اس بارے میں اس نقادِ مستشرق نے ایسی ٹھوکر کھائی ہے جس کو اہلِ علم کبھی معاف نہیں کر سکتے۔

پانچواں باب کن نوادرِ علمی کا احاطہ کئے ہوئے ہے، ان کو مختصراً بیان کرنا مشکل ہے۔ اس کا تعلق عربی کے ارتقائی مراحل سے ہے۔

چھٹے باب میں اشتقاق صغیر و کبیر کی لطیف فنّی بحث ہے، اس میں معجزانہ زبان کی اس خصوصیت کا ذکر ہے کہ اس میں الفاظ کی ترکیب و ساخت کچھ اس انداز کی ہے کہ اس کو جتنی ممکنہ صورتوں میں ڈھالا جائے، معنیٰ کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوٹنے پاتا، مثلاً لفظ "قمر" کو لیجئے جس کے معنی چاند کے ہیں، الٹ پھیر سے ممکنہ صورتیں یہ ہوں گی: (۱) رقم، اس کے معنی لکھنے کے ہیں (۲) مقر، زہر کو کہتے ہیں (۳) رمق، اس سے مراد تھوڑی سی جان ہے، جو باقی رہ گئی ہو (۴) قرم، سردار کے معنوں میں ہے۔ (۵) مرق، شوربے کو کہتے ہیں۔ اشتقاقِ صغیر و کبیر پر متقدمین نے بھی اظہارِ خیال کیا ہے لیکن جس تفصیل و تحقیق سے مولانا مرحوم نے اس موضوع پر لکھا ہے اس کی نظیر نہیں پائی جاتی۔

ساتویں باب میں عربی زبان کے اس کمال و اعجاز کا ذکر ہے کہ اس کے الفاظ صرف یہی نہیں کہ اپنے معنیٰ و مفہوم کے ساتھ ہم آہنگ ہوتے ہیں، بلکہ ان میں مفہوم و معنیٰ کی حقیقت و فلسفہ پر بھی روشنی پڑتی ہے، اس دعوے کے ثبوت میں مولانا نے جو دلائل پیش کئے ہیں، جن نظائر و امثال کا سہارا لیا ہے اور جس محنت و کاوش اور اجتہاد و استنباط سے کام لیا ہے، اس سے ان کی عبقریت و فضیلتِ علمی کا پتا چلتا ہے

ہماری رائے میں یہ کتاب اپنے موضوع کی محتویات کی وسعت و تحقیق اور بلیغ تر ادبی اسلوب کے لحاظ سے اس لائق ہے کہ عربی زبان سے لگاؤ رکھنے والا ہر شخص اس کا مطالعہ کرے۔" (ماہنامہ المعارف، لاہور، اپریل ۱۹۸۳ء)

مولانا کا اہل سنت پر یہ احسان بھی کچھ کم نہیں ہے کہ آپ نے مجاہد جلیل مولانا علامہ محمد فضل حق خیرآبادی کی لاجواب تصنیف امتناع النظیر پہلی دفعہ شائع کر کے اسے علمی دُنیا میں متعارف کرایا ہے۔ [1]

مولانا سید محمد سُلیمان اشرف قدس سرہٗ نصف صدی سے زیادہ عرصہ تک مُسلم یونیورسٹی، علی گڑھ میں فرائض تدریس انجام دیتے رہے۔ آپ سے ہزارہا افراد نے استفادہ کیا۔ چند مشاہیر تلامذہ کے نام یہ ہیں:

ا۔ مبلغ اسلام مولانا ڈاکٹر فضل الرحمٰن انصاری، بانی المرکز الاسلامی، کراچی؛

۲۔ پروفیسر رشید احمد صدیقی، مؤلف گنج ہائے گراں مایہ، علی گڑھ۔

۳۔ ڈاکٹر عابد احمد علی، مہتمم بیت القرآن، پنجاب پبلک لائبریری، لاہور۔

(م ۲۵ اپریل ۱۹۷۴ء)

۴۔ ڈاکٹر برہان احمد فاروقی، لاہور۔

۵ ربیع الاول، ۲۵ اپریل ۱۳۵۸ھ/۱۹۳۹ء) میں مولانا علامہ سید محمد سُلیمان اشرف بہاری قدس سرہٗ کا وصال ہوا[2] اور علی گڑھ کے قبرستان میں دفن کیے گئے۔[3]

ضمیمہ باغی ہندوستان

---

[1] محمد یعقوب ضیاء القادری، مولانا: اکمل التاریخ حصہ اول ص ۹۰

[2] عبدالقدوس ہاشمی: تقویم تاریخی ص ۲۴۸

[3] نوٹ: "تذکرہ علمائے اہل سنت" میں لکھا ہے کہ رمضان المبارک ۱۳۵۲ھ میں آپ کا وصال ہوا جو صحیح نہیں ہے۔

مثنوی ہشت بہشت اور اُس کا مقدمہ

حضرت محبوب الٰہی خواجہ نظام الدّین دہلوی کے محبوب مُرید حضرت امیر خسرو (رحمہما اللہ تعالیٰ) تصوّف و اخلاق، حکمت و دانش، علم و فضل اور شعر و سخن کی دنیا کے امام تھے۔ ہندوستان کے باشندے ہونے کے باوجود ان کے فارسی کلام کی عظمت و ثقاہت کا یہ عالم ہے کہ ایرانی شعراء نے نہ صرف ان کی سخنوری کے سکے کو تسلیم کیا، بلکہ ان کی پیروی بھی کی۔

حضرت امیر خسرو رحمہ اللہ تعالیٰ نے ہر صنفِ سخن میں طبع آزمائی کی اور کمال کی بلندیوں کو چھُوا، رودکی، فردوسی اور مولانا نظامی کے بعد مثنوی کے میدان میں اُن کا رہوار قلم چلا اور بعد والوں کے لئے ناقابل قبول چیلنج چھوڑ گیا۔

"مثنوی ہشت بہشت" ان کی آخری مثنوی ہے، جس میں اُنہوں نے ایران کے بادشاہ بہرام گور کی عیش پرستی اور شوقِ شکار کا قصہ قلمبند کیا ہے۔ اسی ضمن میں انہوں نے بڑے حکیمانہ انداز میں بادشاہِ وقت علاء الدّین خلجی کو نصیحت بھی کی ہے اور بیٹی کو بھی نصیحت فرمائی ہے۔ یہ وہ نصیحتیں ہیں جو ہر حکمران اور بیٹی کے لئے کارآمد ہیں اور حرزِ جاں بنانے کے قابل ہیں۔

اس نادرِ روزگار مثنوی کی تصحیح، تنقید اور تعارف کا کام جناب نواب عماد الملک سیّد بلگرامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے نابغۂ عصر علامہ سیّد سلیمان اشرف بہاری خلیفۂ امام احمد رضا بریلوی (رحمہما اللہ تعالیٰ) وصدر شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے ذمہ لگایا۔ نواب حاجی محمد اسحاق خاں آنریری سیکرٹری مدرسۃ العلوم علی گڑھ اور شیخ محقق شاہ عبد الحق محدّث دہلوی قدس سرہٗ کے خانوادہ کے صاحب علم بزرگ مولانا محمد احتشام الدّین ایم۔ اے نے علمی سطح پر ان کے ساتھ تعاون فرمایا۔

علامہ بہاری نے یہ کام بحسن و خوبی پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ مولانا محمد مقتدی شروانی نے مطبع انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ کالج سے ۱۳۳۶ھ/۱۹۱۵ء میں مثنوی ہشت بہشت اور علامہ بہاری کے مقدمہ کی اشاعت کا اہتمام کیا۔ اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کو اجر جمیل عطا فرمائے۔

علامہ سید سلیمان اشرف بہاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس مثنوی کی تصحیح کے لئے مطبوعہ اور غیر مطبوعہ دس نسخے جمع کئے اور پوری دماغ سوزی کے ساتھ تصحیح کا کام انجام دیا۔

اس کام میں جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، ان کا تذکرہ کرتے ہوئے علامہ بہاری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"کتاب کی تصحیح کیا تھی؟ چیونٹیوں بھرا کباب تھا۔ اگرچہ دس نسخے موجود تھے، لیکن ان کانٹوں میں پھول چننا، چھنٹنا، میرے لئے نہایت دشوار تھا۔" (التماس ص ۴)

تصحیح اور تقابل کے علاوہ ۲۳۴ صفحے کا طویل مقدمہ لکھا جس کا نام الانہار رکھا گیا۔ اس مقدمہ میں انہوں نے اقسام شاعری، فارسی شاعری پر عربی شاعری کا اثر، فارسی شاعری کی تاریخ اور تدریجی ترقی، حضرت امیر خسرو کی شاعری، خسرو کا تصوف، خسرو کی غزل سرائی، مثنوی کے اقسام، مولانا نظامی اور فردوسی کا تقابل، سلاطین کے ہاں خسرو کی مثنویوں کی قدر و منزلت، متاخرین اور کمال خسروی کا اعتراف، نظامی و خسرو کا تقابل وغیرہ عنوانات پر سیر حاصل تبصرہ کیا ہے۔

اس کے بعد مثنوی ہشت بہشت کا تفصیلی تعارف کرایا ہے ـــ مولانا نظامی کی مثنوی ہفت پیکر اور ہشت بہشت کا تقابلی موازنہ اس طرح پیش کیا کہ کسی بزرگ کی تنقیص کا پہلو نہیں نکلتا ـــ بلکہ "ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است"

کا منظر پیش کیا ہے۔

عربی، اُردو اور فارسی کے محقق اور ادیب مولانا حبیب الرّحمٰن شروانی نے اس کتاب الانہار کو شبلی کی شعر العجم سے بہتر قرار دیا۔ اُمید ہے کہ اہلِ علم مطالعہ کے بعد اس رائے کی تائید کریں گے۔

یہ کتاب ۱۹۱۵ء میں چھپی، اَسّی بیاسی سال کا عرصہ گزر جانے کے باوجود کسی ناشر نے اس علمی جواہر پارے کی طرف توجہ نہ کی۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرماتے جناب الحاج محمد محفوظ احمد نوری سکھروی مدظلہٗ، مالک مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر کو اُنہوں نے اس نادر اور گراں مایہ کتاب کی اشاعت کا بیڑا اُٹھایا ہے۔ بلاشبہ اہلِ علم کے لئے یہ عظیم علمی تحفہ ہے۔

۵ر ذوالحجہ ۱۴۱۷ھ
۱۳ر اپریل ۱۹۹۷ء

محمد عبدالحکیم شرف قادری

مولانا علامہ سلیمان ماچھی پوری رحمہ اللہ تعالیٰ (انڈیا)

مولانا سیف خالد اشرفی فاضل جامعہ نعیمیہ، مراد آباد کو تذکرہ نگاروں شکایت ہے کہ حضرت مولانا سلیمان ماچھی پوری کو صدر الشریعہ حضرت مولانا امجد علی اعظمی رحمہ اللہ تعالیٰ (صاحبِ بہارِ شریعت) کے شاگردوں میں شمار نہیں کیا جاتا، حالانکہ وہ صدر الشریعہ کے ابتدائی شاگردوں میں سے ہیں اور درسِ نظامی کی زیادہ تر تعلیم ان ہی سے حاصل کی اور تکمیل کے بعد پینتالیس سال تک فیضانِ امجدی پھیلاتے رہے۔ اس کوتاہی کے ازالہ کے لئے ذیل میں ان کے مختصر حالات درج کئے جاتے ہیں جو مولانا سیف خالد اشرفی نے فراہم کئے ہیں:

حضرت علامہ سلیمان ماچھی پوری ۱۹۱۰ء یا ۱۹۱۲ء میں ماچھی پورہ، ضلع بھاگل پور، بہار میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں میں حاصل کی۔ پھر بزرگانِ کچھوچھہ مقدسہ نے اپنے پاس بلا لیا۔ چنانچہ مدرسہ اشرفیہ میں محدثِ اعظم ہند حضرت مولانا سید محمد محدثِ کچھوچھوی سے شرح جامی تک تعلیم حاصل کی، پھر فاضلِ یگانہ حضرت مولانا احمد اشرف کچھوچھوی تلمیذ حضرت مولانا لطف اللہ علیگڑھی نے انہیں اجمیر شریف بھیج دیا جہاں حضرت صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی کی خدمت میں علومِ عقلیہ و نقلیہ کی تحصیل کرتے رہے اور جب صدر الشریعہ بریلی شریف آئے تو مولانا سلیمان بھی منظرِ اسلام، بریلی شریف آگئے اور وہیں سے سندِ فراغت حاصل کی۔ ان کے رفقاء میں صدر العلماء حضرت مولانا سید غلام جیلانی میرٹھی (صاحب البشیر الکامل)، مجاہدِ ملت حضرت مولانا حبیب الرحمٰن (رئیس اعظم اڑیسہ)، شمس العلماء حضرت مولانا شمس الدین جونپوری رحمہم اللہ تعالیٰ تھے۔

فراغت کے بعد حضرت مولانا سلیمان کو محدثِ اعظم ہند نے مدرسہ اسلامی عربی اندر کوٹ، میرٹھ، تدریس کے لئے بھیجا، وہاں کچھ دیوبندی مدرسین بھی تھے، انہوں نے مخالفت شروع کر دی

اور مدرسہ کے ناظم بھیا بشیر الدین کے سامنے ان کے علم وفضل پر نکتہ چینی کی۔ بھیا بشیر الدین نے فیصلہ کیا کہ کسی ممتحن کو بلا کر ان کا امتحان لیا جائے، اگر کامیاب ہوئے تو انہیں مسندِ تدریس پر برقرار رکھا جائے گا، ورنہ انہیں سبکدوش کر دیا جائے گا۔ امتحان کے لئے دیوبند سے قاری محمد طیب آئے۔ مولانا سلیمان کو ایک دن پہلے معلوم ہوا کہ ان کا امتحان ہونے والا ہے۔ انہوں نے عہد کیا کہ اگر امتحان میں فیل ہوا تو میزان الصرف سے دوبارہ کتابیں پڑھوں گا۔ رات کو تیاری کی اور صبح قاری صاحب کے سامنے بیضاوی شریف کا درس دیا اور ایسی جامع اور پُر مغز تقریر کی کہ ممتحن صاحب متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور واضح طور پر ان کے علم وفضل کا اعتراف کیا۔ یوں اُن کے مخالفین کو ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔

علامہ سلیمان ماچھی پوری نے دو سال جامعہ نعیمیہ، مُراد آباد میں صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی کی موجودگی میں درس دیا۔ دار العلوم اشرفیہ، مبارکپور میں پندرہ سال سے زیادہ عرصہ تک درجۂ علیا کے مدرّس رہے۔ اس کے علاوہ جامعہ حمیدیہ رضویہ، بنارس؛ احسن المدارس، کانپور اور دار العلوم شاہ عالم، گجرات (انڈیا) میں بھی پڑھاتے رہے۔

ان کا شمار اپنے دَور کے جیّد مدرسین میں ہوتا تھا۔ معقولات میں خاص طور پر انہیں مہارت تھی۔ پاک و ہند کے سینکڑوں علماء نے ان سے کسبِ فیض کیا۔ چند تلامذہ کے اسماء یہ ہیں:

(۱) مولانا مفتی ظفر علی نعمانی، کراچی (۲) مولانا علامہ محمد حسن حقانی، دار العلوم امجدیہ کراچی؛ (۳) مولانا قاری رضاء المصطفےٰ اعظمی، خطیب میمن مسجد، کراچی (۴) علامہ عبد الرؤف رحمہ اللہ تعالیٰ (مبارکپور) (۵) بحر العلوم حضرت مولانا مفتی عبد المنّان مدظلہ، گھوسی، اعظم گڑھ۔ (۶) حضرت علامہ ارشد القادری مدظلہ (۷) علامہ غلام مجتبیٰ اشرفی، بنارس۔

حضرت علامہ سلیمان، شبیہِ سیدنا غوث اعظم حضرت شاہ علی حسین اشرفی قدس سرہٗ کے دستِ مبارک پر بیعت ہوئے اور اجازت وخلافت سے سرفراز ہوئے۔ ۲ ربیع الآخر ۱۳۹۸ھ کو علامہ سلیمان ماچھی پوری کا وصال ہوا۔ (رحمہ اللہ تعالیٰ)

فاضلِ نوجوان مولانا علامہ سیف خالد اشرفی زید مجدہٗ

جامعہ ازہر، مصر وہ بین الاقوامی یونیورسٹی ہے جو صدیوں سے دُنیا میں علم کے اُجالے بکھیر رہی ہے۔ آج بھی اُس کے پائے کی یونیورسٹی دُنیا کے کسی خطّے میں موجود نہیں ہے۔ جامعہ ازہر کا سند یافتہ ہونا بڑی فضیلت کی بات ہے۔ ازہر شریف میں قائم مجمع البحوث الاسلامیہ کے رُکن اور جلیل القدر عالم، علامہ ڈاکٹر مصطفےٰ محمد حدیدی الطیر سے شکاگو یونیورسٹی (امریکہ) کے شعبۂ سیاسیات کے پروفیسر ڈاکٹر لیونارڈ بائنڈر نے اسلام کے حوالے سے انٹرویو کیا، جو ماہنامہ الازہر کے شمارہ اگست ۱۹۸۳ء میں شائع ہوا۔ اس انٹرویو کی اہمیت اور افادیت کے پیشِ نظر راقم کے دوست فاضل نوجوان مولانا سیف خالد اشرفی، فاضل جامعہ نعیمیہ، مُراد آباد نے اس کا اُردو ترجمہ کیا۔ فاضل موصوف ان دنوں دار العلوم اہل سُنّت امام احمد رضا، حیدر آباد دکن میں بحیثیتِ مدرس کام کر رہے ہیں۔

ڈاکٹر مصطفےٰ محمد حدیدی الطیر کے تفصیلی حالات فی الحال حاصل نہیں ہو سکے، اس لئے آئندہ سطور میں فاضل مترجم کے مختصر تعارف پر اکتفا کیا جا رہا ہے۔ مکتبہ قادریہ، لاہور کے اراکین اس قیمتی مقالہ کا ترجمہ فراہم کرنے پر ان کے شکر گزار ہیں اور دعا گو کہ اللہ تعالیٰ ان کے علم و فضل میں برکتیں عطا فرمائے اور دین متین کی خدمت کے سلسلے میں مزید علمی اور قلمی کام کی توفیق عطا فرمائے۔

فاضل مترجم ۱۹۵۷ء میں ضلع بھاگل پور[1] (انڈیا) کے ایک گاؤں ماچھی پور میں پیدا ہوئے۔ سیف خالد اشرفی سے پیدائش کا سن ہجری (۱۳۷۶ھ) نکلتا ہے۔ ان کے آباؤ اجداد مشہور علمی مرکز ریاست جونپور سے انتقالِ مکانی کر کے صوبہ بہار میں گنگا ندی کے جنوب اور شمال، بھاگل پور، مونگیر اور سہرسا کے علاقے میں مقیم ہو گئے۔

---

[1] یہ وہی بھاگلپور ہے جو آج مسلمانوں کے بے گناہ خون سے رنگین کر دیا گیا ہے۔ ۱۲

صدیاں گزر جانے کے باوجود آج بھی وہ شیوخ جونپوریؔ ہی کہلاتے ہیں۔ اس خاندان کی عقیدت وارادت کا تعلق غوثِ عالم محبوب یزدانی حضرت میر سیّد جہانگیر اشرف سمنانی قدس سرہ سے تھا۔ اس تعلق کی بناء پر اپنے پیرومرشد حضرت سیّد دیوان صادق رحمۃ اللہ تعالیٰ کو بھی اپنے علاقے میں لے آئے۔ کچھوت ضلع سہرسا میں ان کا مزار مبارک عرصہ دراز تک مرجعِ خلائق رہا۔ پھر دریائے کوسی نے ایسا پلٹا کھایا کہ مزارِ مبارک اس کے سینے میں مستور ہو گیا۔

مولانا سیف خالد اشرفی نے تعلیم کا آغاز اپنے محلّے کے مدرسہ اشرفیہ اظہار العلوم سے کیا۔ یہ ادارہ بہار کا مشہور مدرسہ ہے۔ ہدایۃ النحو تک کتابیں یہیں پڑھیں۔ خوش قسمتی سے انہیں حضرت شیخ الحدیث مولانا فیض الرحمٰن اشرفی مدظلہ ایسا استاد ملا، جن کے خلوص اور محنت کی بدولت طلبہ، مختصر وقت میں عربی اور فارسی کی عبارت، قواعد کے مطابق پڑھنے کی صلاحیت حاصل کر لیتے ہیں اور بامحاورہ اردو میں ترجمہ کرنے لگتے ہیں۔ یہی وہ مقام تھا، جہاں سے مولانا سیف خالد اشرفی کو قلم و قرطاس سے لگاؤ پیدا ہوا، اور یہ لگاؤ اس قدر بڑھا کہ انہوں نے خط و کتابت کو بھی اردو تحریر کی مشق کا ذریعہ بنا لیا۔ ذاتی، خاندانی اور ملک و ملّت سے تعلق رکھنے والا ہر تازہ واقعہ خطوط میں سپردِ قلم کرنے لگے اور اس طرح ان کی تحریر میں نکھار پیدا ہوتا گیا۔

۱۹۷۰ء میں بہار کے مدرسہ اگزامینیشن بورڈ سے درجۂ وسطانیہ کا امتحان پاس کیا۔ پھر جب درجۂ فوقانیہ میں پہنچے، تو تائیدِ ایزدی ان کے شاملِ حال ہوئی اور اُن کے دل میں یہ خیال جاگزیں ہو گیا کہ محکمہ تعلیم کے بورڈ کا نصاب پڑھ لینے سے مجھے ڈگری اور ملازمت تو مل جائے گی، لیکن علمِ دین کے حصول اور خدمتِ دین کا موقع نہیں ملے گا۔ خاندان کے دوسرے بچے سکول اور کالج کی تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ ایسے ماحول میں کسی بچّے کا خود یہ فیصلہ کرنا کہ میں دنیاوی تعلیم نہیں، بلکہ علمِ دین حاصل کروں گا، اس کی سعادتمندی کی بیّن دلیل ہے۔ علاوہ ازیں ان کے ماموں مولانا محمد معراج اشرفی نعیمی اور مولانا منظور عالم اشرفی

نعیمی، جامعہ نعیمیہ، مرادآباد میں زیرِ تعلیم تھے اور وہ دونوں بالترتیب ۱۹۷۰ء اور ۱۹۷۱ء میں فارغ ہوئے، وہ جب چھٹیوں میں گھر آتے، تو تمام خاندان میں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے، اس سے بھی سیف خالد اشرفی کے علمی شوق کو ترقی ملی اور انہوں نے طے کر لیا کہ ایک نہ ایک دن جامعہ نعیمیہ، مرادآباد جا کر ضرور علم حاصل کروں گا۔

۱۹۷۲ء میں مدرسہ فیضیہ نظامیہ، باراہاٹ، ضلع بھاگل پور میں داخل ہوئے اور مولانا محمد احمد شاہدی غازی پوری سے کافیہ، قدوری اور مرقاۃ وغیرہ کتابیں پڑھیں۔ مولانا شاہدی آج کل دارالعلوم شاہِ اعلیٰ قدرتیہ جاجمئو، کانپور کے بانی اور مہتمم اور شیخ الحدیث ہیں۔ ایک سال حضرت علامہ مولانا سلیمان ماچھی پوری رحمہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جامعہ حمیدیہ رضویہ بنارس چلے گئے۔

مولانا سیف خالد اشرفی تقریباً ڈیڑھ سال تک جامعہ حمیدیہ رضویہ، بنارس میں تحصیلِ علم کے بعد خطیبِ یورپ مولانا شاہد رضا نعیمی (مقیم برطانیہ) کے توسط سے ۱۹۷۴ء کے اخیر میں جامعہ نعیمیہ، مرادآباد میں داخل ہوئے اور ان کی دیرینہ آرزو پوری ہو گئی ۱۹۷۵ء سے ۱۹۷۹ء تک وہاں کے متبحر اساتذہ مثلاً حضرت مولانا مفتی محمد حبیب اللہ نعیمی اشرفی رحمہ اللہ تعالیٰ (متوفی ۳ مئی ۱۹۷۵ء) مولانا مفتی حافظ محمد ایوب نعیمی، مولانا حافظ محمد ہاشم نعیمی اور مولانا سید محمد اشرف کلیم اشرفی ایم اے سے اکتسابِ فیض کیا۔ اساتذہ میں سے، حضرت مولانا سید محمد اشرف کلیم اشرفی ایم اے اور دوستوں میں سے علامہ شاہد رضا نعیمی ایم اے خلفِ اکبر حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ نعیمی، دینی علوم کے ساتھ عصری علوم سے بھی آراستہ اور بہترین خطیب تھے، اُن کے فیضِ صحبت سے مولانا سیف خالد اشرفی کے ذہنی اُفق میں بڑی وسعت پیدا ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ نوجوانی کے باوجود ان کی سوچ پختہ اور عزائم بلند ہیں۔ پیشِ نظر انٹرویو کا انتخاب اور اس کا ترجمہ کرنا اس بات کی نشان دہی کرتا ہے کہ وہ عصرِ حاضر کے تقاضوں سے بخوبی آشنا ہیں۔

جامعہ نعیمیہ ہی میں انہیں شعر و سخن کا ذوق پیدا ہوا، چنانچہ انہوں نے کہنہ مشق شاعر جناب فرحت علی بریلوی اشرفی، جناب قمر مرادآبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ اور اپنے خالو جناب محمد عزیز نیاز فتح پوری سے راہنمائی حاصل کی اور اب تک تقریباً اڑھائی سو اشعار کا مجموعہ تیار کر چکے ہیں۔ اسی دوران اُنہیں انگریزی پڑھنے کا شوق پیدا ہوا اور باقاعدہ کسی اُستاد سے پڑھے بغیر از خود انگریزی کے حروفِ تہجی کی مشق کرتے رہے۔ پھر ضروری قواعد یاد کئے۔ مسلسل محنت کا نتیجہ یہ ہوا کہ اب انگریزی مقالات کو اُردو میں منتقل کرنے کی صلاحیت حاصل کر چکے ہیں۔ مقامِ مسرت ہے کہ حضرت مولانا محمد یامین نعیمی کے اہتمام میں آج بھی جامعہ نعیمیہ، مرادآباد کامیابی کے ساتھ علوم دینیہ اور اسلام کی گرانقدر خدمات انجام دے رہا ہے۔

درسِ حدیث جامع اشرف، کچھوچھا شریف میں حضرت علامہ مولانا مفتی عبد الجلیل مدظلہ (حال شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ، حیدرآباد دکن) اور مولانا غلام مجتبیٰ اشرفی (حال صدر مدرس دار العلوم دیوان شاہ) سے لیا اور سندِ فراغت حاصل کی۔ ۱۹۸۰ء میں مخدوم المشائخ حضرت مولانا سید محمد مختار اشرف اشرفی جیلانی مدظلہ العالی سجادہ نشین، آستانہ عالیہ اشرفیہ کچھوچھا شریف کے دستِ مُبارک پر بیعت ہوئے۔ فراغت کے بعد جامعہ اشرف، کچھوچھا شریف کے مہتمم حضرت مولانا سید اظہار اشرف مدظلہ نے انہیں اپنے مدرسہ میں مدرس اور ناظم شعبہ نشر و اشاعت مقرر کیا۔

اگست ۱۹۸۱ء میں جامعہ نظامیہ، حیدرآباد دکن کے درجۂ فاضل میں داخلہ لیا، اور دو سالہ تعلیم مکمل کر کے ۱۹۸۳ء میں سند حاصل کی۔ یہیں جدید عربی ادب کا مطالعہ کیا اور عربی زبان میں تحریر و تقریر کی مشق کی۔ اس وقت سے اب تک حیدرآباد (ہند) ہی میں مقیم ہیں۔ اسی دوران دو مرتبہ پاکستان بھی آئے۔ پہلی بار جامعہ طاہریہ اشرفیہ، کراچی، اور دوسری بار دار العلوم نوریہ رضویہ، کلفٹن، کراچی میں بحیثیتِ مدرس آئے، لیکن پاکستان

میں زیادہ دیر نہیں ٹھہرے اور واپس حیدر آباد دکن چلے گئے۔ آجکل دارالعلوم اہلِ سنّت امام احمد رضا، حیدر آباد دکن میں فرائضِ تدریس انجام دے رہے ہیں اور فارغ اوقات عربی اور انگریزی کتب کے ترجمہ میں صرف کرتے ہیں۔

پیشِ نظر انٹرویو کا ترجمہ اُن کی پہلی کوشش ہے جو زیورِ طبع سے آراستہ ہوئی ہے۔ مولائے کریم جلّ مجدہٗ فکرِ سلیم رکھنے والے اس صالح اور نوجوان عالمِ دین کو زیادہ سے زیادہ دینِ اسلام کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے اور تصنیف و تالیف کے میدان میں بے شمار برکتوں سے نوازے۔

(۱۷ر جمادی الاولیٰ ۱۴۱۰ھ / ۱۷ر دسمبر ۱۹۸۹ء)

زینتِ آغاز: اسلامی نظام جامع عبادت وسیاست
ناشر: مکتبہ قادریہ، جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

علامۃ العصر سید محمد صالح فرفور حسنی قدس سرہٗ العزیز

۱۳۱۸ ——————— ۱۴۰۷ھ

۱۹۰۱ ——————— ۱۹۸۶ء

عالم اسلام کے نادرِ روزگار عالم، فقیہ جلیل، مرشدِ کبیر حضرت علامہ سید محمد صالح فرفور حنفی قادری رحمہ اللہ تعالیٰ ابن سید عبد اللہ فرفور ۱۳۱۸ھ/۱۹۰۱ء دمشق کے محلہ عمارہ جوانیہ میں پیدا ہوئے ــــ آپ کا سلسلۂ نسب حضرت محبوب سبحانی سیدنا غوثِ اعظم شیخ سید عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ تک پہنچتا ہے ــــ آپ کا خاندانِ فرفور صدیوں تک ملکِ شام میں علمی وجاہت و سیادت کا حامل رہا ــــ بارھویں صدی ہجری میں اس خاندان کا جاہ و جلال جاتا رہا ــــ یہاں تک کہ پندرھویں صدی ہجری میں علامہ سید محمد صالح فرفور پیدا ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے اُن کے دم قدم سے وہ علمی اور رُوحانی بہاریں لوٹا دیں۔

قرآن پاک کی تعلیم کے لئے شام کے استاذ القراء شیخ محمد سلیم حلوانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں پیش کئے گئے۔ ذوق و شوق اور قوتِ حافظہ کا یہ عالم تھا کہ سات سال کی عمر میں قرآن کریم یاد کر لیا اور روایتِ حفص کے مطابق تجوید و قرات پڑھی ــــ مدرسہ کاملیہ عثمانیہ میں داخل ہوئے اور دو دو سال کا نصاب ایک ایک سال میں پڑھ کر اعلیٰ پوزیشن حاصل کر کے کامیاب ہوئے ــــ والدین اور اساتذہ کی تعلیم و تربیت کا اثر تھا کہ ان کا سینہ دین متین، مسلم اُمۃ اور عربی زبان کی محبت سے لبریز ہو گیا۔ امتیازی حیثیت سے ساتھ بی۔ اے پاس کرنے کے بعد ان کا ارادہ دمشق کے طبّیہ کالج میں داخلہ لینے کا تھا ــــ والد ماجد سے مشورہ کیا،

تو انہوں نے فرمایا: خاندان فرفور کے اکابر کا تذکرہ لاؤ، جو شیخ محمد جمیل شطی نے بنام الضیاء الموفور فی اعیان بنی فرفور لکھا ہے ـــــ سعادتمند بیٹے نے تذکرہ لا کر پیش کیا، تو فرمایا: اسے پڑھو ـــــ فرزندِ سعید نے پورا تذکرہ پڑھ ڈالا، جب ختم کر چکے، تو دیکھا کہ والد ماجد کی آنکھوں سے آنسوؤں کے موتی بہ رہے ہیں، انہوں نے سوز و گداز میں ڈوبی ہوئی آواز میں فرمایا:

"بیٹے! مجھ سے وعدہ کرو کہ تم اربابِ علم و فضل آبا و اجداد کے نقشِ قدم پر چلو گے ـــــ اور آج سے تم اپنی تمام توانائی علمِ دین کے حاصل کرنے کے لئے صرف کرو گے ـــــ تاکہ تم آئندہ چل کر انبیاء کرام کے وارث بنو۔

والد ماجد کے وصال کے بعد انہوں نے حسبِ وعدہ علماء کی مجالس میں حاضری شروع کر دی ـــــ یہ وہ دور تھا کہ جنگِ عظیم نے اہلِ شام کی معاشی اور اقتصادی حالت تباہ کر دی تھی ـــــ اِس معاشی زبوں حالی سے سید محمد صالح فرفور بھی محفوظ نہ رہے ـــــ بامرِ مجبوری انہوں نے بڑھئی کی دوکان کھول لی ـــــ رات کو چراغ کی روشنی میں ادبِ عربی کی کتابوں کا مطالعہ کرتے اور نظم و نثر کا ذخیرہ اپنے وسیع حافظے میں محفوظ کرتے رہے ـــــ موقع ملنے پر علماء، ادباء، اور صوفیاء کی محفلوں میں حاضر ہو کر استفادہ کرتے رہے ـــــ تصوّف اور روحانیت میں شیخ عبدالرحمٰن خطیب، ان کے بھائی شیخ محمد ہاشم خطیب اور خاص طور پر محدث جلیل شیخ سید محمد بدرالدّین حسنی رحمہم اللہ تعالیٰ سے استفادہ کیا ـــــ انہوں نے اپنے شیخ سید محمد بدرالدّین حسنی رحمہ اللہ تعالیٰ سے پوچھا کہ آپ کی عمر اسّی سال سے زائد ہے اس کے باوجود آپ کے تمام حواس صحیح و سالم ہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟ ـــــ شیخ نے فرمایا: ہم نے جوانی میں اپنے جسم کی حفاظت کی، اللہ تعالیٰ نے بڑھاپے میں ہماری حفاظت فرمائی۔

علامہ فرفور نے سب سے زیادہ استفادہ حضرت سید محمد بدر الدین حسنی سے کیا۔ شیخ کامل نے اپنے شاگرد کی آنکھوں میں ذکاوت کی چمک اور پیشانی میں سعادت کے آثار دیکھے، تو اُن کی دلچسپی اتنی بڑھی کہ خود اُن کی دوکان پر آنا جانا شروع کر دیا، اور اُن کے شوقِ علم کو عشق کی حد تک بڑھا دیا —— چنانچہ علامہ موصوف نے ان سے صرف، نحو، بلاغت، عروض، فلسفہ، علمِ اسطرلاب، میقات اور ریاضی پڑھی —— علم میراث، علوم حدیث و تفسیر، علمِ توحید وغیرہ علوم پڑھے، یہاں تک کہ اُستاذِ گرامی کا وصال ۱۳۵۴ھ/۱۹۳۵ء میں ہو گیا۔

ان کے علاوہ محدث شام، شیخ صالح اسعد حمصی (م ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء) سے فقہ حنفی، اصولِ فقہ، تصوف، علمِ کلام وغیرہ علوم پڑھے — پھر جامع معقول و منقول علامہ عبد الباقی ہندی متوفی ۱۳۶۴ھ/۱۹۴۵ء مقیم مدینہ منورہ سے علمی استفادہ کیا — اُنہوں نے اپنی تمام مرویات کی سند بھی عنایت کی۔ ان کے علاوہ شیخ محمد علی مالکی مغربی، مکہ معظمہ (م ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء) علامہ عبد القادر شلبی طرابلسی، مدینہ منورہ (م ۱۳۶۹ھ/۱۹۵۰ء) علامہ عمر حمدان محرسی (م ۱۳۶۸ھ/۱۹۴۹ء) علامہ علی اعظم —— علامہ عبد القادر قصاب (م ۱۳۶۰ھ/۱۹۴۱ء) سے بھی فیض یاب ہوئے —— علمِ فلکیات، اور علمِ میقات علامہ شیخ محمد ساعاتی فلکی سے پڑھا —— ان کے علاوہ بہت سے فضلاءِ وقت کی خدمت میں حاضر ہو کر مستفید ہوتے۔ غرض یہ کہ تنگدستی کے عالم میں علوم کے حاصل کرنے کا سلسلہ جاری رکھا۔ بہت بڑا کتب خانہ بھی قائم کر لیا، اور عبادت و ریاضت، شب بیداری کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔

اساتذہ کی طرف سے اجازت ملنے کے بعد مختلف مساجد میں درس و تدریس کا سلسلہ جاری کیا —— دمشق کی جامع مسجد بنی امیہ میں مستقل طور پر عوام و خواص

کی تعلیم کا سلسلہ شروع کیا ـــــ مغرب اور عشاء کے درمیان عموماً تفسیر اور حدیث کا درس دیتے ـــــ محلہ قیمریہ کی جامع مدرسہ فتحی میں مختلف علوم پڑھاتے ـــــ ہفتے میں دو دن تصوف کا درس دیتے ـــــ پیر کے دن عشاء کے بعد رسالہ قشیریہ اور جمعہ کے دن فجر کے بعد حضرت امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصنیف احیاء العلوم کا درس دیتے ـــــ شیخ کی پر کشش اور محبت سے لبریز شخصیت نے ذہین طلبہ کی خاصی بڑی جماعت اپنے گرد جمع کر لی ـــــ ان کے دلوں میں علم کا شوق کوٹ کوٹ کر بھر دیا ـــــ اور اُنہیں وہ سب کچھ پڑھا دیا، جو ذاتی مطالعہ اور اساتذہ کی عنایات سے حاصل کیا تھا ـــــ ان کی خصوصیت یہ تھی کہ طلبہ کو صرف مروج علوم ہی نہیں پڑھاتے تھے، بلکہ ان میں اسلامی اور رُوحانی رُوح بھی پھونک دیتے تھے، ـــــ طلبہ کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیشِ نظر اصحابِ ثروت کے تعاون سے ۱۹۵۶ء میں، دمشق میں جمعیۃ الفتح الاسلامی قائم کی ـــــ اور اس کے بعد زیر انتظام ۱۹۵۹ء میں معہد جمعیۃ الفتح الاسلامی طلباء کے لئے اور اس کے طالبات کے لئے معہد الفتح الاسلامی کے نام سے مدرسہ قائم کیا۔

دمشق میں تدریس کا آغاز کرنے سے پہلے مفتیٔ لبنان، شیخ توفیق خالد کی دعوت پر بیروت کے کلیہ شرعیہ میں بھی پڑھاتے رہے ـــــ ہفتے میں تین چار دن بیروت رہتے، پھر دمشق آجاتے ـــــ اس دور میں بیروت کے بہت سے ادباء، خطباء اور مدرسین نے آپ سے سندِ فراغت حاصل کی ـــ بیروت، ترکی اور دمشق کے گوشے گوشے میں حضرت شیخ کے شاگرد پھیلے ہوئے ہیں اور دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

حضرت شیخ ادب عربی، علمِ بلاغت، اُصولِ نحو پر کامل دسترس رکھتے تھے۔ انہیں دورِ جاہلی، ابتداء اسلام، اُموی اور آغازِ دورِ عباسی کے شعراء کے ہزاروں

اشعار یاد تھے ــــ فلسفہ، علوم عقلیہ، اصولِ فقہ، تفسیر، اسرارِ قرآن وغیرہ علوم پر وسیع نظر رکھتے تھے ــــ تدریس خطابت اور رشد و ہدایت میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔

حضرت شیخ ائمہ اربعہ کی فقہ، اُصولِ فقہ، حدیث، تفسیر، علوم القرآن، عقائد، تصوف، منطق، فلسفہ، صرف، نحو، عروض، ادب، بلاغت، غرض یہ کہ اس وقت کے رائج تمام علوم و فنون پڑھاتے تھے۔

حضرت شیخ نے اپنے لختِ جگر شیخ محمد عبد اللطیف کو تقریباً تیس سال کی تعلیم اور تربیت کے بعد سندِ اجازت و خلافت عطا فرمائی ــــ اس میں تحریر کیا کہ میں انہیں تمام علوم عقلیہ و نقلیہ اور اذکار و اوراد کی اجازت دیتا ہوں جو مجھے اپنے اساتذہ سے حاصل ہوتے ہیں اور علماء کے نزدیک طے شدہ شرائط کے مطابق سلسلۂ شاذلیہ، قادریہ، نقشبندیہ اور خلوتیہ کی اجازت دیتا ہوں۔ اسی سند میں اپنے فرزند ارجمند کو خصوصی نصیحت کرتے ہوئے چند ہدایات سے نوازتے ہیں:

- اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اور قول و فعل میں اخلاص سے کام لینا۔
- کسی فضیلت کا دعویٰ نہ کرنا اور مخلوقِ الٰہی کے ساتھ عجز و انکسار سے پیش آنا۔
- مقدور بھر اپنے علم پر عمل کرنا۔
- علم کے پھیلانے اور لوگوں کو سکھانے میں اپنی توانائی صرف کر دینا۔
- ہمیشہ تدریس، رُشد و ہدایت اور مسلمانوں کو فائدہ پہنچانے میں مصروف رہنا
- ہر وقت ذکرِ الٰہی میں مصروف رہنا، کیونکہ ذکر دلوں کو چمکا دیتا ہے۔ اپنے دل کو ماسوی اللہ سے خالی کرلینا، ارشادِ ربانی ہے:

"جس دن نہ مال فائدہ دے گا اور نہ بیٹے، ہاں جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قلبِ سلیم لے کر حاضر ہوا۔"

- اقوال و افعال میں شریعتِ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیروی کرنا۔
- اپنی نیتوں کو ہر آلودگی سے اس طرح پاک کر لینا کہ علام الغیوب راضی ہو جائے۔
- مخلوقِ خدا کے لئے خیر و برکت کا منبع ہونا، اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جو تمہاری اقتدا کرے، اُس کے لئے بہترین راہنما بننا۔
- ہمیشہ علم کے سیکھنے اور سکھانے میں مصروف کوشش رہنا۔
- اپنی خلوت و جلوت میں مجھے دعاؤں میں یاد رکھنا۔

حضرت شیخ نے ابتدائی زندگی میں تصنیف و تالیف کی طرف توجہ نہیں کی، جب عمر شریف پچاس سال سے متجاوز ہوئی، تو مصروفیات کی زیادتی کے باوجود متعدد وقیع اور قیمتی کتابیں لکھیں۔

درج ذیل تصانیف اِن کی یادگار ہیں:

۱- الدرّ المنثور: علامہ محمد جمیل شطّی کی تصنیف الضیاء الموفور فی اعیان بنی فرفور کی شرح، فرفور خاندان کے آباء و اجداد کا تذکرہ۔

۲- سلسلۃ الخلود: یہ ادبی تصنیف ہے، تین اجزاء پر مشتمل ہے:

(۱) النفحات: پیشِ نظر کتاب سلسلۃ الخلود کی یہی جزء ہے۔

(۲) النسمات (۳) الرشحات

۳- النسائیات: اِن احادیث کا مجموعہ، جن کی مسلمان عورت کو ضرورت ہوتی ہے۔

۴- من مشکوٰۃ النبوّۃ: اربعین، امام نووی کی مبسوط شرح۔

۵- المحدّث الاکبر الشیخ محمد بدر الدین الحسنی کما عرفتہ: اُستاذ اور مُرشدِ گرامی کا تذکرہ

۶- الرّسالۃ النّافعۃ والحجۃ القاطعۃ: عقائد میں

یہ چھ تصانیف ۱۹۸۷ء تک چھپ چکی تھیں —— ان کے علاوہ چند تصانیف یہ ہیں:

۷- شرح نور الایضاح: مدارس میں رائج فقہ حنفی کی مشہور کتاب کی مبسوط شرح

۸- الدرّ المنثور: دوسرا ایڈیشن، جو اضافوں اور تحقیق و تہذیب پر مشتمل ہے

۹- ترجمہ للشیخ عبدالحکیم الافغانی: تذکرہ

۱۰- آلام و آمال: شعری مجموعہ (دیوان)

۱۱- تراجم لمن عاصرھم من العلماء واجتمع بہم: ہم عصر علماء کا تذکرہ

۱۲- شرح رسالۃ الغنیمی: فقہ حنفی

۱۳- رسالہ فی احکام المسجد فی الاسلام: مسجد کے اسلامی احکام

۱۴- شرح الرسالۃ النافعۃ: توحید کے موضوع پر

اس کے علاوہ تقریباً تیس سال تک ان کے مقالات مختلف جرائد مثلاً التمدّن الاسلامی، الہدایۃ اور الرابطۃ الاسلامیۃ میں شائع ہوتے رہے۔

حضرت شیخ صفاتِ کثیرہ کے جامع تھے۔ انہوں نے خوش خطی سید موسیٰ شلبی سے، کشتی اور پہلوانی کی مختلف قسمیں استاذ صائب بک المؤید العظم سے حاصل کیں —— شمشیر زنی اور ڈھال سے بچاؤ کرنا سید ابو یاسین قصمانی سے سیکھا —— بیک وقت دو تلواروں کے ساتھ پریکٹس کیا کرتے تھے ——

اسی طرح تیر اندازی، تیراکی، گھڑسواری، گتکا بازی وغیرہ فنون میں نہ صرف ماہر تھے، بلکہ اپنی اولاد اور شاگردوں کو بھی سکھاتے تھے —— ان کے نزدیک پسندیدہ ترین ورزش، طویل پیدل چلنا تھا —— مایوسی اور تنگدلی ان کے قریب نہیں آتی تھی —— اور کوئی رکاوٹ اُن کے مشن کی راہ میں حائل نہیں ہوتی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے اُنہیں بڑی جرأت وہیبت عطا فرمائی تھی ـــــ ایک دفعہ جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے، اسی دَوران اس وقت کا سربراہِ مملکت مسجد میں آگیا۔ آپ نے اُسے مخاطب کرتے ہوئے کہا: اے بندۂ خدا! اللہ تعالیٰ سے ڈر ـــــ پھر موقع کے مناسب قرآن پاک کی آیات پیش کرتے ہوئے پورا خطبہ اُسے نصیحت کرنے میں صرف کر دیا ـــــ نماز کے بعد لوگوں نے دیکھا کہ وہ بُری طرح رو رہا تھا اور کہہ رہا تھا: اے ہمارے اُستاذ! ہم کیا کریں؟

غنائے نفس کا یہ عالم تھا کہ سلاطین، امراء اور وزراء کے عطیات سے انہیں کوئی دلچسپی نہ تھی ـــــ اُن کی طرف سے آنے والے تحفے تحائف مستحق طلبہ میں تقسیم کر دیا کرتے تھے ـــــ اور فرمایا کرتے تھے: ہم دینے والوں میں سے ہیں، لینے والوں میں سے نہیں ہیں۔

دمشق کی جمعیۃ العلماء کے بنیادی رُکن تھے ـــــ اور جمعیۃ رابطۃ العلماء کے ممتاز ممبر تھے ـــــ اپنی توانائیاں اُمتِ مسلمہ کی بھلائی اور رہنمائی کے لئے صرف کرتے تھے ـــــ بڑے متواضع اور حلیم تھے ـــــ لیکن کیا مجال کہ کوئی شخص ان کے سامنے کسی کی غیبت کرتا، یا مخالفِ شریعت بات کہتا ـــــ کبھی کوئی شخص بیان کرتا کہ آپ کے فلاں حاسد نے آپ کے بارے میں یوں کہا ہے، تو اُسے فرماتے: بیٹے! ایسی باتیں نہیں کیا کرتے، وہ ہمیں ہمارے عیبوں سے آگاہ کرتے ہیں ـــــ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے ـــــ باقاعدہ تہجد ادا کرتے، کثرت سے قرآن کریم کی تلاوت کرتے اور خشیتِ الٰہیہ کی بناء پر ان کی آنکھیں اشکبار رہتیں۔

فرانس کے خلاف تحریک اُٹھی، تو اُس کے قائدین علماء کے ساتھ مل کر باقاعدہ جنگ میں حصہ لیا ـــــ اور شوقِ شہادت میں خطرناک معرکوں میں کود گئے ـــــ ایک دفعہ خود بیان کیا کہ ستر سے زیادہ مرتبہ موت کے منہ جاتے جاتے بچا ہوں ـــــ شام کی

آزادی کے بعد تا زیست اُمتِ مُسلمہ کی اِصلاح اور اتحاد کے لئے قلمی اور لسانی جہاد کرتے رہے۔

حضرت شیخ نے دو نکاح کئے ـــــ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں آٹھ بیٹے اور چار بیٹیاں عطا کیں ـــــ جن میں سے سات بیٹے اور تین بیٹیاں ۱۹۸۷ء میں حیات تھیں ـــــ اور اللہ تعالیٰ کا ان پر عظیم احسان ہے کہ تمام اولاد علومِ دینیہ اور اخلاقِ فاضلہ سے موصوف ہے ـــــ سب سے بڑے صاحبزادے سید ابوالخیر محمد عبداللطیف ہیں ـــــ انہوں نے اپنے عظیم والد پر کئی کتابیں لکھی ہیں ـــــ اس وقت اِن کی تصنیف لطیف الزاہر فی الحدیث العاطر عن الوالد الفاخر، العلامۃ العارف باللہ الشیخ محمد صالح الفرفور الحسنی رحمہ اللہ تعالیٰ کا پہلا ایڈیشن (طبع ۱۹۸۷ء) راقم کے پیشِ نظر ہے ـــــ یہ تمام حالات اِسی کتاب سے لئے گئے ہیں ـــــ ان ہی کا بیان ہے کہ میں نے تین مرتبہ والد ماجد کے ساتھ حج و زیارت کی سعادت حاصل کی۔

حضرت شیخ اپنے دَور کے اولیاء کاملین اور علماء راسخین میں سے تھے۔ انہوں نے اپنی عمرِ عزیز کا بڑا حصہ تعلیم و تدریس، وعظ وارشاد اور علمی مراکز کے قیام میں صرف کیا ـــــ اُنہوں نے اصحاب علم وفضل اور اربابِ دعوت وارشاد مردوں اور عورتوں کی ایک بڑی جماعت تیار کی، جو آج بھی تبلیغِ اسلام میں مصروف ہے ـــــ لوگ جوق در جوق ان کی خدمت میں حاضر ہوتے اور ان کے علوم و معارف سے فیض حاصل کرتے ـــــ کئی قسم کے امراض اور عوارض لاحق ہونے اور عمر شریف کے اَسّی سال سے متجاوز ہونے کے باوجود ہر کسی سے خندہ پیشانی سے ملتے ـــــ اور وصال شریف سے چند دن پہلے تک تدریس اور افادہ کا سلسلہ جاری رکھا ـــــ اُن کے ہاں عوام و

خواص کی کوئی تخصیص نہ تھی ـــــ وہ پڑھنے پڑھانے کو ہی اپنے لئے علاج اور شفاء تصوّر کرتے تھے۔

حیاتِ مبارکہ کے آخری سالوں میں تدریس اور ذکر و فکر میں مشغول رہے ـــ رُوحانیت، کا اس قدر غلبہ ہوا کہ خواب تو کیا بیداری میں بھی اپنے مشائخ کی زیارت سے مشرّف ہوتے ـــ وصال سے پہلے بتا دیا تھا کہ میری زندگی تقریباً ایک سال باقی رہ گئی۔

۵ محرم، ۹ اکتوبر ۱۴۰۷ھ / ۱۹۸۶ء بروز منگل، وہ وقت آگیا کہ مجاہدِ عظیم، مُرشدِ کبیر، علامۃ الشّام، شیخ محمّد صالح فرفور رحمہ اللہ تعالیٰ پچاسی سال کی عمر میں اس دارِ فانی سے رحلت فرما گئے ـــ اُن کے وصال سے پورا دمشق غمگین ہو گیا ـــ ہزاروں افراد نے نمازِ جنازہ میں شرکت کی ـــ اور عارف باللہ شیخ ارسلان رحمہ اللہ تعالیٰ کے مزار شریف کے پاس اُن کی آخری آرام گاہ بنائی گئی۔

۹ شعبان المعظم ۱۴۱۳ھ
۲ فروری ۱۹۹۳ء

محمّد عبد الحکیم شرف قادری

ضیاء الملّۃ والدّین حضرت مولانا ضیاء الدّین احمد مدنی قدس سرہٗ

حضرت قطبِ مدینہ مولانا ضیاء الدین احمد مدنی قدس سرہ کے علم و فضل، تقویٰ و پرہیز گاری، راست بازی، حق گوئی اور استقامت کو دیکھتے ہوئے یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ متقدمین کے قافلے سے تعلق رکھتے تھے، اللہ تعالیٰ نے انہیں آخری دور میں پیدا فرما دیا تھا سترّ سال سے زیادہ عرصہ تک امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے محض اس لئے مدینہ طیّبہ میں قیام پذیر رہے کہ انہیں جنّت البقیع میں جگہ نصیب ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں سرخرو فرمایا اور ہمیشہ کے لئے اہل بیت کرام کے قدموں میں محوِ استراحت ہو گئے۔ اسی دَور میں حرمین طیّبین پر نجدیوں کا تسلّط ہو گیا، وہ اپنے تمام تر تشدّد کے باوجود حضرت ضیاء الدّین احمد مدنی کو قبّۂ خضراء کے سائے میں بابِ مجیدی کے عین سامنے محفلِ میلاد کے منعقد کرنے سے نہ روک سکے۔ اللہ تعالیٰ کی مشیّت کہ اہل محبّت پر ابتلاء کا وہ دَور آیا کہ دیارِ رسول میں ذکرِ رسول پر پابندی عائد کر دی گئی۔ بارگاہِ رسالت میں ہدیۂ عقیدت و نیاز پیش کرنے کو توحید کے لئے خطرہ قرار دیا گیا، لیکن کیا مجال کہ کسی دن حضرت کے گھر محفلِ میلاد منعقد نہ ہوتی ہو۔ آج کچھ لوگ سعودی عرب سے تین ہزار میل دُور بیٹھ کر نجدیوں کی دولت اور شدّت سے خوف زدہ دکھائی دیتے ہیں اس مردِ حق آگاہ کی ہمت و عظمت کا اندازہ کیجئے کہ نصف صدی سے زیادہ عرصہ مدینہ منوّرہ میں رہے، جہاں نجدیوں کی حکومت تھی، مگر اپنے مسلک سے سرِ مو انحراف نہ کیا، بلاشبہ وہ امام احمد بن حنبل اور امام مالک رحمہما اللہ تعالیٰ کے قدم بقدم چلتے رہے۔

اس محفل میں پاکستان، ہندوستان، مصر، شام اور دیگر ممالک کے اہل محبت حاضر ہوتے اور بارگاہِ رسالت میں نعتوں اور قصیدوں کا ارمغانِ عقیدت پیش کرتے۔

آخر میں حاضرین کی ماحضر سے تواضع کی جاتی، نماز عشاء کے بعد ایک گھنٹہ تک یہ محفل جاری رہتی۔ یہاں تک کہ جن دنوں حضرت ہسپتال میں زیرِ علاج ہوتے، وہاں بھی باقاعدگی سے یہ محفل منعقد ہوتی۔ نجدی کہا کرتے تھے کہ محفل میلاد کی محبت ان کے رگ وپے میں سرایت کئے ہوئے ہے۔

حضرت کے وصال کے بعد حکومت نے سختی سے ایسی محافل کے انعقاد کو بند کر دیا۔ اس سے بڑھ کر اور ناروا پابندی کیا ہو سکتی ہے کہ مسلمان اپنے گھروں کی چار دیواری میں بھی بارگاہِ رسالت میں ہدیۂ نیاز پیش نہیں کر سکتے۔ اسی جرم کی پاداش میں سینکڑوں پاکستانیوں کو سعودیہ سے نکال دیا گیا جو سالہا سال سے مدینہ طیبہ میں قیام پذیر تھے۔

حضرت قطبِ مدینہ کی ایک دوسری کرامت کا ذکر بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ حضرت کی نوعمری کا زمانہ ہے، آپ کے والد عبد العظیم مرزا غلام احمد قادیانی کے ہاتھ پر بیعت کر لیتے ہیں۔ آپ نے اس بیعت پر شدید احتجاج کیا اور گھر کو خیرباد کہہ کر طلبِ علم کی راہ پر گامزن ہو گئے، حالانکہ یہ وہ دور تھا جبکہ مرزا نے ابھی پر پرُزے نکالنا شروع نہیں کئے تھے، نبوّت کا دعویٰ بہت بعد جا کر کیا، اس وقت مرزا کے آریہ اور عیسائیوں کے ساتھ مناظروں اور ان کے ردّ کا چرچا تھا۔ بہت سے علماء اس کے بارے میں حُسنِ ظن رکھتے تھے، مگر حضرت کی سعید فطرت نے اس زمانے میں بھی مرزا کے ساتھ تعلق کو گوارا نہ کیا اور ہمیشہ کے لئے والد سے قطع تعلق کر لیا۔ حکیم اہل سنّت محمد موسیٰ امرتسری مدظلہٗ فرماتے ہیں کہ میں نے والد کا نام پوچھا، تو حضرت مدنی علیہ الرحمہ نے فرمایا:
"میں اُس کا نام نہیں لیا کرتا۔" [1]

حضرتِ مدنی، اگست ۱۲۹۴ھ / ۱۸۷۷ء میں سیالکوٹ میں پیدا ہوئے

---

[1] بروایت حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہٗ ۱۲

آپ کا سلسلۂ نسب علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی رحمہ اللہ تعالیٰ سے ملتا ہے۔ گھر سے رُخصت ہوکر مولانا محمد حسین پسروری (برادر مولانا نور احمد امرتسری) کے پاس سیالکوٹ میں پڑھتے رہے[1] پھر لاہور پہنچ کر حضرت علامہ مولانا غلام قادر بھیروی رحمہ اللہ تعالیٰ سے تعلیم حاصل کی، بعد ازاں شیخ المحدثین مولانا شاہ وصی احمد محدث سُورتی رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضر ہوکر دو سال مدرستہ الحدیث، پیلی بھیت میں اکتساب علم کیا اور ۱۳۱۵ھ/ ۱۸۹۸ء میں حدیث شریف کا درس لیا۔ ۱۸۹۷ء میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے[2] اور اجازت و خلافت سے مشرف ہوئے۔

امام احمد رضا بریلوی کے علاوہ حضرت شیخ احمد شمس، حضرت علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی قدست اسرارہم اور کثیر التعداد اجلّہ مشائخ سے اجازت و خلافت تھی۔ حضرت مدنی قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے:

"میرے چچا تو بہت ہیں، مگر رُوحانی باپ ایک ہی ہے، یعنی اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ۔"[3]

حضرتِ مدنی قدس سرہٗ ۱۳۱۸ھ/ ۱۹۰۰ء میں ترکِ وطن کرکے بغداد شریف حاضر ہوئے۔ اس دوران سات سال تک آپ پر جذب کی کیفیت طاری رہی۔ ۱۳۲۷ھ/ ۱۹۰۹ء میں مدینہ طیبہ حاضر ہوتے اور ایسے حاضر ہوئے کہ تادمِ آخر واپسی کا نام تک نہ لیا۔[4]

---

[1] بروایت حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہٗ ۱۲

[2] محمود احمد قادری، مولانا: تذکرہ علمائے اہل سُنّت (مطبوعہ مظفرپور، بہار) ص ۱۰۷

[3] بروایت حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہ ۱۲

[4] محمود احمد قادری، مولانا: تذکرۂ علمائے اہل سنّت ص ۱۰۷

۱۸۹۷ء میں آپ نے درسِ حدیث سے فراغت حاصل کر لی۔ درسِ نظامی کی تحصیل میں اگر کم از کم آٹھ سال بھی صرف ہوئے ہوں، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ ۱۸۸۹ء میں بارہ سال کی عمر میں گھر سے رخصت ہو گئے تھے، جبکہ اس وقت مرزائے قادیانی نے ابھی نبوّت کا دعوٰی نہیں کیا تھا۔

مرزائے قادیانی نے ابتداءً دینِ اسلام کا دفاع اور دوسرے ادیان کا رد کرنا شروع کیا۔ ۱۳۰۰ھ / ۱۸۸۳ء میں مجدّد ہونے کا دعوٰی کیا۔ پھر مہدی موعود اور مسیح ہونے کا دعوٰی کیا۔ ۱۳۱۸ھ / ۱۹۰۱ء میں نبوّت کا دعوٰی کیا۔ [۱]

اب اندازہ کیجیے کہ اللہ تعالٰی نے حضرتِ مدنی قدس سرہٗ کو کس قدر سعید اور پاکیزہ رُوح عطا فرمائی تھی کہ اس دَور میں بھی مرزائے قادیانی سے اپنے والد کا تعلق برداشت نہ کر سکے اور گھر چھوڑ دیا، جبکہ بہت سے علماء مرزا کی کارروائی کو تحسین کی نگاہ سے دیکھ رہے تھے یا خاموش تھے۔ بے شک یہ حضرت مدنی قدس سرہٗ کے بچپن کی تابندہ کرامت ہے۔

آپ کے فرزند ارجمند حضرت مولانا حافظ فضل الرحمٰن مدنی مدظلہٗ مدینہ طیبہ میں آپ کے صحیح جانشین ہیں۔ مولائے کریم انہیں اپنی حفاظت میں رکھے اور دُنیائے سُنّیت کو ان کے فیوض و برکات سے بہرہ ور فرمائے۔

---

[۱] عبدالحی لکھنوی، حکیم: نزہۃ الخواطر (نور محمد، کراچی) ج ۸، ص ۲ - ۱۴۱

شاطبئ وقت اُستاذ القراء مولانا قاری محمد طفیل نقشبندی رحمہ اللہ تعالیٰ

سرزمین پاک وہند کا یہ طرّۂ امتیاز ہے کہ یہاں ہر شعبۂ زندگی کی قد آور شخصیات پیدا ہوئیں۔ دینی، رُوحانی، علمی اور ادبی میدان میں ایسے ایسے نابغۂ روزگار افراد پیدا ہوئے، جن کی شہرت پوری دُنیا میں پھیلی۔ مولانا قاری محمد طفیل نقشبندی رحمہ اللہ تعالیٰ کا نام بھی ایسے ہی افراد کی فہرست میں آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں سوز و گداز اور لحنِ داؤدی کی نعمت عطا فرمائی تھی۔ آواز اتنی بُلند کہ بڑے سے بڑے اجتماع میں لاؤڈ سپیکر کے بغیر تمام حاضرین تک پہنچ جاتی تھی۔ انہوں نے بے شمار مذہبی اور سیاسی جلسوں میں قرآن پاک کی تلاوت کی۔ کئی سامعین پر وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی۔ آریہ سماج پشم والا بازار، امرتسر میں مسلمانوں اور آریوں میں مناظرے ہوتے۔ آریہ اپنے جلسے کا آغاز ہارمونیم اور طبلہ پر آرتی اُتار کر کرتے۔ مسلمانوں کے جلسے میں قاری صاحب تلاوت کرتے۔ قرآنِ کریم کی برکت اور قاری صاحب کی سحر انگیز آواز کا یہ اثر ہوتا کہ بہت سے آریہ مسلمان ہو جاتے۔

انہیں پاک و ہند کے مختلف شہروں مثلاً دہلی، کلکتہ، مدراس، بمبئی، حیدر آباد دکن، بنگلور، میسور، لاہور، ملتان، حیدر آباد اور کراچی میں تراویح پڑھانے کے علاوہ حرمین طیبین میں تراویح پڑھانے اور بڑی بڑی محفلوں میں تلاوت کرنے کا موقع ملا۔ ۱۹۴۱/۱۹۴۰ء میں حرمِ مکہ شریف میں امام کعبہ ابو سمع مصری اور عبد الرحمٰن اظہر رئیس المعلمین تراویح پڑھاتے اور مذہب شافعی کے مطابق ایک رکعت وتر پڑھتے تھے، جبکہ قاری محمد طفیل رحمہ اللہ تعالیٰ حنفی مذہب کے مطابق

تین رکعت وتر پڑھاتے تھے، نیز ایک قرآن پاک ستائیس راتوں میں سُناتے، اور ایک تین راتوں میں، حاضرین کا جمِّ غفیر جماعت میں شریک ہوتا۔ ہر روز پیدل چل کر عمرہ کرتے اور ہر روز عصر اور مغرب کے درمیان ایک گھنٹہ حرمِ مکّہ میں تلاوت کرتے اور مدینہ منوّرہ حاضری دیتے، تو مسجدِ نبوی شریف میں روزانہ ایک گھنٹہ تلاوت کرتے۔

قاری صاحب نے راقم کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرمایا:

فقیر کا ایمان ہے حرمین شریفین کے در و دیوار فقیر کی تلاوت کی گواہی دیں گے۔ مکّہ مکرّمہ اور مدینہ منوّرہ میں نمازِ فجر کے بعد فقیر کے ساتھ کافی لوگ مقاماتِ مقدّسہ کی زیارت کے لئے جاتے تو ہر مقدّس مقام پر فقیر کی تلاوتیں ہوتی رہیں، لہٰذا اس پاک سرزمین کے در و دیوار بھی فقیر کی سفارش فرما دیں گے۔ (تحریر ۱۴ اپریل ۱۹۸۴ء)

قاری صاحب، مولوی محمد اسمٰعیل غزنوی امرتسری کے ہمراہ شاہ عبدالعزیز ابن سعود کے محل میں گئے اور تلاوت کی۔ مدینہ منوّرہ میں معلّم حیدر الحیدری کے ساتھ گورنرِ مدینہ کے ہاں گئے اور تلاوت کی۔ اسی طرح شاہ فیصل کے سامنے جمعہ کے دن مسجدِ عباس، طائف میں تلاوت کی۔

مکّہ معظّمہ کے معلّم عمر اکبر نے ۱۹۳۰ء میں قاری صاحب کی اقتداء میں امرتسر میں نمازِ تراویح ادا کی تھی۔ مکّہ مکرّمہ میں ملاقات ہوئی تو کہنے لگے: اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ پنجاب کے رہنے والے بھی قرآن پاک پڑھنا جانتے ہیں۔

قاری صاحب نے اپنے مکتوب میں تحریر فرمایا:

مکّہ مکرّمہ اور مدینہ منوّرہ میں قدیم باشندے فقیر کی تلاوت سُن کر فخر کیا کرتے تھے کہ فقیر کی تلاوت عرب سُن رہے ہیں، جو کہتے تھے کہ

پنجابیوں کو قرآن پڑھنا نہیں آتا ہے

ایں سعادت بزورِ بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

ڈپٹی عزیز الدین کے صاحبزادے شیخ عبد المجید وکیل کی دعوت پر قاری صاحب امرتسر سے لاہور تشریف لائے اور لاہور ریڈیو کے افتتاح کے موقع پر تلاوت کی۔ ۱۹۴۶ء میں اسلامیہ کالج، لاہور میں مسلم لیگ کا آخری جلسہ امیرِ ملت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری رحمہ اللہ تعالیٰ کی صدارت میں منعقد ہوا، جس میں مولوی شبیر احمد عثمانی بھی شریک تھے۔ اس اجلاس میں بھی قاری صاحب نے تلاوت کی۔ چوک فرید، امرتسر میں مجلسِ احرار کا عظیم جلسہ تھا، اس میں قاری صاحب نے تلاوت کی خطیب احرار مولوی عطاء اللہ شاہ بخاری کی تقریر تھی۔ شاہ جی نے تقریر کرتے ہوئے کہا: کتنے افسوس کی بات ہے کہ اتنا عظیم قاری اور کپڑے کی دکان پر بیٹھا ہوا ہے۔ مختصر یہ کہ ان گنت اجلاسوں میں قاری صاحب نے تلاوت کی اور اپنے لحنِ داؤدی سے حاضرین کو مسحور کیا اور ان پر وجد کی کیفیت طاری کر دی۔

قاری محمد طفیل نقشبندی رحمہ اللہ تعالیٰ ۱۹۰۵ء میں امرتسر میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد حاجی عبد الرحمٰن نقشبندی مجددی جماعتی رحمۃ اللہ علیہ امیرِ ملت حضرت پیر سید جماعت علی شاہ علی پوری رحمہ اللہ تعالیٰ کے مرید اور خلیفہ تھے۔ حیدر آباد، سندھ میں ان کا وصال ہوا اور وہیں مدفون ہوئے۔ جدِ امجد حاجی اللہ رکھا رحمہ اللہ تعالیٰ جنت المعلیٰ، مکہ مکرمہ میں مدفون ہیں۔ قاری صاحب بچپن میں ہی حضرت امیرِ ملت رحمہ اللہ تعالیٰ کے دستِ اقدس پر بیعت ہوئے۔ ڈیڑھ سال کے مختصر عرصے میں قرآن پاک یاد کیا۔ اس وقت قاری صاحب کی عمر دس سال تھی۔ ابتدائی تعلیم قاری کریم بخش شاگرد قاری عبد الخالق سہارنپوری، قاری خدا بخش اور قاری ظفر علی سے حاصل کی۔ روایتِ حفص قاری عبد الرزاق لکھنوی سے حاصل کی۔

جنگِ جرمن (۱۹۳۹ء سے لے کر ۱۹۴۱ء) تک کے عرصے میں قاری صاحب حرمین شریفین میں رہے اور مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کے مدرس شیخ حسن بن ابراہیم الشاعر سے روایتِ حفص کی تکمیل کی۔ قاری صاحب اپنے شاگردوں کو روایت امام حفص کی جو سند دیتے تھے، وہ انہی کے واسطہ سے حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک پہنچتی ہے، اس سند کا خلاصہ یہ ہے:

مجھے مدینہ منورہ کے شیخ القرآ حسن بن ابراہیم الشاعر نے قرآن پاک پڑھایا۔ انہوں نے شیخ حسن محمد بیُّومی سے انہوں نے شیخ محمد سابق سکندری سے، انہوں نے شیخ خلیل مطوبسی سے انہوں نے شیخ علی ابیاری سے پڑھا اور ان کی سند نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک پہنچتی ہے۔ آپ نے جبرائیل علیہ السلام سے اور انہوں نے لوحِ محفوظ سے اور اللہ ربّ العزّت سے حاصل کیا۔

قاری صاحب ۱۹۴۱ء سے ۱۹۴۶ء تک جامع مسجد وزیر خاں، لاہور میں نائب خطیب اور مدرس کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ اس عرصے میں غازیٔ کشمیر حضرت علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری اور مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری رحمہما اللہ تعالیٰ سے دینی تعلیم بھی حاصل کرتے رہے۔ اسی دور میں جامع مسجد عید گاہ، گڑھی شاہو، لاہور (اب جامعہ نعیمیہ) کے خطیب حضرت مولانا پیر سید امانت علی شاہ رحمہ اللہ تعالیٰ ایک ہونہار بچے محمد یوسف کو قاری صاحب کے پاس لائے۔ قاری صاحب نے انہیں قرآن پاک حفظ کرایا اور ساتھ ہی خط نسخ (عربی رسم الخط) کی مشق کرائی۔ یہی بچہ بعد میں حافظ محمد یوسف سدیدی کے نام سے فنِ کتابت کی دنیا میں بے تاج بادشاہ کے طور پر مشہور ہوا اور کتابت کے فن شریف میں بے مثال شاہکار اور لافانی یادگاریں

چھوڑ گیا۔۔۔۔ قاری صاحب کے ایک دوسرے شاگرد سردار محمد امرتسری کاتب نے اُردو رسم الخط اور مصوری میں شہرت حاصل کی۔ مولانا عبدالرشید، راولپنڈی روزنامہ کوہستان اور تعمیر میں ہیڈ کاتب کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔

قاری صاحب نے اُردو خطاطی منشی فیض محمد امرتسری سے اور عربی خطاطی مدرسہ صولتیہ، مکۃ معظمہ کے قاری امین الدین سے سیکھی۔ فیروز سنز کے کاتب منشی عبدالرشید عادل گڑھی کے پاس بھی خطِ نسخ کی مشق کی۔ حدیث شریف غزالئ زماں علامہ سیّد احمد سعید کاظمی رحمہ اللہ تعالیٰ سے پڑھی۔ قاری صاحب اگرچہ کپڑے کی تجارت بھی کرتے رہے، چار پانچ سال آڑھت بھی کی، تاہم ان کی توجہ تحصیلِ علم کی طرف بھی باقاعدہ رہی اور فراغت کے بعد قرآن کریم کی تدریس اور تلاوت میں مصروف رہے اور سینکڑوں حافظ اور قاری تیار کر کے دُنیا سے رُخصت ہوئے

قاری صاحب علیہ الرحمہ نے قراءاتِ سبعہ مدرسہ فخریہ عثمانیہ، مکۃ مکرمہ میں قاری محمد اسحاق سے پڑھیں۔ قاری محبوب الرحمٰن سے بھی استفادہ کیا۔ بقول قاری محمد سلیمان اعوان، قاری صاحب نے قراءاتِ عشرہ کی تکمیل شیخ حسن بن ابراہیم الشّاعر سے کی۔

قاری صاحب نے ابتداءً امرتسر میں تجوید و قراءت کی تعلیم کے لئے مدرسہ قرآنیہ رحمانیہ قائم کیا۔ ۱۹۴۱ء سے ۱۹۴۶ء تک جامع مسجد وزیر خاں، لاہور میں رہے۔ اسی سال حضرت امیر ملت پیر حافظ سیّد جماعت علی شاہ علی پوری رحمہ اللہ تعالیٰ ایک سو مریدین کے ہمراہ حج و زیارت کے لئے تشریف لے گئے تو قاری صاحب کو بھی مُرشدِ گرامی کی رفاقت کا شرف حاصل ہوا۔ قیام پاکستان کے موقع پر قاری صاحب تراویح پڑھانے کے لئے بنگلور گئے ہوئے تھے۔ وہاں سے آپ حیدر آباد، سندھ تشریف لے گئے، جہاں دارالعلوم قرآنیہ رحمانیہ

کے نام سے تعلیم القرآن کا کام شروع کر دیا۔ ۱۹۵۰ء میں قاری صاحب مسجد مائی خیری فقیر کا پڑ، حیدر آباد کے متولی مقرر ہوئے، تو دار العلوم اس مسجد میں منتقل کر دیا۔ ۱۹۵۴ء قاری صاحب ملتان چلے گئے اور کپڑے کے کاروبار کے ساتھ ساتھ جامع مسجد پتراں والی میں تدریس شروع کر دی۔ اسی جگہ اُستاذ القراء قاری عبدالرحمٰن بلوچستانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے قاری صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر فنِ تجوید و قرائت میں کمال حاصل کیا۔ بعد میں پندرہ سال تک انوار العلوم ملتان میں طلبہ کو تجوید پڑھاتے رہے اور رمضان المبارک میں دورۂ تجوید و قرآت کا اہتمام بھی کرتے رہے۔

۱۹۵۸ء میں قاری صاحب پھر حیدر آباد تشریف لے گئے۔ مسجد مائی خیری میں قائم دار العلوم قرآنیہ رحمانیہ باقاعدہ کام کرتا رہا تھا اور قاری صاحب ہی اس کے مہتمم تھے۔ ۱۹۶۰ء میں محکمہ اوقاف قائم ہوا، جس نے مسجد اور مدرسہ اپنی تحویل میں لے لیا۔ قاری صاحب کو اسٹیشن روڈ، حیدر آباد میں ایک وقف بلڈنگ مل گئی۔ ۵ مارچ ۱۹۶۲ء کو اس میں دار العلوم قرآنیہ رحمانیہ کا آغاز کر دیا۔

قاری صاحب اپنے قائم کردہ مدرسہ میں تو پڑھاتے ہی تھے، لیکن پیرِ طریقت حضرت علامہ مولانا مفتی محمد محمود الوری رحمہ اللہ تعالیٰ کی فرمائش پر دار العلوم رکن الاسلام، حیدر آباد میں رہائش اختیار کی اور چھتیس تیس سال کا عرصہ اپنے مدرسہ کے ساتھ دار العلوم رکن الاسلام میں بھی پڑھاتے رہے۔ ۱۹۸۴ء میں جناح مسجد، کراچی میں تشریف لے گئے اور تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔ وصال سے دو ماہ پہلے الاٰنہ مسجد میں تدریس شروع کی اور اسی جگہ داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔

ساٹھ سال تک شب و روز قرآن پاک کے پڑھنے پڑھانے اور لاکھوں

دلوں کو ایمان و قرآن کے نور سے منور کرنے کے بعد ۹ ذوالحجہ ۱۴۰۹ھ/۱۹۸۹ء بروز جمعرات کلمہ طیبہ پڑھتے ہوئے اپنے رب کریم کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے۔ اگلے دن جمعہ بھی تھا اور عید الاضحیٰ بھی، جمعہ کے بعد ان کی نمازِ جنازہ ادا کی گئی اور انہیں حسن سکوائر، کراچی کے قبرستان میں رحمتِ الٰہیہ کے سپرد کر دیا گیا۔ ہزاروں عقیدت مندوں کے علاوہ چھ صاحبزادے، دو صاحبزادیاں اور بیوہ کو غمزدہ چھوڑ گئے۔

قاری صاحب کے پڑھانے کے لیے وقت کی کوئی پابندی نہ تھی ــ دن ہو یا رات، جب بھی کوئی طالب علم حاضر ہوتا، اسے فیض سے محروم نہ کرتے۔ ان کے شاگردوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے ــ چند تلامذہ کے نام یہ ہیں ــ اختصار کے پیشِ نظر ان ہی پر اکتفا کیا جاتا ہے:

۱ ــ قاری عبدالرحمٰن بلوچستانی، انوار العلوم ملتان میں پندرہ برس پڑھاتے رہے۔

۲ ــ قاری علی احمد روہتکی، جامعہ رضویہ منظہر اسلام، فیصل آباد میں مدرس رہے۔

۳ ــ حافظ محمد یوسف سدیدی، امام الخطاطین، لاہور

۴ ــ قاری محمد اکرم، کہروڑ پکہ

۵ ــ قاری غلام محمد، مدرس درس بڑے میاں، لاہور

۶ ــ علامہ ابوالخیر صاحبزادہ محمد زبیر، مہتمم رکن الاسلام، حیدر آباد

۷ ــ قاری محمد سلیمان سروبہ اعوان، مدرس رکن الاسلام، حیدر آباد

۸ ــ قاری خبیر محمد چشتی، مدرس مدینتہ الاسلام، ہالینڈ

۹ ــ قاری محمد دین، جامعہ تحفیظ القرآن، مکہ معظمہ

۱۰- قاری محمود الحسن، مالدیپ

۱۱- قاری محمد اسحاق، کویت

۱۲- قاری محمد رفیق اشرفی، افریقہ

۱۳- قاری بشیر احمد ملتانی، پانچ سال تک مدینہ منورہ میں پڑھاتے رہے۔

۱۴- قاری محمد افضل، چترال

۱۵- قاری محمد بخش ازہری [1]

مولانا قاری محمد طفیل نقشبندی مجددی رحمہ اللہ تعالیٰ تواضع اور حسنِ اخلاق کا پیکر تھے۔ سُنّت کے مطابق پگڑی زیبِ سر رکھتے تھے۔

رحمه الله تعالىٰ رحمة واسعة بفضله وكرمه۔

۳/ فروری ۱۹۹۴ء محمد عبدالحکیم شرف قادری

---

[1] یہ حالات خود قاری صاحب نے بیان فرمائے جب وہ ۱۹۸۴ء میں تنظیم المدارس کے اجلاس میں جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور تشریف لائے۔ کچھ حالات ۱۴/ اپریل ۱۹۸۴ء کو راقم کے نام مکتوب میں تحریر فرمائے۔ قاری صاحب کے شیدائی شاگرد قاری محمد سلیمان اعوان، حیدرآباد کے مقالہ سے بھی کچھ باتیں اخذ کی گئی ہیں۔ ۱۲ شرف قادری

فاضلِ جلیل حضرت علامہ مولانا محمد طفیل رحمہ اللہ تعالیٰ (کراچی)

اُستاذ العلماء مولانا محمد طفیل رحمہ اللہ تعالیٰ ۱۹۴۰ء میں قصور کے مشہور قصبہ گوہڑ جاگیر میں پیدا ہوئے۔ اُن کے والد حاجی احمد دین رحمہ اللہ تعالیٰ بڑے دین دار تھے۔ اُنہوں نے اپنے لختِ جگر کو آٹھویں جماعت سے اٹھا کر جامعہ حنفیہ، قصور میں داخل کرا دیا۔ یہ ۱۹۵۵ء کی بات ہے۔ مولانا محمد طفیل نے حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ قصوری، اور حضرت مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی سے ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ ۱۹۵۶ء میں حضرت مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور تشریف لے آئے تو مولانا محمد طفیل بھی ساتھ آ گئے۔ یہاں دیگر اساتذہ کے علاوہ عصرِ حاضر کے عظیم ترین استاذ، ملک المدرسین مولانا علامہ عطا محمد چشتی گولڑوی مدظلہ، کے مایہ ناز شاگرد مولانا علامہ ابوالفتح اللہ بخش رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی کسبِ فیض کیا۔ آئندہ سال ۱۹۵۷ء میں جب وہ شمس العلوم جامعہ مظفریہ رضویہ، واں بھچراں (میانوالی) تشریف لے گئے تو مولانا بھی اپنے ساتھیوں کی ایک جماعت کے ساتھ وہاں پہنچ گئے اور ۱۹۶۳ء تک وہاں رہ کر تمام معقولات اور منقولات کی کتابیں پڑھیں اور اُستاذِ محترم کی نگاہ میں اتنا مقام حاصل کیا کہ بعد ازاں انہوں نے اپنی ہمشیرہ کا نکاح مولانا سے کر دیا۔ یہی وہ دور تھا جب راقم جامعہ امدادیہ مظہریہ، بندیال، ضلع خوشاب میں حضرت ملک المدرسین کی خدمت میں علمی خوشہ چینی کر رہا تھا۔

۱۹۶۴ء میں استاذِ محترم کے ایماء پر کراچی جا کر محدّثِ کبیر حضرت علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری سے جامعہ امجدیہ میں درسِ حدیث لیا اور سندِ فراغت حاصل کی۔ ان کی علمی فضیلت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ حدیث شریف پڑھنے کے ساتھ

فارغ اوقات میں اپنے ساتھیوں کو رسالہ قطبیہ اور ملا حسن ایسی کتابیں پڑھایا کرتے تھے۔

تحصیلِ علوم سے فراغت کے بعد اپنے دیرینہ ساتھی مولانا علامہ غلام نبی کے ساتھ مل کر مرزا آدم خاں روڈ، کراچی میں دارالعلوم حامدیہ رضویہ کی بنیاد رکھی۔ اس ادارے نے بہت جلد ترقی کی منزلیں طے کیں۔

۱۹۷۴ء میں اُستاذِ گرامی حضرت علامہ اللہ بخش رحمہ اللہ تعالیٰ کے فرمانے پر این بلاک، نارتھ ناظم آباد، کراچی میں ایک نئے دارالعلوم کی بنیاد رکھی جس کا نام شمس العلوم جامعہ رضویہ رکھا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہیں اپنے اُستاذ سے کتنی گہری محبت وعقیدت تھی، کیونکہ واں بھچراں کے مدرسے کا نام بھی شمس العلوم تھا، اور امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز کی عقیدت کی بناء پر اس مدرسہ کا نام جامعہ رضویہ تجویز کیا۔

علامہ محمد طفیل رحمہ اللہ تعالیٰ سے راقم کا تعارف اس وقت سے تھا، جب وہ جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور میں پڑھتے تھے۔ پھر جب وہ واں بھچراں اور راقم بندیال تھا، اُس وقت یہ تعارف دوستی میں بدل گیا، پھر اس دوستی میں کمی نہیں ہوئی، بلکہ اضافہ ہی ہوتا رہا، وہ خوش اخلاقی کا پیکرِ مجسم تھے، انہیں کبھی افسردہ نہیں دیکھا، جب بھی ملے خندہ پیشانی اور مسکراتے ہوئے چہرے سے ملے، وہ ان لوگوں میں سے تھے، جو "نرم دمِ گفتگو، گرم دمِ جستجو" ہوتے ہیں۔ شمس العلوم جامعہ رضویہ نے ان کی انتھک مساعی کے نتیجے میں بہت جلد تعمیر اور ترقی کی منزلیں طے کیں، وہ کراچی کے علماء میں نمایاں مقام کے حامل تھے۔ ایک دفعہ انہوں نے بتایا کہ چونکہ میں اور علامہ مولانا غلام نبی عمامہ زیبِ سر رکھتے ہیں، اس لئے ہم پگاں والے مولوی (پگڑیوں والے مولوی) کے نام سے مشہور ہو گئے ہیں۔

۱۶ار، ۱۷ار اکتوبر ۱۹۷۸ء کو قلعہ کہنہ، قاسم باغ، ملتان میں مرکزی جماعت اہل سُنّت پاکستان کی طرف سے فقید المثال کل پاکستان سُنّی کانفرنس منعقد ہوئی جس میں اخباری اطلاعات کے مطابق بیس پچیس لاکھ عوام الناس اور دس ہزار سے زیادہ علماء و مشائخ نے شرکت کی۔ یہ کانفرنس اتنی بھرپور اور کامیاب تھی کہ اہل سنت کے دل زندہ ولولے سے لبریز ہوگئے۔ ارباب حکومت اور مخالفین کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں، اس کانفرنس کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لئے جن حضرات نے کئی مہینے شب و روز کام کیا، پاکستان کے چاروں صوبوں اور آزاد کشمیر کے دورے کرکے علماء و مشائخ اور عوام کو اس عظیم الشان کانفرنس میں اکٹھے ہونے پر تیار کیا، ان میں مولانا محمد طفیل رحمہ اللہ تعالیٰ اور حضرت مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی کا نام نمایاں ترین تھا، ان ہی کے کہنے پر راقم نے ایک مقالہ کل پاکستان سنی کانفرنس ملتان کا پس منظر" لکھا، جو ہزاروں کی تعداد میں شائع ہوا۔

کانفرنس کے چند دنوں بعد ہی علامہ محمد طفیل رحمہ اللہ تعالیٰ کے انتقال کا سانحہ پیش آگیا۔ مشہور مؤرخ اور تذکرہ نگار پروفیسر محمد ایوب قادری نے مختصر مگر پرمغز مقالہ لکھا۔ درج ذیل سطور میں ان ہی کے الفاظ میں اس مقالے کا کچھ حصہ پیش کیا جا رہا ہے:

"انسان کی موت پر ماتم ہوتا ہے۔ عزیز و اقارب اظہارِ غم کرتے ہیں مگر بعض موتیں ایسی ہوتی ہیں، جن پر دنیا روتی ہے اور شہروں شہروں، بستی بستی ماتم بپا ہوتا ہے۔

انسان کے کام اور اس کی قومی، ملی اور مذہبی خدمات کے اعتبار سے ماتم ہوتا ہے۔ خدمات کا دائرہ جتنا وسیع ہوگا، اسی اعتبار سے اظہارِ غم ہوگا۔ قابلِ فخر ہیں وہ ہستیاں جو قوم و ملت، دین و مذہب کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر دیتی ہیں اور بقائے دوام سے سرفراز ہوتی ہیں۔

مولانا محمد طفیل مرحوم بھی ان ہی قابلِ ذکر ہستیوں میں سے تھے، جنہوں نے اپنی زندگی ایک مقصد اور ایک نصب العین کے لئے وقف کر دی تھی، وہ ایک فعال شخصیت تھے۔ ان کی زندگی

سرتاپا عمل تھی۔ اُنہوں نے عمر کم پائی۔ کام بڑے کیے، ایسے کام کیے، جن کا صدقہ جاریہ اُن کے لیے ثوابِ آخرت مہیا کرتا رہے گا۔

وہ نامساعد و ناموافق حالات میں کام کرتے تھے۔ مشکلات و مصائب کو لبیک کہتے تھے۔ انہوں نے مخالفتوں کے طوفان میں استقامت و پامردی کا ثبوت دیا اور کامیابی نے اُن کے قدم چومے ؎

این سعادت بزورِ بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

وہ کراچی جیسے عظیم شہر میں مسافرانہ وارد ہوئے۔ تحصیلِ علوم کے اعلیٰ مدارج طے کیے اور پھر یہیں درس و تدریس اور تعلیم و تعلّم کا سلسلہ شروع کر دیا۔ وہ اس زمانے میں تعمیرِ ملت کے لیے مذہبی درس گاہوں کا قیام ضروری سمجھتے تھے۔ اُنہوں نے کراچی کی ایک غیر معروف پسماندہ بستی بکرا پیڑھی میں دارالعلوم حامدیہ رضویہ قائم کیا۔ اُن کی جدوجہد، کوشش اور محنت کا یہ نتیجہ ہوا کہ وہ درس گاہ آج ترقی کی اعلیٰ منازل طے کر رہی ہے اور کراچی کے معروف مذہبی مدارس میں شمار ہوتی ہے۔

انہوں نے مدرسہ شمس العلوم جامعہ رضویہ (نارتھ ناظم آباد) ان حالات میں قائم کیا، جبکہ ماحول سخت ناموافق تھا۔ آسمان دشمن اور زمین بے قابو تھی۔ غلط فہمیوں کے انبار اور افترا پردازیوں کے طوفان بپا تھے، مگر ان کے تحمل و بُردباری اور حکمتِ عملی و دانشمندی نے حالات کا رُخ موڑ دیا۔ انہوں نے اپنے عمل سے تمام بدگمانیاں دُور کر دیں۔ آہستہ آہستہ مخالفت کے بادل چھٹ گئے اور مدرسہ شمس العلوم جامعہ رضویہ کی چار پانچ سال کی قلیل مدت میں ایک حیثیت متعین ہو گئی۔

مولانا محمد طفیل رحمہ اللہ تعالیٰ اخلاق کا اعلیٰ نمونہ تھے۔ تکبر و غرور نام کو نہ تھا۔ عجز و انکسار کا مظہر تھے۔ مخالفین کے لیے کبھی کوئی بُرا کلمہ اُن کی زبان سے نہیں سُنا گیا۔ اُنہوں نے کبھی سخت بات نہیں کہی۔ لوگوں نے مدرسہ کی تعمیر میں روڑے اٹکائے، انہوں نے

محبت کا پیغام دیا۔ تخریب کاروں نے مدرسہ کی اینٹیں توڑ دیں۔ انہوں نے دل جوڑے۔ مفسدوں نے دیواریں ڈھائیں، مولانا نے عزم کے منارے بلند کئے ـــــ لوگوں نے شامیانے اکھاڑے، انہوں نے تعمیر کے جھنڈے گاڑے۔ غرض مولانا محمد طفیل عزم و ہمت اور عمل و کردار کا مثالی پیکر تھے۔

وہ حالات پر گہری نظر رکھتے تھے اور صحیح تجزیہ کرتے تھے۔ اکثر ایسا ہوا ہے کہ مخالفین نے اُن سے ٹیڑھے یا غیر متعلق سوال کئے ہیں یا کج بحثی میں الجھانا چاہا ہے ایسے مواقع پر انہوں نے خاموشی کو اپنایا، نہایت اختصار سے اپنا مسلک یا مسئلہ بیان کر دیا۔ ایسے مواقع پر وہ مومنانہ فراست کا ثبوت دیتے تھے۔

وہ حالات و ماحول کا حقیقت پسندانہ جائزہ لیتے تھے اور اس میں کامیابی کی راہ نکال لیتے تھے۔ انہوں نے ۱۹۷۰ء میں انتخابات کے زمانے اور مابعد دور میں بڑا عملی کام کیا۔ فراست و قیادت کے اعلیٰ نمونے پیش کئے۔ ملی تنظیم کے لئے ملک گیر دورے کئے۔ سندھ، بلوچستان، سرحد اور آزاد کشمیر میں اپنا پیغام پہنچایا۔ سندھ اور بلوچستان میں تو مولانا محمد طفیل مرحوم نے درحقیقت بڑا کام کیا۔ علماء کرام کو دعوتِ عمل دی، خواص کو جگایا، عوام کو جھنجھوڑا اور ایک فضا قائم کر دی، جہاں مِل بیٹھنے کا گمان نہ تھا، وہاں منظم جماعت قائم کر دیا۔ انہوں نے سرحد میں تکبیر کہی، کشمیر میں اذان دی، پنجاب میں صف بندی کی، سندھ اور بلوچستان میں نعرۂ حق بلند کیا اور ملتان میں جلسہ جما دیا، جس نے ملتِ پاکستان میں بیداری پیدا کر دی۔

کسی کی عظمت کا پیمانہ طویل عمر نہیں ہوتی، بلکہ عمل ہوتا ہے۔ مولانا محمد طفیل نے کم سے کم مدت میں بڑا کام کر دکھایا۔ وہ مدرسہ شمس العلوم رضویہ کی ترقی کے لئے ہمیشہ کوشاں رہتے تھے۔ مدرسہ کی تعمیر کے ساتھ مسجد کی شاندار تعمیر جاری تھی۔

مدرسہ میں کتب خانہ کا قیام بھی عمل میں آچکا تھا۔ کتب خانہ کے قیام سے بہت خوش تھے ایک روز مجھے بطورِ خاص کتب خانہ دکھایا، اس کی ترقی پر تبادلۂ خیال کیا۔ مولانا مدرسہ میں ایک شعبۂ تصنیف وتالیف قائم کرنا چاہتے تھے اور اُن کے ذہن میں ایک منصوبہ تھا، جس کا متعدّد بار اظہار کیا، مگر افسوس ع

آں قدح بشکست وآں ساقی نماند

مولانا محمد عبدالمنعم ہزاروی نے اپنے تاثرات کا اظہار ان الفاظ میں کیا:

حضرت مولانا محمد طفیل صاحب (رحمہ اللہ تعالیٰ) کی ذات ستودہ صفات کو مبدأ فیاض نے بے شمار خوبیوں اور کمالات کا حامل بنایا تھا۔ بچپن سے ہی وہ تعمیری ذہن کے مالک تھے۔ اگر کوئی طالب علم ترکِ تعلیم کا ارادہ کرتا، تو مولانا اس وقت تک سمجھاتے رہتے، جب تک وہ قائل نہ ہوجاتا اور اس کی ہر ممکن مدد بھی کرتے۔ ایسا بھی ہوا کہ آپ کے بعض ساتھی تعلیم ترک کرکے گھر بیٹھ گئے، تو آپ ڈیڑھ دو سو میل کا سفر گوارا کرکے اُن کو واپس لائے۔ اساتذہ کا بے حد احترام کرتے تھے اور ان کی شان میں نازیبا بات سننے کے لئے وہ ہرگز آمادہ نہ ہوتے تھے اور ایسے آدمی سے تعلق تک منقطع کرلیتے جو اساتذہ کا احترام نہ کرتا۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ استاد اور کتاب کا احترام نہیں ہوگا تو علم کیسے آئے گا۔ اُن کی عادتِ مُبارکہ یہ تھی کہ اگر اُن کے سامنے کسی کا شکوہ کیا جاتا، تو وہ شکایت کرنے والے کو عمدہ توجیہات کے ذریعہ سمجھاتے اور دوسرے فریق کی طرف سے دفاع کرتے۔

ان کے انتقال کے بعد مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی اور پروفیسر محمد ایوب قادری، دونوں کا بیان ہے کہ بعض ایسے حضرات جن سے ان کے اختلافات ہوگئے تھے۔ ان کے متعلق بارہا گفتگو ہوئی، مگر ان کے خلاف مولانا کے منہ سے کبھی ایک لفظ تک نہ نکلا۔ مولانا اکثر بڑی باتوں کو ہنس کر ٹال جاتے، مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ جواب دینا

نہیں جانتے تھے، کیونکہ قدرت نے اُن کو سخن فہمی اور حاضر جوابی کا ملکہ بھی عطا فرمایا تھا، لیکن اُن کا نظریہ تھا کہ اپنوں کے لئے برگِ گُل اور اعدائے دین کے لئے برقِ خاطف جو نہ ہو، وہ مسلمان ہی کیا ہے؟"

مولانا علامہ محمد طفیل رحمہ اللہ تعالیٰ نے تمام زندگی تعلیم و تدریس، تبلیغ، تنظیم اور تعمیر میں صرف کی اور ، محرم الحرام ، ۸ دسمبر ۱۳۹۹ھ/ ۱۹۷۸ء، بروز جمعۃ المبارک جنّت الفردوس کی راہ لی۔ شمس العلوم ہی کے ایک کمرے میں اُن کا مزار بنایا گیا (رحمہ اللہ تعالیٰ) اُن کے چہلم کے موقع پر ان کے پانچ سالہ صاحبزادے محمد قاسم کی دستار بندی کی گئی، اُن کے دوسرے صاحبزادے محمد طاہر آج کل (۱۹۹۵ء) جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور میں تحصیلِ علم میں مصروف ہیں۔

علامہ محمد طفیل رحمہ اللہ تعالیٰ کے بعد شمس العلوم جامعہ رضویہ کا انتظام و انصرام اُن کے اُستاذ بھائی مولانا علامہ غلام محمد سیالوی کے سپرد کیا گیا جو شمس العلوم کے علاوہ تنظیم المدارس (اہل سنّت) پاکستان کے شعبۂ امتحانات کے سربراہ ہیں۔ ان کی عنایت سے مولانا عبد المنعم ہزاروی اور پروفیسر محمد ایوب قادری کے مقالات راقم کو میسّر ہوئے۔ اللہ تعالیٰ انہیں تادیر سلامت رکھے اور مسلکِ اہل سنّت و جماعت کی عظیم خدمات کی توفیق عطا فرمائے۔

حضرت علّامہ الشاہ محمّد عارف اللہ قادری رحمہ اللہ تعالیٰ

مایہ ناز خطیب وممتاز عالمِ دین

ایسے لوگ جو اس فکر میں رہتے ہیں کہ ہمارا کوئی فعل ایسا نہ ہو جو سنّتِ حبیبِ کبریا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلّم سے ہٹ کر ہو۔ یہ لوگ ظاہری اپنی وضع قطع کے علاوہ اپنے میل جول اور معاملات کے دوران غیر ارادی طور پر بتا دیتے ہیں کہ کامیاب زندگی کا راز کونسی محنت میں پوشیدہ ہے۔ ایسے بزرگان اپنا ظاہر و باطن ایک جیسا بنانے کے لئے اپنے ہر سانس کو وقف کر دیتے ہیں اور پھر ہمیشہ یاد کئے جاتے ہیں۔ اتباعِ سُنّتِ رسُول کے صدقے اتنی قلیل سی محنت کے بعد اگر کسی کو یہ مقام حاصل ہو جائے کہ وہ موت کے بعد بھی یاد کیا جاتا رہے، آنے والی نسلیں اس کے حق میں مسلسل دُعا کرتی رہیں، تو پھر کون ایسا بد نصیب ہوگا، جو اتباعِ سُنّت کے لئے اس چند روزہ زندگی کی مہلت میں اتنی محنت کے لئے ارادہ نہ کرے۔

اور وہ لوگ جنہوں نے ایسی محنت کے لئے زندگی کی ابتداء ہی سے نیت اور ارادہ کے ساتھ ساتھ اپنے روزِ مرّہ کے معمولات کا حِصّہ بنایا، ان میں پیرِ طریقت علامہ الشاہ محمد عارف اللہ قادری رحمہ اللہ تعالیٰ کا نامِ گرامی بھی شامل ہے۔ آج مولانا شاہ محمد عارف اللہ قادری کو اس دُنیا سے رخصت ہوتے کئی سال بیت چکے ہیں، لیکن ان کا تبلیغی مشن آج بھی جاری ہے۔ آپ کا سلسلہ طریقت شیخ المشائخ حضرت شاہ علی حسین اشرفی گیلانی کچھوچھوی علیہ الرحمہ سے وابستہ ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے اپنے والدِ گرامی مولانا الشاہ حبیب اللہ قادری خلیفہ مجاز اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی (قدس سرہما) سے شرفِ بیعت حاصل کیا۔

وہ ۲۹ اکتوبر ۱۹۱۳ء میں یوپی کے شہر میرٹھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ امداد الاسلام سے حاصل کی۔ علامہ الشاہ محمد عارف اللہ قادری نے عربی، فارسی، اردو اور انگریزی کی تعلیم الٰہ آباد یونیورسٹی سے حاصل کی اور جامع مسجد خیر المساجد میرٹھ میں اپنے والدِ گرامی کے ارشاد پر خطابتِ جمعہ وعیدین اور تبلیغی دورے شروع کئے۔

میرٹھ ہی میں مولانا الشاہ محمد عارف اللہ قادری کی سربراہی میں کئی رفاہی اور تبلیغی ادارے پروان چڑھے۔ دعوت و تبلیغ کا یہ موقع ان کے اپنے مقاصد کے بارے میں سچی لگن اور ارادے کی پختگی کو ظاہر کرنے کے ساتھ ساتھ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے آخری خطبہ حجۃ الوداع کے حکم کے اس حصے کی تعمیل نظر آتا ہے جس میں ہر مسلمان کے لئے یہ لازمی قرار دیا گیا ہے کہ وہ دینِ اسلام کے بارے میں آنے والی نسلوں کو آگاہ کرتے رہیں۔

علامہ الشاہ محمد عارف اللہ قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ گفتار اور کردار میں یکساں اور متوازن شخصیت کے حامل تھے۔ جنوبی ایشیا میں جب ایک علیحدہ مسلم مملکت کے قیام کی بات چلی تو اتحاد بین المسلمین کے حصول کے پیشِ نظر اور فروغِ دین کے اعلیٰ مقاصد کے لئے مرحوم میدانِ عمل میں اُترے اور ضلع میرٹھ میں مسلم لیگ کی تنظیم میں جناب نواب محمد اسماعیل خان کے ہراول دستے میں شامل ہونے کا اعزاز حاصل کیا۔ مسلم لیگ کو زیادہ فعّال بنانے کے لئے ۲۵ نومبر ۱۹۴۵ء کو سُنّی کانفرنس کی داغ بیل ڈالی۔ بنارس میں منعقد کی جانے والی آل انڈیا سُنّی کانفرنس میں علماء و مشائخ اہلِ سُنّت نے مسلم لیگ کے حق میں تاریخی فتویٰ جاری کیا جس پر آپ کے دستخط بھی موجود ہیں۔

نیّت کی سچائی کا نتیجہ ۱۲ دسمبر ۱۹۴۵ء کو بمبئی میں منعقدہ ایک عظیم الشان کانفرنس میں یُوں سامنے آیا کہ علامہ عارف اللہ قادری اپنے صدارتی خطبے میں کہہ اُٹھے: ”ہندو مسلم اتحاد بالکل ناممکن ہے، ہم ایسا علیحدہ وطن چاہتے ہیں جہاں

اسلامی شریعت کے مطابق فقہی اصولوں پر حکومت قائم کی جائے۔"

آپ علمائے حق کی اُس جماعت کے رُکن تھے، جنہوں نے ہر مرحلہ پر ہندو اور انگریز کی مشترکہ سازشوں کا مقابلہ کیا اور ان عزائم کو ناکام بنا دیا اور مسلمانوں کے مشترکہ مقصد کے لئے اتحاد و اتفاق کو فروغ دینے کے لئے دن اور رات ایک کر دیئے۔ ۱۹۴۹ء میں پہلی مرتبہ حج سے فارغ ہو کر واپس تشریف لائے، تو حکومتِ ہندوستان نے آپ کی اسلام دوستی اور تحریک پاکستان کے سلسلے میں کی گئی کوششوں کے سلسلے میں گرفتاری کا حکم دیا اور یوں اقتدارِ سنتِ نبوی کرتے ہوئے ۱۹۴۹ء میں آپ تمام جائیداد، مال و متاع چھوڑ کر ایمان کی دولت سے مالا مال ہجرت کر کے پاکستان تشریف لے آئے۔ کراچی اور خوشاب میں مختصر قیام کے بعد راولپنڈی کو تبلیغ و تعلیم کا مرکز بنایا۔ ۱۹۵۱ء تا ۱۹۵۹ء مرکزی جامع مسجد میں خطیب کے فرائض انجام دیتے رہے، اور کلمۂ حق بلند کرتے رہے۔

حضور ختم المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے والہانہ عشق کے نتیجے میں ۱۹۵۳ء کی تحریک ختمِ نبوت میں ۳۱۳ علماء کے ہمراہ جلوس کی قیادت کرنے کی پاداش میں گرفتار ہوئے اور کئی ماہ قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ آپ اُن دنوں راولپنڈی کی مجلس عمل کے صدر بھی تھے، جس کا تذکرہ جسٹس منیر انکوائری رپورٹ میں موجود ہے۔ یعنی آپ نے اپنی زندگی میں ہر حال میں دین کو دُنیا سے مقدّس جانا۔

۱۹۷۴ء میں انگلستان میں تحریکِ ختمِ نبوت کانفرنس میں آپ نے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے اور اُن کو کلیدی عہدوں سے برطرف کرنے اور ان کے تمام لٹریچر ضبط کرنے کے مطالبات کئے اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو آخری نبی نہ ماننے والے گروہ کے لیڈروں کو مناظرے کا چیلنج دیا جسے بین الاقوامی اور قومی پریس نے جلی سرخیوں سے شائع کیا۔ آپ کی تبلیغی سرگرمیاں وطن کی سرحدوں سے باہر غیر ممالک میں بھی جاری رہیں۔ اس ضمن میں ۱۹۶۸ء میں انگلستان میں آپ نے آٹھ ماہ کے لئے قیام

کیا اور لاتعداد غیر مسلموں کو مشرف بہ اسلام کیا۔ ۱۹۷۶ء میں مارشس تشریف لے گئے، یہ دورہ وہاں کی حکومت کی دعوت پر کیا، وہاں آپ نے دارالعلوم علیمیہ کالج کی نئی عمارت کا سنگِ بنیاد رکھا۔

اس سے پیشتر ۱۹۶۲ء میں جب آپ مولانا عبدالحامد بدایونی، مفتی محمد عمر نعیمی، مولانا جمیل احمد نعیمی (رحمہم اللہ تعالیٰ) کے ہمراہ حج پر تشریف لے گئے تو منیٰ میں حاجیوں کے عظیم اجتماع سے خطاب کرنے کا اعزاز بھی حاصل کیا۔ فلاحی سرگرمیوں کے ضمن میں اکتوبر ۱۹۶۵ء میں آپ نے متاثرین و مجاہدینِ کشمیر کے لئے امدادی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا۔ مولانا مرحوم ۱۹۷۷ء میں مرکزی رُویتِ ہلال کمیٹی کے چیئرمین کے منصب پر بھی فائز رہے۔

حضرت علامہ الشاہ محمد عارف اللہ قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ کا شمار آج اُن بزرگ ہستیوں میں ہوتا ہے جنہوں نے خوفِ خدا کو اپنے دل میں جاگزیں کرکے انعامِ انسانیت، دینِ اسلام کے علم کو بُلند کئے رکھا اور حُبِّ حبیبِ خدا (علیہ التحیۃ والثناء) کو شعارِ زیست بنا کر ہمارے لئے نہ صرف راہوں کو منوّر کیا، بلکہ خود ان راہوں پر جگمگاتے ستاروں کی طرح تابندہ اور امر ہو گئے۔ [1]

---

[1] پروفیسر خالد صدیقی کا یہ مقالہ ۱۰ راکتوبر ۱۹۹۱ء کو روزنامہ "نوائے وقت" میں شائع ہوا۔

زمانۂ طالب علمی میں راقم نے ایک دفعہ خطیبِ اسلام حضرت مولانا علامہ شاہ محمد عارف اللہ قادری رحمہ اللہ تعالیٰ کی زیارت کی تھی، وہ واں بھچراں ایک جلسے میں خطاب کے لئے تشریف لائے تھے۔ راقم ان دنوں جامعہ مظہریہ امدادیہ بندیال شریف میں ملک المدرسین حضرت مولانا علامہ عطا محمد چشتی گولڑوی مدظلہ، سے اکتسابِ فیض کر رہا تھا، حضرت مولانا علامہ شاہ محمد عارف اللہ قادری رحمہ اللہ تعالیٰ نے دورانِ گفتگو فرمایا:

"بندیال میں علم پڑھایا نہیں، بلکہ پلایا جاتا ہے۔"

یہ مجھ ایسے طالب علم کے لئے زبردست ترغیب و تشویق اور حوصلہ افزائی تھی حضرت اپنے ماہنامہ سالک میں اپنی ڈائری بھی لکھا کرتے تھے جس کا عنوان تھا، "عمر یونہی تمام ہوتی ہے" اس کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو کہ وہ طلبہ کی کس طرح حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔ ۲۲ مئی ۱۹۶۱ء پیر۔ جلسۂ بصیر پور کی سرخی لگا کر لکھتے ہیں:

"مدت مدید سے دارالعلوم حنفیہ فریدیہ، بصیر پور کی شہرت سُن رہا تھا۔ اس مرتبہ فقیہِ اعظم حضرت مولانا محمد نور اللہ نعیمی، مہتمم دارالعلوم کے محبت بھرے اصرار پر جلسہ میں شرکت کے لئے بصیر پور پہنچا، اسٹیشن پر دارالعلوم کے مدرسین اور طلباء کافی تعداد میں موجود تھے۔

دارالعلوم کے عریض و طویل گراؤنڈ میں جلسہ ہو رہا تھا۔ اسٹیج پر بہت سے علماء موجود تھے، جن میں اکثریت اسی دارالعلوم سے فیض یافتہ حضرات کی تھی۔ میرے پہنچتے ہی غسل کا انتظام کیا گیا اور قیام کے لئے علیحدہ کمرہ تھا، جہاں میری خدمت کے لئے ایک مستعد اور ہونہار طالب علم مولوی محمد منشا صاحب قصوری (جو آج کل جامعہ نظامیہ رضویہ

میں شعبۂ فارسی کے سربراہ اور ناظمِ نشر و اشاعت ہیں) کو مقرر کر دیا گیا۔[1]

راقم دو سال (۷۳ - ۱۹۷۲ء) مدرسہ اسلامیہ اشاعت العلوم، چکوال میں فرائضِ تدریس انجام دیتا رہا۔ اسی دوران ۲۷ صفر المظفر، ۱۲ اپریل ۱۳۹۲ھ / ۱۹۷۲ء بروز بدھ بعد از نمازِ عشاء چکوال میں پہلی مرتبہ یومِ رضا منایا گیا، جس میں دیگر علماء کے علاوہ مرکزی خطاب حضرت مولانا شاہ عارف اللہ قادری رحمہ اللہ تعالیٰ کا تھا۔ حضرت تشریف لائے اور امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی علمی، دینی اور سیاسی خدمات سے عوام و خواص کو روشناس کرایا۔ نجی محفل میں انہوں نے بیان فرمایا کہ چکوال کے ایک صاحب میرے پاس گئے اور کہنے لگے کہ آپ اشاعت العلوم، چکوال کے جلسے میں نہ جائیں، کیونکہ اس مدرسے کے منتظمین دیوبندی ہیں۔ میں نے انہیں کہا کہ میں یومِ رضا کے جلسے میں خطاب کرنے کا وعدہ کر چکا ہوں، میری یہ زبان لوہے کی ہے، لوہے کی، میں وعدہ پورا کر کے رہوں گا، مدرسے کی انتظامیہ اگر دیوبندی ہے تو کیا ہوا؟ میں امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ کی عظمت و جلالت بیان کر کے ان کے سینے پر مونگ دلوں گا۔

۱۹۷۳ء میں جماعت اہلِ سنّت، چکوال کی طرف سے امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ کا رسالہ مبارکہ غایۃ التحقیق شائع ہوا۔ حضرت نے ملاحظہ فرمایا تو راقم کو ایک مکتوب ارسال فرمایا۔ درج ذیل سطور میں وہ مکتوب پیش کیا جاتا ہے جس کی ایک ایک سطر سے ان کی مسلکِ اہلِ سنّت و جماعت کے ساتھ لگن کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

مکتوب آئندہ صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں:

یکم ربیع الآخر ۲۸ فروری ۱۳۹۹ھ / ۱۹۷۹ء کو عالمی مبلغِ اسلام حضرت علامہ مولانا شاہ محمد عارف اللہ قادری رحمہ اللہ تعالیٰ کا راولپنڈی میں انتقال ہوا۔

---

[1] شاہ محمد عارف اللہ قادری، علامہ: ماہنامہ سالک راولپنڈی (شمارہ جولائی ۱۹۶۱ء) ص ۵، ۴۹

۷۸۶
۹۲

مولانا المحترم ذو المجد والکرم، زیدت معالیکم ! سلام مسنون !

مجھ کو جماعت اہل سنت چکوال کا شائع کردہ رسالہ غایۃ التحقیق موصول ہوا۔ آپ جس خاموشی کے ساتھ اعلیٰ حضرت (قدس سرہٗ) کی شخصیت اور ان کے پاکیزہ مشن کو پیش فرما رہے ہیں، وہ لائق صد تبریک ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی اِن دینی خدمات کو شرفِ قبول عطا فرمائے۔

آپ اس بات سے یقیناً باخبر ہوں گے کہ وہابیہ دیابنہ اپنی عبارتوں پر پردہ ڈالنے کے لئے صرف یہ ڈھنڈورا پیٹتے رہتے ہیں کہ وہ صرف تکفیری فتاوٰی دیا کرتے تھے۔ اس پروپیگنڈہ سے جو لوگ متاثر ہوتے ہیں، وہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کی علمی کاوشوں اور فقہی موشگافیوں سے بے خبر رہتے ہیں۔

آج کی اہم ضرورت کا تقاضا یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے ایسے فتاوٰی جن میں اختلافی مسائل نہ ہوں، بلکہ وہابیہ دیابنہ کے قلم سے نکلے ہوئے فقہی مسائل میں فحش اغلاط ہوں اور اُن پر مستفتی کی خواہش پر اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ سے فیصلہ لیا گیا ہو، ان کی اشاعت پڑھے لکھے دیابنہ کے لئے موجب ہدایت ہوگی، مثلاً فتاوٰی رضویہ جلد سوم صفحہ ۳۲۴ پر اکابرین دیابنہ مولوی اشرف علی اور مولوی قاسم علی مرادآبادی کے چار فقہی مسائل کے متعارض و متناقض جوابات پر اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جوابات کٹر سے کٹر انصاف پسند دیوبندی کو اعلیٰ حضرت (امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ) کی شخصیت اور جزئیات فقہیہ پر عبور ماننے پر مجبور کردے گا۔

آپ اس کو مختصر مقدمہ کے ساتھ جس میں علماء حجاز کا اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی علمی گہرائی و گیرائی پر اعتراف کا ذکر، بلکہ اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کے بعض رسائل صرف اکابرین علماء اہلِ سنّت کے استفسار ہی پر لکھے گئے، ان کا ذکر شامل ہو تو اس سے اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کی شخصیت دوسروں کی نظر میں باوقار ثابت ہوگی، عقائد اور متنازعہ فیہ مسائل کی طرف اشارہ بھی نہ ہو۔ حاشیہ پر مشکل عبارت کا ترجمہ اور مشکل الفاظ کا حل بھی موجود ہو۔

اگر آپ یہ کام جماعتِ اہلِ سنّت کی طرف سے کریں، تو رسالہ کی اشاعت میں آپ کو میرا زیادہ سے زیادہ تعاون حاصل ہوگا، انشاء اللہ الکریم!

میں کوشش کروں گا کہ قومی و صوبائی اسمبلی کے مذہبی ذہن رکھنے والوں کو اپنی طرف سے مفت پیش کروں۔ مودودی پڑھے لکھے اس کو دلچسپی سے پڑھیں گے — تبلیغی جماعت کے کوڑھ مغز اس کو سمجھ ہی نہ سکیں گے۔

مقدمہ میں اسی فتاویٰ رضویہ جلد سوم میں مولانا شاہ رکن الدین صاحب، مولانا سید سلیمان اشرف صاحب لیکچرار مسلم یونیورسٹی جیسے اجل علماء ہی ملیں گے، جنہوں نے علمی گتھیاں سلجھانے کے لئے اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا۔

میری طرف سے حاجی صاحب اور دوسرے احباب جماعت داراکین دارالعلوم کو سلام پیش فرما دیجئے۔

دُعاگو:

شاہ محمد عارف اللہ قادری

صدر جمعیت علماء پاکستان

59/B سیٹلائٹ ٹاؤن، راولپنڈی

۴ رجون ۷۳ء

مُحدّثِ دکن مولانا سیّد عبداللہ شاہ رحمہ اللہ تعالیٰ

اور زجاجۃ المصابیح

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم
وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْن۔

کائنات کا تمام نظام، مشیّتِ ایزدی کے تابع ہے، جو شخص بھی کوئی اچھا کام کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کی توفیق ہی اس کے شاملِ حال ہوتی ہے۔ اُس نے کسی کو حدیث کی خدمت کے لئے پیدا کیا، کسی کو تفسیر کی خدمت کی توفیق بخشی، کسی کو فقہ کی تدوین و اشاعت کا اعزاز بخشا۔ ہمارے ائمّہ احناف کی توجہ زیادہ تر کتاب وسُنّت اور اجماع و قیاس سے مسائل فقہیہ کے استنباط اور استخراج کی طرف رہی اور یہ بدیہی بات ہے کہ قرآن وحدیث کے علم کے بغیر دینی مسائل کا استنباط نہیں ہوسکتا۔ علم فقہ، ادلّہ اربعہ (کتاب، سُنّت، اجماع اور قیاس) سے حاصل کئے جانے والے مسائل کے مرتّب مجموعے ہی کا نام ہے۔

تاہم امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کردہ احادیث کا مجموعہ جامع المسانید کے نام سے دستیاب ہے۔ امام محمّد بن حسن شیبانی کی تصانیف مؤطا امام محمّد اور کتاب معانی الآثار معروف و مشہور ہیں۔ امام طحاوی کی شرح معانی الآثار بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ امام علامہ ابن ہمام نے فتح القدیر میں اور علامہ بدر الدین عینی نے بخاری شریف کی شرح عمدۃ القاری اور دیگر تصانیف میں، حضرت ملّا علی قاری نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی

نے لمعات اور اشعۃ اللمعات میں امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے فتاویٰ رضویہ میں کتاب وسُنّت کی روشنی میں فقہ حنفی کی بھرپور تائید وتوثیق کی ہے۔ علامہ زبیدی نے عقود الجواہر المنیفہ میں حدیث کی مشہور کتابوں سے احناف کے دلائل جمع کر دیئے ہیں ماضی قریب میں امام احمد رضا بریلوی کے خلیفہ اور شاگرد ملک العلماء مولانا علامہ محمد ظفر الدین بہاری (رحمہما اللہ تعالیٰ) نے چھ جلدوں میں صحیح البہاری کے نام سے عظیم الشان کتاب لکھی، جس میں تقریباً پچاس ہزار احادیث جمع کر دی گئی ہیں جو مسلکِ اہل سنت وجماعت اور مذہبِ حنفی کے دلائل کا شاندار مجموعہ ہے، لیکن افسوس کہ اس کی صرف ایک جلد چھپ سکی ہے جو کتاب الطہارۃ اور کتاب الصلوٰۃ پر مشتمل ہے۔

دینی مدارس میں عرصہ دراز سے مشکوٰۃ المصابیح پڑھائی جارہی ہے، جو اپنی جامعیت کے لحاظ سے بڑی اہم کتاب ہے، چونکہ مشکوٰۃ اور مصابیح کے مصنف شافعی ہیں، اس لئے اختلافی مقامات پر وہی احادیث لائے ہیں، جن سے حضراتِ شافعیہ استدلال کرتے ہیں — یہ ضرورت بڑی شدّت سے محسوس کی جارہی تھی کہ طلباء کو پڑھانے کے لئے مشکوٰۃ شریف کے انداز پر ایک کتاب لکھی جائے جس میں وہ احادیث جمع کر دی جائیں، جن سے فقہائے احناف استدلال کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ سعادت محدّثِ دکن حضرت علامہ ابو الحسنات سید عبد اللہ شاہ نقشبندی، قادری رحمہ اللہ تعالیٰ کو عطا فرمائی۔ انہوں نے زجاجۃ المصابیح کے نام سے تقریباً اڑھائی ہزار صفحات پر مشتمل پانچ جلدوں میں کتاب تصنیف فرمائی جسے حنفی مشکوٰۃ کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اس کتاب کو دینی مدارس کے نصاب میں شامل کیا جائے اور اس کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کی جائے۔ خوشی کی بات یہ ہے کہ فرید بُک سٹال، لاہور کی طرف سے یہ کتاب اُردو ترجمہ کے

ساتھ شائع کی جارہی ہے۔اس کتاب کی اشاعت سے اہلِ علم قارئین کو پتہ چلے گا کہ فقہ حنفی کس قدر مضبوط دلائل کی بنیادوں پر استوار ہے۔

علامہ عبدالفتاح ابو غدہ، ملک شام کے شہر حلب کے رہنے والے اور علامہ زاہد الکوثری کے شاگرد ہیں، انہوں نے حج کے موقع پر زجاجہ کی پہلی جلد دیکھی، تو حضرت مصنف کو مکتوب ارسال کیا، جس میں انہوں نے لکھا:

"مجھے یہاں حضرتِ والا کی تصنیفِ منیف زجاجۃ المصابیح کی جلد اول دستیاب ہوئی، جس کی وجہ سے میری بصر اور بصیرت دونوں روشن ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس بیش بہا نعمت سے جو نوازا ہے، اس پر میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کارِ خیر پر اسلام اور حضراتِ احناف کی طرف سے جزاءِ خیر عطا فرمائے۔

الفقیر الی اللہ

۱۴/محرم ۱۳۷۷ھ عبدالفتاح ابو غدہ

فقیہ ہرات مولانا ابو نصر محمد اعظم برنابادی، زجاجہ کی دو جلدوں کا مطالعہ کر چکے تھے۔تیسری جلد موصول ہونے پر انہوں نے اظہارِ مسرت کرتے ہوئے لکھا:

زجاجہ کی دو جلدوں کی تدریس نے میری آنکھوں کو ٹھنڈک بخشی، اور اب تیسری جلد کی وصولی میرے دل کی کشادگی اور شرح صدر کا سبب بن رہی ہے۔یہ کتاب درحقیقت صحیح ترین احادیث کا ذخیرہ ہے مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ مجھے ایسا بحرِ زخار حاصل ہو گیا ہے، جو میرے لئے بالکل کافی ہے، احناف کے لئے واضح حجت ہے، جہالت اور تنقید کی بیماریوں کے لئے قانون ہے اور مذہبِ حنفی کی توثیق میں جوابِ قاطع ہے . . . . اللہ تعالیٰ مؤلف اور اس کتاب کی طباعت،

اور اشاعت میں مدد کرنے والوں کو جزائے خیر مرحمت فرمائے۔

مولانا ابوالحسن زید فاروقی (دہلی) نے اپنے تاثرات کا اظہار یوں کیا،

مصابیح ہو یا مشکوٰۃ، ان کے مؤلف شافعی ہیں اور جن کتابوں سے مصابیح و مشکوٰۃ کی تالیف ہوئی ہے، وہ سب شوافع ہیں، لہٰذا ان میں حضرت امام عالی مقام امام ابوحنیفہ (رحمہ اللہ تعالیٰ) کی ایک روایت کا بھی ذکر نہیں۔ ہمارے علماء احناف نے ان کتابوں کی شرح یا حاشیہ لکھ کر حنفی مذہب کے استدلالات لکھے ہیں۔ ۷۳۷ھ سے ۱۳۶۸ھ تک احناف کسمپرسی کی حالت میں رہے۔ مرقات، لمعات اور اشعۃ اللمعات کو ہر شخص خرید نہیں سکتا۔ وہابیت اور غیر مقلدیت کے اسباب پوری طرح اثر انداز ہوتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے لطف و کرم سے محدثِ دکن کو توفیق دی کہ وہ حنفی مذہب کے استدلالات، احادیثِ شریفہ کی مستند کتابوں سے جمع کریں۔ تقریباً بیس سال سے یہ کتاب عاجز کے پاس ہے اور جب بھی اس کتاب کو دیکھتا ہے، محدثِ دکن کے لئے دعائے خیر کرتا ہے: قدس اللہ سرہ و نور مرقدہٗ ؎

حریفان بادہ ہا خوردند و رفتند　　تہی خمخانہا کردند و رفتند

سات سو سال سے جس شئے کی تمنا احناف کو تھی، اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم سے اب وہ ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ حضرت محدثِ دکن نے وہ کام کیا جو سات سو سال سے کوئی حنفی نہیں کر سکا۔ اس کتاب کی اشاعت سے غیر مقلدیت اور وہابیت کے اثرات پھیلنے سے ان شاء اللہ تعالیٰ بند ہو جائیں گے۔ عاجز نے مختصر طور پر چند سطریں لکھ دی ہیں۔ علماء کرام اس کتاب کو دیکھیں اور مدارسِ عربیہ میں داخلِ نصاب کریں۔ وفقنی اللہ و ایاھم لما یحبہ و یرضاہ۔ (چہار شنبہ ۲۲ صفر ۱۴۱۱ھ ۱۲ ستمبر ۱۹۹۰ء)

محدثِ دکن رحمہ اللہ تعالیٰ

حضرت علامہ ابو الحسنات سید عبد اللہ شاہ نقشبندی قادری رحمہ اللہ تعالیٰ کی ولادت باسعادت دس ذوالحجہ ۱۲۹۲ھ / ۱۸۷۶ء بروز جمعۃ المبارک حیدر آباد دکن میں ہوئی۔ اسی سال حیدر آباد کے مشہور جامعہ نظامیہ کی بنیاد رکھی گئی۔ آپ کا سلسلۂ نسب چوالیس واسطوں سے امام عالی مقام سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔ آپ کے جدِ اعلیٰ، سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے ایماء پر حجازِ مقدس سے بیجاپور، ہندوستان تشریف لائے۔ عادل شاہی دور میں، شاہی فرمان کے مطابق تعلقہ نلدرگ، ضلع عثمان آباد، مہاراشٹر میں قیام پذیر رہے۔ آپ کے والد ماجد مولانا حافظ سید مظفر حسین نقشبندی، حیدر آباد دکن میں منتقل ہو گئے اور وہیں اُن کا وصال ہوا۔

یوں تو اس وقت حیدر آباد دکن، اسلامی علوم و معارف کا مرکز تھا، ہر شہر اور ہر گاؤں میں اولیاء کرام، علماء، فقہاء اور شعراء موجود تھے۔ حضرت علامہ کا خانوادہ بھی علمی، دینی اور روحانی اعتبار سے ممتاز حیثیت رکھتا تھا۔ آپ کے والد ماجد نہ صرف عالم و فاضل تھے، بلکہ سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ میں حضرت مسکین شاہ نقشبندی رحمہ اللہ تعالیٰ (متوفی ۱۳۱۴ھ) کے مرید اور خلیفہ تھے۔ آپکی والدہ ماجدہ حضرت شہزادہ قادری المعروف ہونٹ کٹے شاہ کی صاحبزادی اور عابدہ زاہدہ خاتون تھیں۔

حضرت علامہ سید عبد اللہ شاہ کی تعلیم و تربیت کا آغاز بڑے اہتمام سے ہوا۔ عالمِ ربانی، محبِ رسول مقبول حضرت عاقبت شاہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے بسم اللہ پڑھائی۔ حیدر آباد دکن کے مشہور فضلاء سے علومِ دینیہ کی تحصیل کی۔ آپ کے چند اساتذہ کرام کے

نام یہ ہیں:

۱- شیخ الاسلام، فضیلتِ جنگ مولانا انوار اللہ خاں فاروقی،
بانی جامعہ نظامیہ، حیدر آباد دکن

۲- مولانا منصور علی خاں

۳- مولانا حبیب الرحمٰن بیدل سہارنپوری

۴- مولانا محمد یٰسین

۵- مولانا حکیم عبدالرحمٰن سہارنپوری (رحمہم اللہ تعالیٰ)

آخرالذکر بزرگ کے واسطے سے آپ کی سندِ حدیث شاہ محمد اسحاق دہلوی تک پہنچتی ہے۔ حضرت سید عبداللہ شاہ رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت پیر سید محمد بادشاہ بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے دستِ اقدس پر بیعت ہوئے اور شرفِ خلافت سے مشرف ہوئے۔ آپ کے مرشدِ گرامی حضرت شاہ سعد اللہ کے مُرید اور خلیفہ تھے۔ حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا تھا: سعد اللہ تم دکن جاؤ۔ شاہ سعد اللہ، حضرت شاہ غلام علی دہلوی نقشبندی کے مُرید اور شاہ ابو سعید مجددی کے خلیفہ تھے۔ رحمہم اللہ تعالیٰ —— شریعت و طریقت کی منزلیں طے کرنے کے بعد حضرت ابوالحسنات سید عبداللہ شاہ قدس سرہ نے تمام زندگی مسجد علی آقا حسینی عَلَم، حیدر آباد میں مخلوقِ خدا کی راہنمائی اور علومِ دینیہ کی خدمت میں گزار دی۔

حضرت علامہ سید عبداللہ شاہ رحمہ اللہ تعالیٰ، صحیح معنوں میں یادگارِ اسلاف تھے۔ اتباعِ سنت میں راسخ قدم تھے۔ پانچوں وقت نماز کی امامت خود فرماتے۔ نمازِ فجر کے بعد ڈیڑھ گھنٹہ حلقۂ ذکر قائم کرتے، اس کے بعد قرآن پاک کی تلاوت کرتے۔ حزبِ اعظم کی دُعاؤں کا ورد کرتے، نمازِ اشراق ادا کرنے کے بعد گھر تشریف لے جاتے۔ ناشتہ کے بعد ظہر تک خواتین کو تلقین کرتے۔ بعض خواتین حلقۂ ارادت میں داخل ہوتیں۔

نمازِ ظہر کے لئے مسجد میں آتے، تو رات بارہ بجے کے بعد واپس گھر تشریف لے جاتے، اس دوران عقیدت مند حاضر ہو کر فیض یاب ہوتے۔ رمضان المبارک میں خاص اہتمام فرماتے۔ پیرانہ سالی کے باوجود باقاعدہ روزہ رکھتے، تراویح ادا کرتے، نمازِ تہجد میں ختمِ قرآنِ پاک کا اہتمام کرتے اور آخری عشرے میں اعتکاف بیٹھتے۔

اللہ تعالیٰ نے عبادت و ریاضت کے ذوق کے ساتھ تصنیف و تالیف کا بہترین ملکہ عطا فرمایا تھا۔ عربی اور اُردو پر یکساں قدرت رکھتے تھے۔ تحریر اتنی سلیس اور شگفتہ تھی کہ معمولی پڑھا ہوا آدمی بھی ان کے بیان کردہ مطالب کو سمجھ لیتا ہے۔

ان کی تصانیف درج ذیل ہیں:

۱۔ زجاجۃ المصابیح (عربی)، پانچ جلدوں میں ہندوستان اور پاکستان سے چھپ چکی ہے۔ اس کا مختصر تعارف، اس سے پہلے بیان کیا جا چکا ہے، اس کے اُردو ترجمہ کی آٹھ جلدیں چھپ چکی ہیں، ابھی نصف کتاب کا ترجمہ ہونے والا ہے۔

۲۔ سلوکِ مجددیہ: سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کے سلوک پر اہم کتاب

۳۔ یُوسف نامہ: (گلدستۂ طریقت) تفسیر سُورۂ یوسف

۴۔ گلزارِ اولیاء: تذکرہ اولیاء نقشبندیہ (رحمہم اللہ تعالیٰ)

۵۔ فضائلِ نماز

۶۔ علاج السالکین

۷۔ کتاب المحبتۃ

۸۔ میلاد نامہ

۹۔ معراج نامہ

۱۰۔ شہادت نامہ

۱۱۔ مواعظِ حسنہ

اللہ تعالیٰ نے آپ کو چار صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں عطا فرمائیں۔ بڑے صاحبزادے مولانا ابوالبرکات سید شاہ خلیل اللہ نقشبندی قادری رحمہ اللہ

تعالیٰ، حضرت کے جانشین تھے۔ ۱۹۹۲ء کے آخر میں وصال فرماگئے۔ ان کے جنازہ میں تقریباً دو لاکھ افراد نے شرکت کی۔ دوسرے صاحبزادے میاں سید احمد مہاراشٹر (انڈیا) میں مقیم ہیں۔ تیسرے صاحبزادے میاں سید حبیب اللہ قادری رحمہ اللہ تعالیٰ تھے۔ چوتھے صاحبزادے میاں سید شاہ رحمت اللہ قادری ایم۔ اے عثمانیہ، حیدر آباد دکن میں مقیم ہیں۔

حضرت شیخ طریقت، محدّثِ دکن رحمہ اللہ تعالیٰ نے مندرجہ ذیل حضرات کو خلافت و اجازت سے سرفراز فرمایا۔

۱۔ مولانا ابوالبرکات سید خلیل اللہ شاہ رحمہ اللہ تعالیٰ (فرزند اکبر)
۲۔ مولانا سید رحمت اللہ شاہ قادری (فرزند اصغر)
۳۔ مولانا سید عبدالرؤف شاہ رحمہ اللہ تعالیٰ
۴۔ حضرت غلام جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ
۵۔ حضرت صدیق حسین رحمہ اللہ تعالیٰ
۶۔ جناب میر لطف علی خاں رحمہ اللہ تعالیٰ
۷۔ جناب عبدالرزاق
۸۔ جناب ڈاکٹر محمد عبدالستار خاں، سابق صدر شعبۂ عربی، جامعہ عثمانیہ، حیدر آباد دکن۔

محدّثِ دکن حضرت علامہ ابوالحسنات سید عبداللہ شاہ نقشبندی قادری رحمہ اللہ تعالیٰ کا وصال مبارک ۱۸ ربیع الثانی، ۲ اگست، ۱۳۸۴ھ / ۱۹۶۴ء بروز جمعرات ہوا۔ آخری آرامگاہ مصری گنج حیدر آباد دکن نقشبندی چمن میں ہے۔ ؎

؎ محدّث دکن رحمہ اللہ تعالیٰ کے تمام حالات ڈاکٹر محمد عبدالستار خاں کے مقدمۂ زجاجۃ المصابیح (عربی۔ اُردو) سے ماخوذ ہیں۔ عنقریب یہ کتاب فرید بک سٹال، اُردو بازار، لاہور کی طرف سے شائع کی جا رہی ہے۔ ۱۲ شرف قادری

حضرت مولانا میاں عبدالحق غور غشتوی رحمہ اللہ تعالیٰ

اُستاذ العلماء حضرت العلامہ مولانا میاں عبدالحق صاحب غور غشتوی، جابری ابن میر احمد بن فضل احمد بن شیخ احمد صحابیٔ رسول حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد سے ہیں۔ آپ کی عمر ایک سال تھی کہ والدِ محترم کا سایہ سر سے اُٹھ گیا، لیکن رحمتِ الٰہیہ نے ساتھ دیا کہ آپ علمِ دین حاصل کرنے کی طرف متوجہ ہو گئے۔ دراصل اس طرف متوجہ ہونا آپ کے چچا فاضلِ اجل فیضی میاں صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا فیضِ نظر تھا۔ حضرت علامہ فیضی میاں صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے دور کے فاضلِ یگانہ تھے۔ کتبِ درسیہ خصوصاً عبدالغفور وغیرہ تو آپ کو ازبر تھیں۔ ایک دفعہ ٹوپی کے مولوی عبدالرؤف صاحب دیوبندی سے مقام کوٹ میرا میں مسئلہ امتناعِ نظیر پر مناظرہ ہوا۔ فیضی میاں اس طرف تھے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی نظیر ناممکن ہے۔ آخر آٹھویں دن مولوی عبدالرؤف نے کسی کتاب میں سے ایک عبارت پیش کی، فیضی میاں نے فرمایا: یہ عبارت مشکوک ہے۔ اس کتاب کا دوسرا نسخہ لایا گیا، اس میں وہ عبارت نہ تھی اور پھر ایک عجیب و غریب انکشاف ہوا کہ مولوی عبدالرؤف نے ایک کاغذ پر عبارت لکھ کر کتاب میں رکھی ہوئی تھی۔ بالآخر اُنہیں شکستِ فاش کا سامنا کرنا پڑا۔

مولانا میاں عبدالحق صاحب نے اکثر و بیشتر ابتدائی کتب مولانا سید حبیب شاہ صاحب (قاضی پوری) سے پڑھیں۔ کافیہ وغیرہ مولانا فضل احمد صاحب (بمقام غازی) سے پڑھیں۔ استاذ الکل مولانا فضل حق صاحب رامپوری کے شاگرد مولانا نور گل سے بھی استفادہ کیا۔ وقت کے شیخ، رئیس الاذکیاء حضرت مولانا محمد دین صاحب

بدھوی تلمیذ رشید مولانا فضلِ حق رامپوری سے منطق و فلسفہ کی آخری کتب پڑھیں دورۂ حدیث پڑھنے کے لئے دیوبند گئے۔ دورانِ سال کسی عارضے کی وجہ سے واپس تشریف لے آئے، لیکن دیوبندیوں کے غلط اور ہولناک قسم کے عقائد سے محفوظ رہے اور مسلکِ حق اہل سنت و جماعت کی خدمت میں عمر عزیز صرف کر دی۔

آپ نے خدمتِ دین کے لئے دَرس و تدریس ایسا بہترین راستہ تجویز کیا۔ ۲ سال مکھڈ شریف پڑھاتے رہے۔ آستانہ عالیہ سیال شریف بھی پڑھانے کے لئے گئے مگر دو تین ماہ بعد بعض عوارض کی بناء پر واپس چلے آئے اور چالیس سال تک غور غشتی ضلع کیمبل پور اپنی مسجد میں فی سبیل اللہ علم و فضل کے پیاسوں کو سیراب کرتے رہے۔

ایک مرزائی سے مناظرہ

حضرت میاں عبدالحق صاحب، مولانا محمد جان صاحب سے ملاقات کے لئے جہاڑ علاقہ تربیلہ میں گئے، تو مولانا محمد جان صاحب نے بتایا کہ میاں عبدالجبار مرزائی ساکن مقام گندف سیداں ضلع ہزارہ نے مجھے ایک خط میں لکھا ہے کہ یا تو مرزائیوں کو کافر کہنا چھوڑ دو یا پھر ہم سے مناظرہ کرو اور مشورہ طلب کیا کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہیے میاں صاحب نے فرمایا، مولانا! آپ اس علاقے کے مفتی ہیں، اگر آپ خاموش رہے، تو عوام یہ سمجھیں گے کہ مولوی عبدالجبار حق پر ہے۔ چنانچہ انہوں نے میاں صاحب کو بھی ساتھ لے جانے پر رضامند کر لیا۔ صبح جب لوگوں کو مناظرے کی اطلاع ملی تو جہاڑ کے اکثر و بیشتر آدمی ساتھ ہو لئے اور بمقام گندف جب پہنچے تو گرد و نواح کے لوگوں کا جمِ غفیر جمع ہو گیا۔ ادھر عوام اور علماء کا بہت بڑا اجتماع تھا، ادھر مولوی عبدالجبار اور اُن کے حواریوں کو پتہ چلا تو سخت ہراساں ہوئے۔ بار بار بلانے کے باوجود میدانِ مناظرہ میں نہ نکلے۔ بالآخر اصرارِ شدید کے بعد مولوی عبدالجبار بادلِ ناخواستہ شام ۴ بجے کے

قریب اپنے حواریوں سمیت آ پہنچے۔ علماء کرام نے متفقہ طور پر اہل سُنّت و جماعت کی طرف سے حضرت میاں عبد الحق کو مناظر منتخب کیا۔

عبد الجبار میاں نے میدانِ مناظرہ میں آتے ہی چرب زبانی کا مظاہرہ کیا اور کہنے لگے ہم مسلمان ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور حضور اکرم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی رسالت پر ہمارا ایمان ہے۔ ہم آپ کو خاتم النبیّین مانتے ہیں۔ چار یار حق ہیں اور چار مذہب ہی صحیح ہیں اور میں حنفی المذہب اور اہل سُنّت و جماعت کا عقیدہ رکھتا ہوں۔ آپ علماء ہیں اور انبیاء کرام علیہم السلام کے وارث آپ کا فریضہ کافروں کو مسلمان بنانا ہے نہ کہ مسلمانوں کو کافر قرار دینا۔

میاں عبد الحق صاحب: ہم ہرگز کسی مسلمان کو کافر نہیں کہتے، لیکن جو شخص اہلِ اسلام کے خلاف عقیدہ رکھے، اسے ہم مسلمان بھی نہیں کہہ سکتے، ہم آپ سے مختصر وقت میں صرف یہ پوچھنا چاہتے ہیں:

(۱) حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا گئے ہیں یا نہیں؟

(۲) مرزا غلام احمد قادیانی کے متعلق آپ کا کیا عقیدہ ہے؟

عبد الجبار میاں: (مرزائی) (۱) حضرت عیسیٰ علیہ السلام، دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کی طرح وفات پا چکے ہیں۔

(۲) میں مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی نہیں مانتا، وہ مجدّد تھے، انہوں نے بہت سے انگریزوں کو کلمہ پڑھایا اور دین کی بہت خدمت کی۔

(میاں عبد الجبار قادیانی، لاہوری پارٹی سے متعلق تھے)

میاں عبد الحق صاحب: یہ دونوں عقیدے اہلِ اسلام کے خلاف ہیں:

(۱) اہلِ اسلام کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حیاتِ جسمانی کے ساتھ آسمانوں پر جلوہ افروز ہیں، قیامت کے قریب اتریں گے اور دجّال کو قتل کریں گے۔

(۲) مرزا صاحب مجدد تو کجا مسلمان کہلانے کے بھی حقدار نہیں - اگر ہمت ہے تو اپنے ان دونوں دعووں پر دلیل پیش کرو۔

عبدالجبار میاں: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات اس آیۂ مبارکہ سے ثابت ہے: یٰعِیسٰی اِنِّی مُتَوَفِّیکَ وَرَافِعُکَ (الآیہ) مُتَوَفِّیکَ بمعنیٰ مُمِیتُکَ یعنی اے عیسیٰ (علیہ السلام) میں تمہیں وفات دینے والا ہوں اور تمہیں اپنی طرف اٹھانے والا ہوں، اس سے بڑھ کر وفات کی کیا دلیل ہو سکتی ہے؟

میاں عبدالحق صاحب: اِنِّی مُتَوَفِّیکَ کون سا قضیہ ہے؟ (مقصد یہ تھا کہ پتہ چل جائے کہ عبدالجبار میاں کتنے پانی میں ہیں تاکہ ان کی سمجھ کے مطابق گفتگو کی جائے۔)

عبدالجبار میاں: آپ مولوی حضرات قرآن و حدیث چھوڑ کر قضیوں اور جملوں میں اُلجھ کر رہ جاتے ہیں۔

میاں عبدالجبار صاحب: اگر آپ کو پتہ چل جائے کہ یہ کون سا قضیہ ہے، تو بحث طویل نہ ہوگی۔ سنیے: اِنِّی مُتَوَفِّیکَ قضیہ مطلقہ عامہ ہے جس کا معنیٰ یہ ہوتا ہے کہ یہ حکم تین زمانوں میں سے ایک زمانے میں ثابت ہے۔ اوّل تو مُتَوَفِّیکَ بمعنیٰ مُمِیتُکَ (میں تمہیں وفات دینے والا ہوں) نہیں ہے، بلکہ اس کا معنیٰ قَابِضُکَ (میں تمہیں قبض کرنے والا ہوں) دوسرا یہ کہ اگر مان لیا جائے کہ مُتَوَفِّیکَ کا معنیٰ وہی ہے، جو تم نے ذکر کیا ہے تو چونکہ یہ قضیہ مطلقہ عامہ ہے، اس لئے معنیٰ یہ ہوگا کہ میں تمہیں کسی وقت وفات دینے والا ہوں (یعنی جبکہ قریب قیامت آپ کی وفات کا وقت ہوگا) احادیث کے مطابق آیۂ مبارکہ کا معنیٰ یہ ہوگا کہ پہلے آپ کو آسمانوں پر اٹھایا جائے گا، پھر وقت آنے پر آپ کو وفات دی جائے گی اور کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ کا وعدہ پورا کیا جائے گا۔

عبدالجبار میاں: مُتَوَفِّیکَ میں وفات کا ذکر پہلے اور رَافِعُکَ میں اٹھانے کا ذکر بعد میں ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پہلے وفات اور اٹھایا جانا بعد میں ہوگا۔ آپ اس کے برعکس کہہ رہے ہیں اور قرآن مجید کی مخالفت کر رہے ہیں۔

میاں عَبدالحق صاحب: رَافِعُکَ اور مُتَوَفِّیکَ دونوں لفظوں کے درمیان واوٴ آئی ہوئی ہے، اس کی دلالت مطلق پر جمع پر ہوتی ہے، یعنی وہ دلالت کرتی ہے کہ دونوں حکم ثابت ہیں، دونوں میں سے کون سا پہلے اور کون سا پیچھے ہے، اس پر کوئی دلالت نہیں۔ قرآن مجید کا طریقہ ہے کہ اہم اور ضروری بات کو پہلے ذکر کیا جاتا ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: یٰمَرْیَمُ اقْنُتِیْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِیْ وَارْكَعِیْ (الآیۃ) دیکھئے یہاں بھی درمیان میں واوٴ ہے، پہلے سجدے کا اور پھر رکوع کا ذکر ہے، حالانکہ رکوع پہلے ہوتا ہے اور سجدہ بعد میں، چونکہ سجدہ رکوع سے اہم ہے، کیونکہ اس میں تعظیم زیادہ ہے، اس لئے اسے پہلے ذکر کیا اور اسی طرح مذکورہ بالا آیۂ مبارکہ میں مُتَوَفِّیکَ زیادہ اہم ہے، کیونکہ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا مانتے ہیں۔ ان کے اس گمان فاسد کو رد کرنے کے لئے پہلے متوفیك کا ذکر کیا گیا ہے تاکہ ظاہر ہو جائے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تو ایک وقت وفات آنے والی ہے۔ وہ خدا کیسے ہو سکتے ہیں، ورنہ واقع میں وفات رفع جسمانی کے بعد ہوگی۔

اتنے میں عصر کا وقت ہو گیا، اذان دی گئی، تو مرزائی اجتماع سے علیحدہ ہو گئے۔

میاں عبدالحق نے حدیث شریف پڑھی:

اِتَّبِعُوا السَّوادَ الاعظم فانّہ من شذّ شذّ فِی النّار

(بڑی جماعت کی پیروی کرو، جو الگ ہوا، وہ جہنم میں ڈالا گیا (الحدیث)

عبدالجبار میاں: چونکہ تم ہمیں (مرزائیوں کو) کافر کہتے ہو، اس لئے ہم تمہارے پیچھے نماز نہیں پڑھتے۔

تمام مسلمانوں نے الگ نماز پڑھی اور مرزائیوں نے الگ، تو اس سے بھی عوام پر مرزائیوں کی ضلالت وگمراہی ظاہر ہوگئی۔ نماز کے بعد عبدالجبار میاں کو مرزا صاحب کی کچھ غلط اور بیہودہ قسم کی عبارات دکھائی گئیں۔ اوّل تو تاویل وتوجیہہ کے لئے طرح طرح سے پیچ وتاب کھاتے رہے، لیکن حضرت میاں عبدالحق صاحب کی گرفت کے آگے اُن کی ایک نہ چل سکی، بالکل لاجواب ہوگئے، تو اپنی ندامت کو چھپانے کے لئے پشتو میں اپنے ساتھی سے کہنے لگے خو دیں ذو دو ملا دے (دیکھئے یہ مولوی تو کوئی آفت ہے) میاں عبدالحق صاحب نے فرمایا: مرزا صاحب کی گمراہیاں آپ کے سامنے پیش کردی ہیں، آپ کی مرضی ہے کہ اب راہِ حق قبول کریں یا نہ ؟
عبدالجبار میاں مبہوت ہوکر اُٹھ کھڑے ہوئے اور یوں میاں صاحب کو مناظر میں کامل فتح ہوئی۔ ایک شخص نے پوچھا: عبدالجبار میاں کا کیا حکم ہے، اس کے ساتھ غمی شادی میں شرکت کی جائے یا نہ ؟ میاں عبدالحق صاحب نے فرمایا کہ جب تک عقائدِ باطلہ سے توبہ نہ کریں، ان کے ساتھ غمی شادی میں شرکت کرنا جائز نہیں۔

آپ کے ہاں چار صاحبزادے ہوئے — مولوی عبدالسلام صاحب دورۂ حدیث پڑھتے ہوئے فوت ہوگئے — مولوی حبیب الرحمٰن صاحب۔ مولوی سیف الرحمٰن صاحب سب سے بڑے لڑکے مولانا محمد نعمان ہیں، نہایت ذکی اور جید عالم وفاضل ہیں۔

آپ کے تلامذہ میں سے مشہور ومعروف دیوبندی مولوی غلام اللہ خان (راولپنڈی) بھی ہے۔ مولوی غلام اللہ خان پہلی دفعہ پڑھنے کے لئے گیا، تو بدیع المیزان و شرح تہذیب وغیرہ پڑھیں۔ پھر دوبارہ گیا، تو ملا حسن، مطول، امورِ عامہ وغیرہ کے اسباق پڑھے — میاں صاحب فرماتے ہیں کہ مولوی غلام اللہ خاں چنداں ذہین نہ تھا، البتہ محنتی ضرور تھا۔ پھر لطف یہ کہ جب واں بھچراں، مولوی حسین علی دیوبندی کے پاس پہنچا اور دیوبندیت کے رنگ میں رنگا گیا تو کئی دفعہ استادِ محترم میاں صاحب

سے مناظرہ کرنے کے لئے آیا۔

حضرت میاں صاحب فرماتے ہیں کہ ہم مولوی غلام اللہ خان سے کہتے کہ مولوی حسین علی واں بھچروی کی بلغتہ الحیران کی اس عبارت پر مناظرہ ہوگا، جس میں انہوں نے اس بات کی تائید کی ہے کہ "اللہ تعالیٰ کو پہلے علم نہیں ہوتا، جب کوئی کام ہو جاتا ہے تب پتہ چلتا ہے ۔" مگر مولوی غلام اللہ خان اس طرف نہ آتا، اِدھر اُدھر کی باتیں کرکے چلا جاتا۔

حضرت العلامہ مولانا گل اکرام صاحب راولپنڈی، حضرت مولانا علامہ ہدایت الحق صاحب مہتمم مدرسہ حقائق العلوم غوثیہ حضرو، ضلع کیمبل پور، اُستاذ العلماء حضرت العلامہ مولانا عبدالحق صاحب بارہ زئی آپ کے تلامذہ میں سے ہیں۔ مولوی حبیب الرحمٰن (دیوبندی) مولوی ضیاء الحق دیوبندی، اور مولوی فضل الرحمٰن دیوبندی (بہودی) بھی آپ ہی کے فیض یافتہ ہیں اور کابل اور کوہاٹ کی طرف بے شمار تلامذہ موجود ہیں۔

درس و تدریس کی مصروفیت کی وجہ سے آپ تصنیف و تالیف کی طرف زیادہ توجہ نہ دے سکے تاہم حسب ضرورت بعض مسائل پر آپ نے قلم اٹھایا اور دادِ تحقیق دی (۱) نابالغ بچے کی طلاق واقع نہیں ہوتی، خواہ وہ سمجھ دار ہی ہو، اس مسئلہ پر آپ نے ایک رسالہ تحریر فرمایا۔ (۲) یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہنے کے جواز پر ایک رسالہ تحریر فرمایا جس کا عقد الجید فی نداء البعید ہے۔ (۳) مسئلہ نور پر آپ نے ایک رسالہ نور الانوار فی بیان نور سید الابرار عربی میں تحریر فرمایا۔ اس میں آپ نے آیات واحادیث اور علمائے امت کے اقوال سے ثابت کیا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، اللہ تعالیٰ کے نور ہیں اس میں مخالفین کے اعتراضات کے شافی جوابات دیئے ہیں۔ ۲ ذیقعدہ، ۱۴ اپریل ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۴ء کو استاذ الکل مولانا میاں عبدالحق غور غشتوی رحمہ اللہ تعالیٰ دار فانی سے دار بقا کی طرف رحلت فرما گئے۔

مولانا قاضی محمد عبدالحکیم ایم اے رحمہ اللہ تعالیٰ
ایک خاموش مُبلّغ

از قلم: مولانا علامہ محمد منشا تابش قصوری

علوم و فنونِ اسلامیہ میں تاریخ و سوانح، ایک ایسا شعبہ ہے، جس کا احاطہ ممکن نہیں۔ انسان کی تاریخ، شہر کی تاریخ، ملک کی تاریخ اور پھر ان سے متعلقات کی تاریخ، جغرافیائی کیفیات، تمدنی حالات، معاشی و معاشرتی معلومات، یہ سب عنوان تاریخ سے عبارت ہیں۔ تاریخی شخصیات کی فہرست بڑی طویل ہے۔ ماضی کی تو بات ہی کیا، عصرِ حاضر میں ہماری بے شمار شخصیات ہیں، جن کے نام افلاکِ تاریخ پر آفتاب و ماہتاب کی طرح چمک رہے ہیں۔ یہاں ان کے احوال و آثار کو رقم کرنا مقصود نہیں، مگر اس مختصر تحریر میں اہل سنت و جماعت کے ایک خاموش مبلّغ، ایک معنی خیز شخصیت، صاحب علم و فضل، نازشِ تقویٰ و طہارت، مجسّمۂ خیر و برکت، محبِّ ملک و ملت، محسنِ اہل سُنّت، حضرت مولانا محمد عبدالحکیم قاضی ایم اے کی ذات ستودہ صفات کی زندگی کے چند خاکے پیش کرنے کی طرح ڈالی ہے۔ ممکن ہے مستقبل کا مؤرخ اس عظیم دردمند انسان کو اپنے قلم کا موضوع بنانے میں فیاضی سے کام لے سکے۔

مولانا محمد عبدالحکیم قاضی مدظلہ[1] ۱۹۰۶ء میں ریاست فریدکوٹ میں پیدا ہوئے۔ آپ کا خاندان نسلاً بعد نسل علوم و فنونِ اسلامیہ کا امین چلا آرہا تھا۔ جب آپ نے آنکھ کھولی، تو خاندان کو علم و عمل سے مرصّع پایا۔ آپ کے والد ماجد خادم الاسلام والمسلمین، حضرت مولانا علامہ محمد حسین قاضی رحمہ اللہ تعالیٰ ریاست فریدکوٹ کے قاضی القضاۃ

---

[1] یہ مقالہ قاضی صاحب کی زندگی کے آخری ایام میں لکھا گیا، ۱۲

اور مسندِ افتا ، پر فائز تھے۔ شہر فرید کوٹ کی جامع مسجد کے امام و خطیب کا منصب اعلیٰ آپ ہی کے سپرد تھا۔ نہایت موثر اور دل پسند تقاریر سے عوام و خواص کو اسلام کا گرویدہ بناتے۔ بہت سے اہم مسائل جو مسلمانوں کے لئے حل کرانا مشکل تھے، آپ نے حکمتِ عملی سے والی ریاست سے حل کرائے۔

مسلمان تو مسلمان غیر مسلم بھی آپ کا بے حد احترام کرتے۔ آپ کے ارشاد پر ہر ایک مذہب و مسلک کے لوگوں نے تعصب کو بالائے طاق رکھا۔ معمولاتِ زندگی کو یگانگت، محبت اور خلوص و ایثار کا جامہ پہنایا اور فرقہ وارانہ فساد کا بیج تک پیدا نہ ہونے دیا۔

قاضی صاحب مدظلہ، کے دادا جان حضرت مولانا محمد رکن الدین قاضی علیہ الرحمہ بہت بلند ہمت انسان تھے۔ علوم و فنونِ اسلامیہ میں اپنی مثال نہیں رکھتے تھے۔ اہل سنت و جماعت کی ترویج و اشاعت، تعمیر و ترقی کے لئے بڑی جدّ و جہد فرماتے، یہاں تک کہ والئی ریاست نے غیر مقلدین کی شرارتوں سے تنگ آکر آپ کے ایماء پر مسئلہ تقلید پر تاریخی مناظرہ کرایا جس میں حکم کے فرائض ایک، صاحبِ علم غیر مسلم نے انجام دیئے اور میدان اہل سُنت کے ہاتھ رہا اور وہابیہ کی کمر ٹوٹ گئی۔ اس مناظرے میں احناف کی طرف سے مناظر حضرت مولانا ولی محمد جالندھری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تھے۔ اس مناظرے کی روئداد ابحاث فرید کوٹ کے نام سے اسی زمانے میں چھپ گئی تھی۔ مولانا غلام دستگیر قصوری رحمۃ اللہ علیہ نے ضمیمۂ ابحاثِ فرید کوٹ کے نام سے ایک کتاب لکھی، اس وقت یہ دونوں کتابیں نایاب ہیں۔

مولانا محمد عبد الحکیم قاضی مدظلہ کی پیدائش ایسے سال ہوئی، جو بعد میں تاریخی حیثیت سے یاد کیا جانے لگا، یعنی مسلم لیگ کی تشکیل سنہ ۱۹۰۶ء میں ہوئی۔ اتفاق سے اسی سال جناب قاضی صاحب اس دُنیائے ہست و بُود میں تشریف لائے۔ یہی وہ سال ہے جس کو شیخ الاسلام والمسلمین حضرت الحاج الحافظ خواجہ محمد قمر الدین سیالوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ولادت باسعادت کا

شرف نصیب ہوا۔ حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اکابر تحریکِ پاکستان میں بلند مقام رکھتے ہیں۔ اسی طرح میرے ممدوح حضرت مولانا محمد عبدالحکیم قاضی مدظلہ کو بھی اسی تاریخی سال سے ولادت کی نسبت حاصل ہے۔ بالفاظِ دگر یوں کہا جائے کہ قاضی صاحب اور مسلم لیگ توأم (جڑواں) ہیں، تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہوگا، لہٰذا آپ اس اعتبار سے بھی ایک تاریخی انسان ٹھہرتے ہیں۔

حضرت قاضی صاحب مدظلہ کی آنکھ علمی، دینی و رُوحانی خانوادہ میں کھُلی تھی۔ بنائً علیہ آپ کی تعلیم و تربیت بھی اسی نہج پر ہوئی۔ دینی علوم کی تحصیل کے ساتھ ساتھ جدید تعلیم کو بھی باقاعدہ جاری رکھا۔ یہاں تک کہ آپ نے ۱۹۲۴ء میں میٹرک کا امتحان اعلیٰ پوزیشن پر پاس کیا اور پھر ترقی کی منازل طے کرتے کرتے ایم۔اے کی ڈگری بھی عمدہ پوزیشن میں پائی۔ میٹرک کے بعد آپ نے سلسلۂ تدریس شروع کر دیا تھا۔ بے شک آپ کے رفقاء آپ کی طرح ہونہار، قابل، محنتی اور اسلام سے محبت، تبلیغ سے عشق رکھنے والے تھے، مگر ان تمام میں جو درد و عشق کی دولت آپ کو نصیب تھی، وہ اوروں میں کہاں؟ اس کا سبب خاندانی مبلّغین کی کاوشیں تھیں اور ان کاوشوں کا نہایت عمدہ ثمر آپ کی صورت میں اسی عالی مرتبت خاندان کو اللہ تعالیٰ نے مرحمت فرمایا:

حضرت قاضی صاحب مدظلہ کی زندگی عملاً، قولاً، فعلاً تبلیغ سے عبارت ہے۔
—— جب تک تعلیم و تدریس سے متعلق رہے، احسن پیرایہ میں تبلیغ کے فرائض انجام دیتے رہے اور ریٹائرمنٹ کے بعد تو مزید فراغت تھی۔ چنانچہ جس طرح بھی ممکن ہوا تبلیغ کو وسعت دیتے گئے، حتیٰ کہ عمر کے اس حصّہ میں جب قویٰ مضمحل ہوئے، جسم بظاہر کمزور ہوا، بآسانی چلنا دشوار نظر آیا، تو قرطاس و قلم کو اپنے مشن میں ممد و معاون پایا۔ جس کی گھٹّی میں تبلیغ پڑی، جس کا دامنِ زندگی تبلیغ سے پیوستہ ہو، جس کا اوڑھنا بچھونا تبلیغ ہو، اُس کو اعصاب ایسے مقدّس مشن سے کیسے باز رکھتے ہیں۔ آج جب اس خاموش مبلّغ

کی حالت کو دیکھتے ہیں، تو رشک آتا ہے۔ خدایا !! ایسے مقدس اور پاکیزہ انسان کے ذوق و شوق کا ذرہ ہمیں بھی عطا فرما تاکہ تبلیغ ایسے اہم فرض سے عہدہ برآ ہو سکیں۔

قاضی صاحب نے حال ہی میں قومِ مسلم کی حالت سدھارنے کے لئے چار حصص پر مشتمل ایسا تبلیغی نصاب ترتیب دیا ہے، جس کا ہر حصہ اس قابل ہے کہ پاکستان کا ہر باشندہ صحیح اسلامی تعلیم اور تاریخی حقائق سے واقف ہونے کے لئے مطالعہ کرے۔

قاضی صاحب کی یہ قلمی تبلیغ، کتابی صورت میں شائع ہو چکی ہے اور لطف کی بات ہے کہ آپ کی تمام تبلیغی کتب جو تقریباً چھ سو صفحات پر مشتمل ہیں، صرف پندرہ روپے میں دستیاب ہیں۔

دل چاہتا ہے کہ اس نہایت بلند کردار انسان کے تفصیلی حالات قلمبند کئے جائیں مگر طوالت کے خوف کے پیشِ نظر آپ کی آخری آرزو قارئین کرام کے سامنے رکھتا ہوں، جس سے آپ خود اندازہ لگائیں کہ اس خاموش مبلّغ کو قوم و ملّت، دین و مذہب کی تعمیر و ترقی، ترویج و اشاعت کا کتنا شوق ہے، کتنی محبت ہے اور کتنا عشق ہے ؟

آپ فرماتے ہیں: میری آخری آرزو ہے کہ میری موت آئے، تو تبلیغ کرتے ہوئے آئے !! اللہ اکبر! اور آج جب آپ صاحبِ فراش ہیں، تو خدا تعالیٰ کی عبادت، حضور نبی اکرم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی ذاتِ اقدس پر محبت و عشق سے ہدیۂ صلوٰۃ و سلام اور بسترِ علالت پر ہی قلم و قرطاس سے مصروفِ تبلیغ ہیں۔

مولیٰ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ موصوف کو اپنی رحمت سے نوازتے ہوئے صحتِ کاملہ عاجلہ مرحمت فرمائے۔ آمین ثم آمین بجاہِ سیّدِ طٰہٰ و یٰس صلّی اللہ تعالیٰ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلّم !

آہ ـــــــ محمد عبدالحکیم قاضی ایم اے رحمۃ اللہ علیہ

راقم ایک عرصہ سے معمول کے مطابق ۳۰ اکتوبر ۱۹۸۷ء کو نماز جمعہ کے بعد بودلہ ہاؤس، چوہان روڈ، اسلام پورہ، لاہور، حضرت قاضی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ سلام عرض کر کے خیریت دریافت کی اور پوچھا: کیا طبیعت میں کچھ تبدیلی پیدا ہوئی ہے؟ فرمایا ہاں! پوچھا: کیا تبدیلی ہوئی ہے؟

کہنے لگے:

یہ احساس تیز تر ہوتا جا رہا ہے کہ تبلیغِ اسلام کے سلسلے میں کچھ کام نہ ہو سکا۔ اللہ تعالیٰ صحت عطا فرماتا، تو میرے بہت سے پروگرام تھے۔ لیکن کیا کروں؟ علالت نے چلنے پھرنے سے بھی روک رکھا ہے۔

راقم نے کہا: آپ نے علالت کے باوجود کئی تبلیغی اور نصابی قسم کی کتابیں لکھی ہیں۔ پھر انہیں اپنے خرچہ پر چھپوا کر تقسیم بھی کیا ہے۔ یہ وہ کام ہے جس کی طرف اچھے اچھے علماء کی توجہ بھی نہیں ہوتی۔

آپ کی تصنیف اسلامی نصاب کے چار حصے چھپ چکے ہیں۔ ایک نئی کتاب تکملہ کی کتابت میرے پاس موجود ہے، اس کی پروف ریڈنگ مولانا محمد منشا تابش قصوری مدظلہ نے کی ہے اور اس پر ابتدائیہ بھی لکھا۔ ابتدائیہ پڑھ کر سنایا، تو چہرے پر بشاشت کی لہر دوڑ گئی۔ کہنے لگے: اس میں ذکرِ خیر الانام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی ہے یا نہیں؟ میں نے کہا: ابھی دیکھ کر عرض کرتا ہوں۔ کہنے لگے:

"دیکھو! حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکرِ خیر اس کتاب میں موجود ہو تو میں اطمینان کے ساتھ اس دُنیا سے رُخصت ہو سکوں گا۔"

اِس کے علاوہ بھی کئی باتیں ہوئیں اور جب اجازت طلب کی تو کہنے لگے:

"دل تو نہیں چاہتا، لیکن آپ جانا چاہتے ہیں تو ٹھیک ہے۔"

میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ یہ ان سے آخری ملاقات ہے۔ دوسرے دن ۷ر ربیع الاوّل، ۳۱ر اکتوبر ۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۷ء بروز ہفتہ، قاضی صاحب کے مخلص احباب میں سے جناب عبد الغفور صاحب نے ٹیلی فون پر بتایا کہ رات ۱۱ بجے قاضی صاحب اِس دارِ فانی سے رخصت ہو گئے ہیں، دل دھک سے رہ گیا اور بے ساختہ زبان سے نکلا: اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ٥

قاضی صاحب جامع مسجد، عمر روڈ، اسلام پورہ، لاہور کی انتظامیہ کے صدر تھے ہفتہ کے روز نمازِ عصر کے بعد اسی مسجد کے پہلو میں نمازِ جنازہ ادا کی گئی۔ جمِّ غفیر نے حضرت شیخ القرآن مولانا علامہ غلام علی اوکاڑوی مدظلہ کی امامت میں نمازِ جنازہ ادا کی اور سانده کے قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔

رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی رَحْمَۃً وَّاسِعَۃً۔

محمد عبد الحکیم شرف قادری
جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

۹ر ربیع الآخر ۱۴۰۸ھ
یکم دسمبر ۱۹۸۷ء

غوثِ زماں حضرت خواجہ عبدالرحمٰن چھوہروی قدس سرہ العزیز

ویسے تو اہل دل کو پہچاننا ہر کس و ناکس کا کام نہیں ہوتا، کیونکہ ان کے ہاں نہ تو تخت و تاج ضروری ہوتا ہے نہ جاہ و حشم۔ ان کے نزدیک نہ تو مال و دولت کی کچھ وقعت ہوتی ہے نہ بلند و بالا پختہ عمارتوں کی۔ وہ صف بستہ سرو قد غلاموں اور تنخواہ دار دربانوں سے قطعاً بے نیاز ہوتے ہیں، کیونکہ خلقِ خدا کے ساتھ ان کے تعلقات رسمی اور ظاہری نہیں، بلکہ حقیقی اور باطنی ہوا کرتے ہیں۔ ان کے تعلقات تصنّع اور بناوٹ کے پردوں سے یکسر عاری ہوتے ہیں۔ عام لوگوں کی طرح وہ روٴسا اور سلاطین کے سامنے جھکنا نہیں جانتے، بلکہ بادشاہ اُن کے دربار کی حاضری کو سعادت تصور کیا کرتے ہیں، سچ ہے۔ ع

فقر ہے میروں کا میر، فقر ہے شاہوں کا شاہ (اقبالؒ)

تاہم ان حضرات کو اخلاق و کردار کی بلندی سے پہچاننا کچھ مشکل نہیں ہوتا، وہ اپنے پاکیزہ اخلاق ہی سے مخلوقِ خدا کو اپنا گرویدہ بنا لیتے ہیں۔ دینِ متین کی خدمت سے متعلق کارہائے نمایاں سے بھی ان کی شناخت کی جا سکتی ہے۔ یہ لوگ کبھی مساجد کی تعمیر میں مصروف ہوتے ہیں، تو کبھی دینی مدارس کی بنیادیں اُٹھا رہے ہیں تاکہ لوگ دینِ اسلام کے ان مرکزوں سے فیض یاب ہو کر خود راہِ راست سے آشنا ہوں اور دوسروں کی ہدایت کا سامان بنیں۔ شریعتِ مقدسہ کی اتباع اس قدر غالب ہوتی ہے کہ نبی عربی، آقائے مدنی صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی پیروی سے سرِ مو انحراف کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ دین و مذہب سے بے پناہ لگاؤ کے پیچھے کارفرما قوت محبوبِ خدا سرورِ ہر دو سرا صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی وہ محبّت و اُلفت ہوتی ہے

جوان کے دلوں میں جاگزیں ہوتی ہے، اسی لئے تو وہ روز و شب لوگوں کو اس محبّت سے آشنا کرتے رہتے ہیں، یہی ان کا مقصدِ زیست ہوتا ہے اور یہی سرمایۂ حیات۔

غوث زماں حضرت خواجہ عبدالرحمٰن چھوہروی رحمہ اللہ تعالیٰ میں یہ تمام صفات بدرجہ اتم پائی جاتی تھیں، اسی لئے باوجودیکہ آپ کو پردہ فرمائے عرصہ گزر چکا ہے، مغربی پاکستان تو کجا مشرقی پاکستان کے بے شمار لوگوں کی محبّت وعقیدت کا آپ مرکز ہیں اور اب بھی ہزاروں لوگ آپ کے جُود وکرم سے فیض یاب ہو رہے ہیں۔

آپ نسب کے لحاظ سے علوی، مشرب کے لحاظ سے قادری اور مسلک کے اعتبار سے سُنّی حنفی تھے۔ آپ کی ولادت باسعادت ہری پور کے شمال مغرب میں ایک میل سے کچھ کم فاصلے پر واقع دیہات چھوہر شریف میں تقریباً ۱۲۶۲ھ میں ہوئی۔

آپ کے والدِ ماجد حضرت سید المحبین، رئیس الاصفیاء، پیکرِ زہد و مجد حضرت خواجہ شیخ فقیر محمد المعروف بہ خواجہ خضری رحمہ اللہ تعالیٰ نہایت متقی، پرہیزگار اور صاحبِ کرامت بزرگ تھے۔ جوانی کا عالم تھا آپ رات گئے وقت محبّت ومعرفت کے کچھ اشعار پُر درد اور پُرسوز آواز میں پڑھ رہے تھے، کیا دیکھتے ہیں کہ ایک شخص بزرگ صورت اور نیک سیرت بہترین لباس پہنے ہوئے آپ کے سامنے جلوہ افروز ہیں، انہوں نے فرمائش کی کہ کچھ اور اشعار سنائیں۔ آپ نے حکم کی تعمیل کی، تو وہ بزرگ فرمانے لگے مجھے پہچانتے ہو؟ عرض کی: میں آپ کو پہچان نہیں سکا۔ انہوں نے فرمایا: میں خضر ہوں اور تمہاری خوش آوازی سُن کر تمہارے پاس آیا ہوں، آئندہ بھی آیا کروں گا، چنانچہ حضرت خضر علیہ السّلام کی آمد و رفت شروع ہو گئی اور ان کی توجہ اور شفقت سے آپ ولایت کے بلند مدارج پر فائز ہو گئے، اسی لئے آپ کا لقب خواجہ مشہور ہو گیا اور خواجہ خضری ہی کے ارشاد کے مطابق آپ نے اپنے شیخ طریقت پیرِ ہدایت حضرت شیخ محمد النور شاہ صاحب گنجھتروی مظفر آبادی رحمہ اللہ تعالیٰ کے دست حق پرست پر بیعت ہو گئے۔ حضرت خواجہ خضری

صبح و شام جب اپنے پیر و مرشد کے ساتھ سیر کے لئے جاتے، تو حضرت شیخ المشائخ شیخ محمد انور شاہ صاحب آپ کے ساتھ ساتھ چلتے، آگے نہ چلتے تھے، کسی مرید نے اس کی وجہ دریافت کی، تو آپ نے فرمایا کہ یہ درویش اس وقت کا غوثِ اعظم ہے، اس لئے میں ان کے ساتھ آگے نہیں چلتا اور چونکہ قسمتی سے میں ان کا پیر بن گیا ہوں، اس لئے یہ ادباً مجھ سے آگے نہیں چلتے۔

ابھی حضرت خواجہ عبد الرحمٰن چھوہروی قدس سرہ کی عمر شریف آٹھ سال ہی تھی کہ والدِ مکرم حضرت خواجہ خضری کا ظاہری سایہ آپ کے سر سے اُٹھ گیا۔ اسی بچپن اور ارجمندی کے دَور میں آپ کو ایک عجیب چلہ طے کرنے کا خیال پیدا ہوا جس کا مقصد جسمانی کدورتوں اور آلائشوں کی تطہیر تھی، چنانچہ آپ اپنے مکان میں گوشہ نشین ہو کر، اوراد و وظائف میں مشغول ہو گئے۔ کھانا پینا بند تھا، ہر روز آپ خون کی قے کرتے۔ جب جسمانی کدورتوں کا صفایا ہو گیا، تو آپ کو قے میں پانی آنا شروع ہو گیا۔ یوں چلہ پایۂ تکمیل کو پہنچا، اور آپ کے دل و دماغ کو لطافت و نورانیت حاصل ہو گئی۔

ان دنوں حضرت اخون صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا بڑا چرچا تھا، آپ کے دل میں پیرِ کامل کی تلاش کے شوق نے انگڑائی لی۔ چنانچہ آپ اپنے چند رفقا سمیت حضرت اخون صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے دربارِ عالی میں سیدو شریف (سوات) حاضر ہوئے، وہاں خلق کا بے پناہ ہجوم تھا۔ بڑے بڑے پٹھان ایک نظر دیدار کی کوشش کرتے، مگر ناکام رہتے۔ اس صورتِ حال کو دیکھ کر آپ کے رفقاء نے گزارش کی کہ ہمارے لئے حضرت کی زیارت بہت مشکل ہے، اس لئے یہی بہتر ہے کہ واپس چلیں، اسی پس و پیش میں رات گزر گئی۔ صبح کے وقت احباب نے واپسی کے لئے گزارش کی، تو آپ نے فرمایا، ہمیں کچھ انتظار کرنا چاہیے، کیونکہ حضرت اخون صاحب چاشت کے وقت

اپنی مسجد کی سیڑھی پر تشریف فرما ہوتے ہیں اور مشتاقانِ زیارت کو دیدار کراتے ہیں۔ نزدیک سے نہ سہی، چلو دُور ہی سے ایک نظر زیارت کر لیں گے۔ ادھر خادم نے حضرت اخون صاحب کا دروازہ کھولا، تو آپ نے فرمایا کہ ان لوگوں میں ضلع ہزارہ کا ایک آدمی ہے، اُسے بلا لاؤ۔ چنانچہ خدّام نے اعلان کیا کہ ہزارہ کا کوئی آدمی ہو تو آگے آ جائے۔ حضرت نے انہیں یاد فرمایا ہے۔ آپ کے ساتھیوں نے عرض کی کہ آپ فرمائیں میں ہزارہ کا باشندہ ہوں۔ ملاقات اور زیارت کا یہ بہت اچھا موقع ہے۔ آپ نے فرمایا ضلع ہزارہ کے یہاں بہت آدمی ہوں گے ہم کس شمار میں ہیں کہ حضرت اخون صاحب نے ہمیں یاد فرمایا ہو۔ چنانچہ آپ خاموش رہے، لیکن حضرت اخون صاحب کے خادموں نے آپ کو تلاش کر ہی لیا۔ جب خادم آپ کو حضرت اخون صاحب کے دربار میں لے گئے، تو حضرت اخون صاحب نے پشتو میں تین دفعہ فرمایا: دَغہ دے یہی وہ شخص ہے جس کی مجھے تلاش تھی۔ حضرت اخون صاحب نے فرمایا: دُعا کریں۔ حضرت خواجہ صاحب نے ہاتھ اٹھائے تو اِس قدر بوجھ محسوس ہوا کہ گویا ساتوں آسمان اوپر رکھ دیئے گئے ہیں اور جب دُعا سے فارغ ہوئے، تو وہ بوجھ فرحت و انبساط میں تبدیل ہو گیا، سچ ہے ؎

یک زمانہ صحبتِ با اَولیا — بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

حضرت اخون صاحب نے آپ سے پوچھا کہ رات کو خواب میں کچھ دیکھا؟ عرض کیا، وہ جگہ دیکھی ہے جہاں چلّہ کیا کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: وہیں رہیں، آپ کے پیرو مرشد وہیں آ کر بیعت فرما لیں گے۔ نیز اخون صاحب نے فرمایا: آئندہ ایسا چلّہ نہ کریں، اگر موت واقع ہو جاتی، تو اس کا ذمّہ دار کون ہوتا؟ چنانچہ آپ واپس تشریف لے آئے اور کچھ دنوں بعد گوکڑہ شریف، خواجہ حضرت فضل الدین صاحب قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا حضرت اخون صاحب کے فرمان پر اعتبار نہیں

آیا کہ آپ کا مُرشد خود آپ کے گھر آکر بیعت کرلے گا۔ آپ نے فرمایا: حضرت! میں آپ کی زیارت کے لئے حاضر ہوا ہوں اور بس! چنانچہ آپ واپس تشریف لاکر یادِ حق میں مصروف ہو گئے۔

کچھ دنوں بعد بادشاہِ ولایت، مُرشدِ برحق حضرت شیخ یعقوب شاہ صاحب گنجھتروی قدس سرہ کشمیر سے تشریف لاکر رونق افروز ہزارہ ہوئے اور خاص چھوہر شریف تشریف لاکر دریافت فرمایا کہ یہاں کوئی بچہ عبدالرحمٰن نامی ہے؟ لوگ آپ کو حضرت خواجہ چھوہروی قدّس سرہ، کے عبادت خانہ میں لے گئے۔ آپ نے حضرت شاہ صاحب کا پُرتپاک استقبال کیا اور یہیں حضرت شاہ صاحب کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے۔ حضرت شاہ صاحب نے بیعت کے بعد آپ کو خصوصی توجہات اور عنایات سے نوازا اور یُوں ایک کامل پیر اور مرید صادق کا کبھی نہ ٹوٹنے والا تعلق استوار ہو گیا۔

آپ نے سوائے قرآن مجید پڑھنے کے باقی علوم حاصل کرنے کے لئے کسی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ نہیں کیا، لکھنے کا طریقہ اور تمام علوم اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرما دیئے، نہ صرف علومِ ظاہری، بلکہ علومِ باطنی اور علم معرفت سے نوازا اور بچپن میں ہی مرتبۂ ولایت پر بھی فائز فرما دیا۔

حلیہ مُبارک

آپ کا قد مُبارک درمیانہ، چہرہ خوبصورت، رنگ گندم گوں، ملاحت آمیز اور دل کش تھا، کینے سے پاک سینہ، وسیع اور مضبوط۔ آنکھیں خوبصورت اور مست تھیں، ان میں بلا کا خمار تھا، ان میں لال ڈورے تو اور بھی حُسن و دلکشی میں اضافے کا باعث تھے۔ ڈاڑھی مُبارک گنجان، سفید، اور بے حد حسین تھی۔

عادات و اطوار

آپ کی زندگی سادگی سے بھرپور تھی۔ رہائش کے مکان کچے تھے اور وہ بھی اس حالت میں کہ بارش ہوتی تو باہر پانی کم اور مکان کے اندر زیادہ ہوتا۔ اہل خانہ رات کو سو رہے ہوتے اور آپ پانی نکالنے میں مصروف ہوتے۔ آپ کا لباس بھی نہایت سادہ ہوتا، اکثر موٹا کھدر استعمال فرماتے۔ علماء و فقراء کی بے حد تعظیم کیا کرتے تھے۔ جب کوئی اہلِ فقر یا اہل علم و فضل آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو آپ تعظیماً اٹھ کھڑے ہوتے اور بے حد محبت و عزت سے پیش آتے۔ خلق خدا کی ملاقات کے لئے آپ کا دروازہ ہر وقت کھلا ہوتا۔ کھانے پینے کے لئے جو کچھ مہمانوں اور مسافروں کو پیش کرتے، وہی خود تناول فرماتے، کھانے پینے کی چیزیں خود گھر سے اٹھا کر لاتے اور مہمانوں کو خود کھلاتے۔

طلبہ کے بارے میں بہت ہی خیال رکھتے تھے، خود اُن کی خدمت کرنے میں عار محسوس نہ فرماتے۔ یہ خود اُن کی بلندی اور عظمت کی دلیل تھی۔ ایک دفعہ رات کو بارش ہو رہی تھی۔ چھوہر شریف سے طلباء کا کھانا لے کر مدرسہ کی طرف (جو کہ تقریباً چھوہر شریف سے ایک میل سے کچھ کم فاصلے پر واقع ہے) تشریف لا رہے تھے کہ راستے میں ایک نالے پر سے آپ کا پاؤں پھسل گیا، کپڑے پانی سے تر ہو گئے۔ روٹیوں اور ترکاری کی حالت بھی عجیب تھی۔ آپ اسی حالت میں واپس آتے اور کھانا پھر تیار کروایا، ایسے حالات میں اپنی تکلیف کا خیال نہ تھا۔ احساس تھا تو صرف اس بات کا کہ طلباء کو بھوک ستا رہی ہوگی اور وہ منتظر ہوں گے۔ اسے کہتے ہیں تصوّف اور صُوفیت۔۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہ فرماتے ہیں ؎

تصوّف بجز خدمتِ خلق نیست   بہ تسبیح و سجّادہ و دلق نیست

حُبِّ مُصطفٰے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلّم

آپ کے تمام کمالات کا منبع اور سرچشمہ محبوبِ خدا سرورِ ہر دو سرا رحمتِ عالم نُورِ مجسّم صلّی اللہ تعالٰی علیہ وسلّم کی وہ محبت تھی، جو آپ کے دل و دماغ میں جاگزیں تھی بلکہ آپ کے رگ و ریشے میں سرایت کر چکی تھی، آپ کے شب و روز یادِ حبیب صلّی اللہ علیہ وسلّم میں بسر ہوتے تھے۔ مریدین اور متعلقین کو بھی یہی بتایا جاتا کہ آقا و مولا، مدنی تاجدار، احمدِ مختار صلّی اللہ تعالٰی علیہ وسلّم کی محبت اور تعظیم ہی سرمایۂ حیات ہے اور آپ کی محبت ہی دین و ایمان کی جان ہے۔ حضور پُر نور شافع یوم النشور صلّی اللہ تعالٰی علیہ وسلّم کی محبت جتنی زیادہ ہوگی، اللہ تعالٰی پر ایمان اتنا ہی پختہ ہوگا اور اللہ تعالٰی کی فرمانبرداری اور اطاعت کا جذبہ اتنا ہی فزوں ہوگا۔

تصنیفات

باوجود اس کے کہ آپ نے علومِ ظاہریہ کسی سے حاصل نہیں کئے تھے، لیکن خداداد علمِ لدنّی کی بناء پر آپ نے بعض نہایت اہم کتب بھی تصنیف فرمائیں۔ چند ایک کے نام ملاحظہ ہوں:

(۱) صلوٰۃ الکبرٰی شریف المعروف درود ہزارہ
(۲) صلوٰۃ العظمٰی شریف (عربی)
(۳) سیاف شرح چہل کاف شریف، پنجابی اشعار میں
(۴) شرح اسماء حسنٰی شریف
(۵) شرح جامع ترمذی شریف
(۶) شرح ابن ماجہ (اس میں آپ نے ابن ماجہ کی اصلاح فرمائی ہے اور

براہِ راست عن عبدالرحمٰن عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم روایت کی ہے)
(۷) شیخ المشائخ حضرت خواجہ گل محمد شاہ کنگال کے پنجابی اشعار کا عربی اور فارسی شعروں میں ترجمہ۔
(۸) آپ کی مشہور ترین کتاب محیر عقول الفحول فی بیان اوصاف عقل العقول المعروف بہ مجموعہ صلوٰۃ الرسول شریف ہے
اس کے تیس پارے ہیں، ہر پارہ قرآن کریم کے پاروں سے بہت بڑا ہے۔ یہ کتاب تین ضخیم جلدوں میں چھپ چکی ہے اور دارالعلوم اسلامیہ رحمانیہ ہری پور سے ملتی ہے، اسے آپ نے بارہ سال آٹھ ماہ اور بیس دن میں پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔
کتاب کیا ہے محبت و عرفان کا دریا موجزن ہے۔ علم و فضل کا بحر ناپیدا کنار ہے، حقائق و معارف کا سرچشمہ اور کیف و سرور کا منبع ہے۔ عبارت نہایت سلیس اور شگفتہ ہے۔ قرآن و حدیث کے بے شمار اقتباسات نے اور بھی چار چاند لگا دیئے ہیں۔ مشکل کشائی اور حاجت برآری کے لئے اس کا ختم شریف بے حد مفید ہے۔ جہاں علماء عظام کے لئے اس کا مطالعہ وسعتِ معلومات کا ذریعہ ہے، وہاں اس کا وِرد صوفیائے کرام کے لئے فراوانیٔ کیفیات اور بلندیٔ درجات کا سامان ہے، چونکہ آپ کو شہرت سے بہت زیادہ نفرت تھی، اس لئے یہ عظیم کتاب آپ کی حیاتِ مبارکہ میں شائع نہ ہو سکی۔ آپ کے فرمان کے مطابق بعد از وصال چھپ کر اہلِ دل کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنی۔ وہ زندگی کتنی پاکیزہ اور مقدس ہوگی، جس کے شب و روز سراپا حسن و خوبی اور پیکرِ جمال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم پر صلوٰۃ و سلام بھیجنے میں صرف ہوتے ہوں گے۔
صلوٰۃ الرسول شریف کا ہر پارہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لامتناہی اوصافِ حسنہ، اخلاقِ فاضلہ اور فضائل و کمالات میں سے کسی نہ کسی وصف و کمال

کے بیان میں مستقل ہے، کسی میں صلوٰۃ وسلام کا بیان ہے، تو کسی میں آپ کے بدن مُبارک اور اعضائے شریفہ کا ذکر ہے، کسی میں آپ کے لباس کی تفصیل ہے، تو کسی میں آپ کے حسب ونسب کا تذکرہ ہے، چنانچہ پہلے پارے میں حضور نبی اکرم، نورِ مجسّم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور وظہور کا بیان ہے۔ کچھ آپ بھی سُنیں اور لُطف حاصل کریں۔

اَللّٰھُمَّ صلِّ علیٰ سیّدنا محمّد عبدك ورسُولك وحبیبك النّبیّ الا مّیّ الّذی خلق من نور فمن عرقِ راسه خلق الملائکة ومن عرق وجهه خلق العرش والکرسی واللوح والقلم والشمس والقمر وما کان فی السّمآء من الحجاب والکواکب المضی ومن عرق صدره خلق الانبیاء والمرسلون والشهدآءِ والصّلحون وکل ولیّ وعلیٰ آله وصحبه الّذین افضلهم الصّدّیق ثم عمر ثمّ عثمان ثمّ علی من قال له جبریل لا فتیٰ الّا علیٌ وبارك وسلّم۔ (مجموعہ صلوٰۃ الرّسول پارہ اوّل صـ۱۸)

ترجمہ: اے اللہ! ہمارے آقا و مولا حضرت محمد مصطفےٰ، احمدِ مجتبےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم اپنے عبدِ خاص، رسُولِ مکرّم حبیبِ معظّم اور نبی اُمّی، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم پر لامتناہی رحمتیں نازل فرمایا، جنہیں نور سے پیدا فرمایا گیا۔ پھر آپ کے سرِ اقدس کے پسینہ سے فرشتوں کو، چہرۂ اطہر کے پسینے سے عرش، کرسی، لوح وقلم، شمس وقمر اور آسمان کے حجابات، اور تابندہ ستارے پیدا کیے گئے۔ اور آپ کے سینۂ مبارک کے پسینے سے انبیاء، ومرسلین، شہداء، وصالحین اور ہر ولی کو پیدا کیا گیا (یعنی جن کے

نورؐ سے تمام کائنات تخلیق کی گئی) نیز اپنی رحمتیں آپ کی آل اور آپ کے اصحاب پر نازل فرما، جن میں سب سے افضل ابوبکر صدّیق، پھر عمر فاروق، پھر عثمان غنی، پھر علی المرتضٰے رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں، جن کے متعلق حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نے فرمایا لَا فَتیٰ اِلَّا عَلِیٌ۔

اللّٰھمّ صلّ وسلّم علیٰ سیّدنا محمّد وعلیٰ آل سیّدنا محمّدن الذی کان القمر یحدثہ فی حالۃ الصغر (پارہ اول ص ۳۷)

ترجمہ: اے اللہ! ہمارے سیّد و سرور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کی آل پر رحمتیں نازل فرما، وہ حبیبِ مکرّم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم جن کو بچپن میں چاند بہلایا کرتا تھا۔

اعلیٰ حضرت امام اہل سُنّت مجدّد ملّت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی قدّس سرّہ العزیز فرماتے ہیں ؎

چاند جُھک جاتا جدھر انگلی اٹھاتے مہد میں
کیا ہی چلتا تھا اشاروں پر کھلونا نورؐ کا

اللّٰھمّ صلّ وسلّم علیٰ سیّدنا محمّدنِ الذی لم یزل ینتقل نورہ من الارحام الزکیۃ الفاخرۃ والارومات الشریفۃ الطاہرۃ والعناصر الطیبۃ الطاہرۃ استخرجہ اللہ رحمۃ لاھل الدّنیا والآخرۃ۔ (پارہ ۱۸ - ص ۲۵)

ترجمہ: اے بارالٰہا! اپنے محبوب اور ہمارے آقا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کی آل پاک پر رحمت وسلامتی کی بارش فرما۔ جس حبیب معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نور پاکیزہ اور قابلِ فخر شکموں، شرافت و قوّت والے

آباء اور طیب و طاہر اصول سے منتقل ہوتا رہا اور جنہیں اللہ تعالیٰ نے دُنیا و آخرت والوں کے لئے رحمت بنا کر پیدا فرمایا۔

حقیقت یہ ہے کہ مجموعہ صلوٰۃ الرّسول کو اہلِ علم و بصیرت مطالعہ کرکے حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت و عقیدت اور زبان عربی کا فقید المثال شاہکار قرار دینے پر مجبور ہو جاتے ہیں، خصوصاً جبکہ یہ امر بھی ان کے سامنے ہو کہ اس کے مصنّف نے علومِ ظاہریہ میں کسی استاد سے استفادہ نہیں کیا تھا اور اس درود شریف کی املاء اس روانی سے کرتے تھے، جیسے کوئی حافظِ قرآن پڑھ رہا ہو۔

دارالعلوم اسلامیہ رحمانیہ، ہری پور، ہزارہ

غوثِ زماں حضرت خواجہ عبدالرحمٰن چھوہروی قدس سرہ العزیز کو چونکہ دین متین سے بے پناہ لگاؤ تھا اور اس بات کا آپ کو پوری طرح احساس تھا کہ دینی درسگاہ قائم کرنے سے بہتر دین کی کوئی صورت نہیں، اس لئے جہاں آپ نے بہت سی مسجدوں کی بنیاد رکھ کر ان کی تکمیل کی، وہاں آپ دینی مدرسہ قائم کرنے کے لئے بہت بے تاب رہتے۔ نواب امب میجر سر خانی زمان خان جو آپ کے نہایت عقیدت مند تھے۔ انہوں نے اپنا ایک باغ جس میں طرح طرح کے پودے اور پھل دار درخت تھے، بطورِ ہدیہ پیش کیا، آپ نے فوراً تمام پودوں اور درختوں کو کٹوانا شروع کر دیا۔ نواب صاحب کو اطلاع ملی تو انہوں نے حاضر ہو کر عرض کی کہ میں نے یہ بہترین باغ اس لئے پیش کیا تھا کہ اس سے لنگر شریف کو فائدہ پہنچے گا۔ آپ نے یہ کیا کیا؟ کہ اس کے درخت کٹوانے شروع کر دیئے۔ آپ نے فرمایا: نواب صاحب! میں یہاں پر ایک ایسا باغ لگانا چاہتا ہوں جس کی مہک دُور دُور تک پہنچے گی اور خلقِ خدا اس سے فائدہ حاصل کرے گی۔

چنانچہ آپ نے مدرسے کی تعمیر کا کام شروع کر دیا۔ آپ خود مٹی کی کچی اینٹیں بناتے اور خود ہی دیواریں کھڑی کرتے، اس کام میں آپ اس قدر منہمک ہو جاتے کہ دوپہر کا کھانا تک نہ کھاتے، بالآخر آپ کی کوشش رنگ لائی اور طلباء کی رہائش کے لئے کچھ کچے کمرے تیار ہو گئے اس کا نام آپ نے مدرسہ اسلامیہ محمدیہ رکھا۔ اس کی بنیاد آپ نے یکم ربیع الاوّل ۱۳۲۸ھ میں رکھی جسے بعد میں دارالعلوم اسلامیہ رحمانیہ کا نام دے دیا گیا۔ یوں طلباء آنے لگے اور قرآن وحدیث کا درس شروع ہو گیا۔ آپ طلباء کو حاصل کرتے دیکھ کر باغ باغ ہو جاتے اور جب طلباء تکمیلِ علم کے بعد فارغ ہوتے تو آپ کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہتی اور آپ کا چہرہ چمک اٹھتا۔ بعدازاں دارالعلوم کی پختہ عمارت کی تعمیر میں آپ کے خلیفۂ اعظم حافظ سیّد احمد سریکوٹی رحمہ اللہ تعالیٰ کی بے انداز کوششوں کو بہت دخل ہے۔ انہی کے ذریعے حضرت خواجہ صاحب چھوہروی قدس سرہٗ کے عقیدتمندانِ چٹاگانگ نے بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا۔

تعمیرِ ثانی کی ابتداء ۱۰ محرم الحرام ۱۳۵۷ھ کو کی گئی۔ جنوب کی طرف دوسری منزل تعمیر کی گئی۔ ۱۹۶۳ء میں اُس دَور کے فیلڈ مارشل جنرل محمّد ایوب خان سابق صدرِ پاکستان جب دارالعلوم اسلامیہ رحمانیہ میں آئے تو اہالیانِ ہزارہ کے جمِّ غفیر سے خطاب کیا اور دارالعلوم کی تعمیر کے لئے ایک لاکھ روپیہ دیئے۔ اس خطیر رقم سے دارالعلوم کی شرقی دومنزلی دوہری عمارت تیار کی گئی اور جانبِ جنوب دوسری منزل کا لینٹر بنایا گیا اور پلاسٹر بھی کیا گیا۔ ایک ایکڑ رقبے میں شرقاً و غرباً پھیلی ہوئی دارالعلوم کی عمارت عجیب دلفریب منظر پیش کر رہی ہے۔ دوسری منزل کے چند کمرے پرائمری سکول کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں، جس میں ہری پور اور قرب وجوار کے سینکڑوں بچے تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ باقی

کمروں میں بیرونی طلباء مثلاً آزاد کشمیر، مظفر آباد، مانسہرہ، ایبٹ آباد، سرگودھا ساہیوال، ڈیرہ اسماعیل خان وغیرہ کے طلباء حفظِ قرآن اور علومِ دینیہ کی تحصیل میں مصروف ہیں۔ شب و روز قَالَ اللہُ وَ قَالَ الرَّسُوْلُ (جل و علا، وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی صدائیں بلند ہوتی ہیں، جن سے یقیناً حضرت خواجہ عبدالرحمٰن چھوہروی قدس سرہ کی روحِ انور کو خوشی ہوتی ہوگی۔

اللہ تعالیٰ غوثِ زماں حضرت خواجہ عبدالرحمٰن چھوہروی قدس سرہ العزیز کے فیض کے اس سرچشمے کو جاری رکھے۔ اراکین و معاونینِ مدرسہ کو دینِ متین کی زیادہ سے زیادہ خدمت و اشاعت کی توفیق عطا فرمائے ؎

این دُعا از بندہ آمین از ملک
پوزش از بغداد اجابت از فلک (امام احمد رضا قدس سرہ)

آپ کا وصال تقریباً اسّی ۸۰ سال کی عمر میں یکم ذوالحجہ ۱۳۴۲ھ بروز شنبہ بعد از نماز مغرب ہوا۔ آپ کا مزارِ انور چھوہر شریف میں اب بھی مرجع خلائق ہے۔ آپ کے سالانہ عرس میں دُور دراز کے لوگ بکثرت شریک ہوتے ہیں۔

یہ مقالہ رسالہ نورُ الانوار کی ابتدا میں ہری پور ہزارہ سے شائع ہوا

امام القراء مولانا القاری المقری عبدالرحمٰن مکّی رحمہ اللہ تعالیٰ

(مصنّف فوائدِ مکیّہ)

علماء ربّانییّن نے قرآن مجید کے مطالب و معانی، صیغ و الفاظ، اعراب و بناء رسم الخط، طُرُقِ اداء اور قراءاتِ مختلفہ کے تحفظ اور محاسن و محامد، احکامِ ظاہرہ اور اشاراتِ باطنہ کے اُجاگر کرنے کے لئے بے شمار علوم و فنون ایجاد کئے، جن سے ملّتِ اسلامیہ قیامت تک راہنمائی حاصل کرتی رہے گی۔ علمِ تجوید انہی علوم میں سے ایک اہم علم ہے، جس کا تعلّق حروف کے مخارج اور ان کی صفات سے ہے، ویسے تو اس علم پر عبور حاصل کر کے جملہ الفاظ کا صحیح تلفّظ کیا جا سکتا ہے، لیکن اوّلین مقصود یہ ہے کہ کلام مجید کی ادائیگی پر قدرت حاصل ہو جائے۔

اساتذۂ فن نے اپنی زندگیاں اس علم شریف کی خدمت میں صرف کر دیں جس کے نتیجے میں یہ علم موجودہ صُورت میں نظر آ رہا ہے، ہمارے لئے ان حضرات کے احسانِ عظیم سے عہدہ برآئی ممکن نہیں۔

متحدہ ہندوستان کے آخری دَور میں اس علم کی ترویج و اشاعت پانی پت کے اساتذہ مولانا قاری عبدالرحمٰن صاحب پانی پتی اور ان کے تلامذہ کے ذریعے سے خوب خوب ہوئی اور دوسری طرف استاذ الاساتذہ الاستاذ مولانا قاری عبدالرحمٰن صاحب الٰہ آبادی مصنّف فوائدِ مکیّہ اور اُن کے تلامذہ نے اس فن کو فروغ بخشا۔

قاری عبدالرحمٰن صاحب کے والد ماجد حاجی محمّد بشیر خان کے چار صاحبزادے تھے: (۱) حضرت اُستاذ المجوّدین مولانا قاری عبداللہ صاحب مدرّس مدرسہ صولتیہ مکّہ مکرّمہ (۲) مولانا قاری نور محمد صاحب (۳) مولانا قاری حبیب الرحمٰن صاحب (۴) منبع العلوم والفنون مرجع المجوّدین والفاضلین مولانا قاری عبدالرحمٰن صاحب رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین۔

جناب حاجی محمد بشیر خان صاحب کانپور میں تھے کہ مولانا غلام حسین صاحب کی مسجد کی منڈیر سے گر پڑے۔ دو دن بیہوش رہنے کے بعد جلیل القدر قرآء کے والد ماجد اپنے ربِّ کریم کے حضور حاضر ہو گئے۔

۱۸۵۷ء میں باشندگانِ ہند نے بھرپور کوشش کی کہ انگریزی استعمار کا خاتمہ کر دیا جائے اور تجارت کے بہانے آکر مسلط ہو جانے والی حکومت سے گلو خلاصی کرا کے تحریکِ آزادی کے لئے راہ عمل متعین کی جائے۔ اس تحریکِ آزادی میں مسلمانوں نے بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا۔ افواج، علماء، شعراء، مشائخ، تُجّار اور عوام نے ہر ممکن طریقے سے اس تحریک کو کامیاب بنانے کی کوشش کی۔ علمائے اہل سنّت و جماعت نے اس تاریخ ساز جدو جہد میں نمایاں کردار ادا کیا۔ یہ صحیح ہے کہ یہ تحریک کامیابی سے ہمکنار نہ ہو سکی، لیکن مجاہدین آزادی نے ایک ایسی راہ متعین کر دی تھی، جس پر چلتے ہوئے ملّتِ اسلامیہ پاکستان ایسی عظیم الشان مملکت تک پہنچ گئی۔

انگریز نے جب اپنا اقتدار دوبارہ بحال کر لیا، تو عوام و خواص پر وہ مظالم ڈھائے جن کے تصور ہی سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ہزاروں علماء و مجاہدین کو پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔ جائیدادیں ضبط کیں، ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کالے پانی بھیج دیا گیا۔ درندگی اور بہیمیت کا ایسا مظاہرہ کیا کہ شرم و ندامت سے انسانیت کا سر جھک گیا۔ جن لوگوں پر انگریز دشمنی کا ذرا سا شبہ بھی ہو جاتا، انہیں گولی کا نشانہ بنا دیا جاتا یا توپ سے اڑا دیا جاتا۔

اسی دورِ رستاخیز میں بہت سے لوگ ترکِ وطن پر مجبور ہو گئے۔ حاجی محمد بشیر خان صاحب اہل و عیال سمیت ہجرت کر کے مکّہ مکرّمہ چلے گئے، وہیں آپ کے صاحبزادوں نے مدرسہ صولتیہ میں علمِ تجوید حاصل کر کے اس فن میں کمال حاصل کیا۔ مدرسہ صولتیہ کی بنیاد مولانا رحمت اللہ کیرانوی مہاجر مکی مصنّف اظہار الحق متوفی ۲۲ رمضان المبارک ۱۳۰۸ھ نے رکھی تھی جس میں مصر وغیرہ کے جلیل القدر قرّا کی خدمات حاصل کی گئی تھیں۔ اس دار العلوم سے فارغ ہونیوالے پہلے گروپ میں مرجع القرّاء والمجوّدین حضرت مولانا قاری محمد عبد اللہ صاحب

رحمہ اللہ تعالیٰ مہاجر مکیؒ ابن حاجی محمد بشیر خان بھی شامل تھے۔ مولانا قاری محمد عبداللہ صاحب نے کتبِ درسیہ کی تکمیل مولانا احمد حسن کانپوری متوفی ۱۳۲۲ھ سے کی تھی۔

قاری عبدالرحمٰن صاحب نے بھی یہیں تعلیم حاصل کی۔ زیادہ تر استفادہ اپنے برادرِ مکرم مولانا قاری محمد عبداللہ صاحب سے کیا۔ قاری صاحب کے پاس قرأت کی ایک نادر سند بھی تھی جو آپ کو علامۃ اجل اُستاذ العلماء مولانا محمد غازی صاحب قدس سرہ المتوفی ۱۹۳۹ء نے عطا فرمائی تھی۔ اس سند کی خصوصیت یہ تھی کہ مولانا محمد غازی صاحب اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے درمیان صرف گیارہ واسطے تھے۔ دراصل اس سند میں ایک طویل العمر صحابی جنّ تھے۔ قاری صاحب کے تلمیذِ ارشد مولانا قاری محبوب علی صاحب نے بھی اُستاذ العلماء مولانا غازی صاحب سے یہ سند حاصل کی تھی۔ قاری عبدالمالک صاحب لاہور سے گولڑہ شریف اس سند کے حصول کے لئے آئے تھے، مگر انہیں اس مقصد میں کامیابی نہ ہوسکی۔ حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن صاحب مکیؒ قدس سرہٗ فراغت کے بعد کچھ عرصہ مدرسہ صولتیہ مکّہ مکرّمہ میں تدریس فرماتے رہے۔ پھر ہندوستان چلے آتے اور زیادہ تر مدرسہ احیاء العلوم متّصل سٹیشن الہ آباد میں علم وفیض کے دریا بہاتے رہے۔ پھر اپنے عزیز ترین شاگرد مولانا قاری محبوب علی صاحب کے اصرار پر مدرسہ فرقانیہ لکھنؤ تشریف لے گئے اور علم کے پیاسوں کو اپنے علم وفضل کے دریا سے سیراب فرماتے رہے۔

مدرسہ فرقانیہ لکھنؤ مولانا عین القضاۃ محشی میبذی، متوفی ۲ رجب ۱۳۴۳ھ کے والد ماجد مولانا محمد وزیر متوفی ۱۳۳۱ھ نے قائم کیا تھا۔ ان کے بعد مولانا عین القضاۃ کی مساعی سے مدرسہ نے خوب ترقی حاصل کی۔ مولانا عین القضاۃ کسی سے کچھ نہیں لیتے تھے، اس کے باوجود اساتذہ کی باقاعدہ تنخواہیں اور طلباء کے وظیفے مقرر کر رکھے تھے، جن کے مصارف تین ہزار روپے تک پہنچتے تھے۔ سال میں دو دفعہ لوگوں کو پُر تکلّف کھانا کھلاتے اور میلاد شریف کے موقع پر عظیم الشان محفلِ میلاد منعقد کرتے، جس میں دو سو بہترین دُنبے اور بکرے ذبح کئے جاتے

اور ہر خاص و عام کو کھانے کی دعوت دی جاتی واللہ اعلم! اتنی رقم ان کے پاس کہاں سے آجاتی تھی۔ (نزہتہ الخواطر جلد ثامن، ص ۳۳۹ - ۳۳۸)

حضرت قاری عبدالرحمٰن صاحب قدس سرہ کو قرآن مجید کے علاوہ علمِ تجوید کی مستند کتابیں شاطبیہ وغیرہ یاد تھیں۔ قرآن مجید اس طرح یاد تھا کہ فرمایا کرتے تھے جب سے مکہ مکرمہ سے آیا ہوں، قرآن مجید دیکھ کر پڑھنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی، بلند پایہ قاری ہونے کے باوجود قرآن مجید لہجے سے نہیں پڑھتے تھے۔

ایک دفعہ آپ نے بنارس کے عظیم الشان اجلاس میں قرآن مجید کی تلاوت ایسے سوز و گداز سے کی کہ اہلِ مجلس اشکبار ہو گئے۔ واپسی پر فرمایا؛ قرآن مجید سے عشق ہونا چاہیے۔ لہجے کی کچھ اہمیت نہیں۔

دورانِ تدریس جب شاطبیہ کی توجیہات فرماتے تو بڑے بڑے علماء دنگ رہ جاتے۔ قاری صاحب کو بزرگانِ دین سے ملاقات کا بہت شوق رہتا تھا۔ اسی شوق کی تکمیل کے لئے دُور دراز کا سفر فرماتے اور دل و دماغ کی کیفیات سے سرشار ہوتے۔ اسی سلسلہ میں گولڑہ شریف حضور اعلیٰ حضرت پیر سید مہر علی شاہ صاحب قدس سرہٗ متوفی ۱۳۵۶ھ کی خدمت میں بھی حاضر ہوتے۔ اس کے علاوہ یہ تعلق بھی تھا کہ جب حضورِ اعلیٰ گولڑوی حج کیلئے تشریف لے گئے تو قاری صاحب کے برادرِ مکرم اور استاد مولانا قاری محمد عبداللہ صاحب آپ کی جلالتِ علمی اور تقویٰ و پرہیزگاری کو دیکھ کر حلقۂ ارادت میں شامل ہو چکے تھے۔ بعض اوقات قاری عبدالرحمٰن صاحب کے دل میں کچھ شبہات اُبھرتے تھے، جن کے بارے میں کہیں سے تسلی و تشفی حاصل نہیں ہوتی تھی۔ ایک دفعہ آپ گولڑہ شریف آئے۔ دورانِ خواب دیکھتے ہیں کہ حضورِ اعلیٰ گولڑوی چہل قدمی فرمارہے ہیں اور ایک ایک کر کے اُن شبہات کا جواب دے رہے ہیں، جس سے طبیعت کو یک گونہ اطمینان حاصل ہو گیا۔ صبح جب زیارت کے لئے حاضر ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ حضورِ اعلیٰ گولڑوی اسی طرح چہل قدمی فرمارہے ہیں۔ قاری صاحب کو دیکھ کر مُسکراتے

ہوئے فرمایا "تسکین ہوئی یا نہیں؟" پھر کیا تھا قاری صاحب کو کلیتہً تسلی حاصل ہوگئی اور آپ بھی غوثِ زماں کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوگئے۔

۱۳۳۹ھ میں قاری عبداللہ صاحب کی وفات کے بعد جب آپ حج کرنے کے لئے گئے تو دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ اسی مقدس خطے میں قیام کرنا چاہیئے۔ خواب میں حضور سرورِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہندوستان جانے کے لئے فرمایا اور حقیقت بھی یہی تھی کہ ہندوستان کو ایسے عالم و فاضل کی ضرورت تھی جو علمِ تجوید وغیرہ علوم کو یہاں عام کرتا اور یہاں کے باشندوں میں اس علم کا شعور پیدا کرتا۔ آپ نے نصف صدی سے زائد عرصہ تک اس علم شریف کی خدمت کی اور اس فن میں سینکڑوں ارباب کمال پیدا کئے۔ قاری صاحب سے نہ جانے کتنے تلامذہ نے استفادہ کیا ہوگا لیکن جب خود قاری صاحب کے سوانح آج تک مرتب نہ ہوسکے تو تلامذہ کے نام کون محفوظ رکھتا۔ چند ایک کے نام یہ ہیں:

(۱) قاری ضیاء الدین صاحب نارہ (۲) قاری عبدالوحید صاحب الٰہ آباد، (۳) قاری عبداللہ صاحب مرادآبادی (۴) قاری عبدالمالک صاحب، انہوں نے سبعہ عشرہ کی تکمیل، قاری صاحب ہی سے کی تھی (۵) حضرت مولانا قاری محبوب علی صاحب قاری صاحب کے چہیتے اور منظورِ نظر تلامذہ میں سے تھے۔ سبعہ اور عشرہ کی کتابیں دو دو تین دفعہ پڑھیں۔ گولڑہ شریف جمعہ پڑھاتے رہے۔ نہایت متواضع منکسر المزاج تھے۔ جزری اور شاطبیہ کے اشعار بوقتِ ضرورت بے تکلف پڑھ جاتے تھے۔ تعجب ہوتا تھا کہ اتنا بڑا صاحبِ فن کس طرح گوشۂ گمنامی میں وقت گزار رہا ہے۔ قاری صاحب کے تمام حالات انہی سے حاصل کئے گئے تھے۔

آپ کی تصنیفات میں فوائدِ مکیہ (اردو) نے بہت زیادہ شہرت و مقبولیت حاصل کی۔ مدارسِ عربیہ میں اسے بیحد اہمیت دی جاتی ہے۔ عبارت نہایت جامع اور متین ہے جو

مصنّف کی ژرف نگاہی پر دال ہے۔ قاری صاحب صرف مجوّد ہی نہ تھے، بلکہ دیگر علوم دینیہ پر بھی گہری نظر رکھتے تھے۔ اس بات کا اندازہ آپ کی تصنیفات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ اس سے قبل قاری عبدالمالک صاحب اور قاری محمد شریف صاحب اور مولانا ابن ضیاء محب الدین احمد مدرّس مدرسہ سُبحانیہ، الٰہ آباد نے اس پر حواشی لکھے تھے۔ اب فاضل عزیز قراءاتِ سبعہ کے قاری مولانا علامہ محمد یوسف صاحب سیالوی (دبیہ ضلع جہلم) نے تحشیہ کیا ہے، جو اپنی جگہ منفرد اور ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔ مولائے کریم حضرت مولانا قاری محمد یوسف صاحب سیالوی سلّمہ اللہ تعالیٰ کے علم و عمل میں برکت عطا فرمائے اور انہیں مزید دینی خدمات کی توفیق عطا فرمائے۔ یہ حاشیہ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔

قاری صاحب کی دُوسری تصنیف افضل الدّرر المعروف بہ الدرر العقیلۃ فی شرح متن العقیلۃ (عربی) جس سے آپ کی وسعتِ نظری علوم عربیہ میں مہارت کا بآسانی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ عقیلہ ابن حاجب اور علامہ سخاوی کے استاذ اور علامہ جعبری اور ابوشامہ کے استاذ الاستاد امامِ علم القراءات والتفسیر والعلوم العربیہ علامہ ابوالقاسم بن فیرہ شاطبی قدّس سرّہ متوفی ۲۸ جمادی الاخریٰ ۵۹۰ھ کا قصیدہ رائیہ ہے، جس میں قرآن مجید کے رسم الخط سے متعلق قواعد و مسائل کا بیان ہے۔ قاری صاحب نے بڑی خوبی سے اس کے مطالب کو بیان فرمایا ہے۔

قاری صاحب کے عزیز ترین شاگرد مولانا قاری محبوب علی صاحب نے کتبِ قراءات کے علاوہ جب عقیلہ پڑھا تو انہوں نے اُستاذِ محترم سے اس کی شرح لکھنے کے لئے پورے اصرار سے گزارش کی۔ اس کے علاوہ جامع القرآن سیّدنا حضرت عثمان بن عفّان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی خواب میں رسم الخط میں کسی کتاب کے تحریر کرنے کا اشارہ فرمایا۔ چنانچہ قاری صاحب نے عقیلہ کی شرح لکھی جو ۱۳۴۶ھ میں مطبع انوارِ احمدی الٰہ آباد میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوئی۔

قاری صاحب افضل الدرر کی ابتداء میں حمد وصلوٰۃ کے بعد فرماتے ہیں:

اما بعد فیقول العبد المفتقر الی اللہ عبد الرحمٰن بن محمد بشیر خان الحنفی مذھبا والالٰہ آبادی مسکنا انّ احبّ الاصدقاء واعزّ الاخلاء الحاذق الفائق الحافظ القاری المولوی محبوب علی بن الشیخ رجب علی الحنفی مذھبا والکنوی وطنا لما قرء القراءات العشرة وطیبة النشر فی القراءات العشر والدرة فی القراءات الثلاث للامام الجزری والتیسیر فی القراءات السبع للدانی وحرز الامانی فی القراءات السبع والعقیلة فی الرسم العثمانی للامام الشاطبی فلم یعتص علیه شیئ الا العقیلة فسألنی مرة بعد اخریٰ ان اکتب شرحا للعقیلة موضحا مبهماتها ومجملاتها ومعضلاتها ومعینا کلماتها بمواضعها والحّ علیّ فی السوال حتّٰی مااستطعت الا ان اجبت سؤله ومامولہ اھ۔

قاری صاحب قدآور، تندرست و توانا جسم رکھتے تھے، آنکھیں موٹی اور پرکشش تھیں۔ عزم و ہمت کے پیکر تھے۔ ایک دفعہ سینے پر موٹا سا پھوڑا نمودار ہوا، بامر مجبوری ڈاکٹر نے چیر پھاڑ کی تو حیرت انگیز ضبط کا مظاہرہ کیا اور اُف تک زبان پر نہ لائے۔

آخر یہ مجسمہ علم وفن تقریباً ۵۰ سال تک اپنے فیض سے خلق خدا کو سیراب کر کے ۷۰ سال سے زائد عمر میں ۶ جمادی الاُولیٰ ۱۳۴۹ھ، عشاء کے وقت خلد بریں کی طرف روانہ ہو گیا۔ آپ کو محبوب گنج متصل وزیر باغ لکھنؤ کے قبرستان میں دفن کیا گیا۔ فرحمه اللہ تعالیٰ رحمة واسعة۔ آپ کا آبائی وطن فرخ آباد کا قصبہ شمس آباد یا قائم گنج تھا۔

حضرت علامہ شاہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ

تحریر: معروف صحافی' پیر علی محمد راشدی'

ایک پرانا قرضہ پچیس سال سے میرے ذمہ رہ گیا تھا، جو میں اس موقع پر چکا دینا چاہتا ہوں۔ یہ وہ چند یادیں، چند تاثرات ہیں مرحوم و مغفور علامہ شاہ عبدالعلیم صدیقی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے تبلیغی کمالات کے بارے میں۔

مولانا مرحوم سے میری ملاقات صرف سرسری طور پر ایک مرتبہ ہوئی۔ پاکستان بننے ہی اُن کے بارے میں سُنا جاتا تھا کہ وہ اکثر وقت ملک سے باہر اسلام کی تبلیغ فرماتے رہتے ہیں۔ وہ جب بھی واپس تشریف لاتے تھے، تو میں سیاست میں پھنسے رہنے کی وجہ سے ان کی زیارت سے معذور رہتا تھا' تا آنکہ وہ خود انتقال فرما گئے۔

مگر ان کی تبلیغی کاوشوں اور اسلامی خدمات کا صحیح اندازہ مجھے تب ہوا۔ جب میں پاکستان کا سفیر بن کر فلپائن پہنچا۔ وہاں کے حالات یہ تھے کہ کسی زمانے میں انڈونیشیا کی طرح فلپائن بھی مسلمانوں کی اکثریت کا ملک تھا، بعد میں جب سپین والے وہاں آئے اور مسلمان راجہ سلیمان کو شکست دے کر ان جزیروں پر قابض ہو گئے، تو انہوں نے زبردستی مسلمانوں کو تقریباً من حیث القوم مرتد کرستان، بنایا۔ یہاں کئی سو سال سپین والوں کی حکومت چلی اور یہ سارا وقت ان کی طرف سے کوشش رہی کہ ان جزیروں سے اسلام کا نام مٹا دیا جائے۔ چنانچہ وہ نوے فیصد آبادی کو کرستان بنانے میں کامیاب ہو گئے اور فلپائن رومن کیتھولک فرقہ کا مشرق بعید میں ایک گڑھ بن گیا۔ یہ صورتِ حال آج تک قائم ہے۔ فلپائن آج بھی سپین اور رُوم کے بعد کرسچئین مذہب کا سب سے بڑا مرکز سمجھا جا رہا ہے، جو فضا آپ سپین میں پائیں گے، وہی فضا مجموعی طور پر فلپائن میں بھی آپ کو موجود نظر آئے گی۔

اس فتنۂ ارتداد کے سیلاب سے اگر کوئی دُور افتادہ جزیرے جزوی طور پر محفوظ رہ سکتے تھے، تو وہ منڈناؤ، ہولو وغیرہ تھے، جہاں نہایت ہی سخت جنگجو عرب نژاد مسلمان قبیلے بستے تھے، جن کو سپین والے مورو کہتے تھے۔ اِن قبیلوں نے نہ تو اپنا مذہب تبدیل کیا، نہ یہ حقیقت بھُول سکے کہ ان کا تعلق اسلام سے ہے، جس کی خاطر وہ سارا وقت لڑتے مرتے رہے۔

تعجب کی بات یہ تھی کہ ان تین چار سو سال سے ان غریبوں کا اسلامی مراکز سے کوئی تعلق نہیں رہا تھا، نہ کوئی ان کے یہاں ان کی راہنمائی یا امداد کے لئے جانے کی زحمت گوارا کرتا تھا نہ یہ خود کسی باہر کے اسلامی ملک سے رابطہ رکھ سکتے تھے، مگر پھر بھی وہ اپنے دین اور ایمان پر مستحکم رہتے آئے۔ وہ ہر طاقت سے لڑتے رہے۔ (انگریز، امریکی، اسپینی، چینی) مگر جہاں تک مذہب کا معاملہ رہا، انہوں نے کبھی کسی کی بات نہیں سُنی۔

ان کی یہ جدّو جہد اور یہ مقابلے اب تک جاری و ساری ہیں۔ پچھلے ۱۸ برس سے وہ اپنی موجودہ کرسچئن حکومت سے بھی برسرِ پیکار ہیں۔ کبھی اُدھر جاتے ہیں اور کبھی اِدھر، مگر کہیں سے مؤثر طریقہ پر اُن کی دستگیری نہیں ہو رہی ہے۔ حالانکہ اسلامی دُنیا اب آزاد ہو چکی ہے اور اس وقت ۴۲ سے اوپر آزاد مسلمان ریاستیں دُنیا میں دندنا رہی ہیں۔

(۲)

اس پس منظر میں ہمارے بزرگ علامہ شاہ عبدالعلیم صدیقی رحمہ اللہ تعالیٰ کی شخصیت مجھے بے انتہا نمایاں نظر آئی۔ میں جب ۱۹۵۷ء میں سفیر بن کر فلپائن پہنچا، تو مجھے جاتے ہی محسوس ہونے لگا کہ اس شخص نے وہاں کے مسلمانوں کو بیدار اور منظم کرنے میں اتنا بڑا کام کیا ہوا تھا، جو ان سے پہلے نہ کسی مسلمان ریاست سے، نہ کسی باہر کے شیخ یا پیر سے ہو سکا تھا۔ ان کا خود تو اس سے پہلے ہی انتقال ہو چکا تھا، مگر ان کا نام فلپائن کے حلقوں میں ہنوز گونج رہا تھا، گویا وہ اب بھی ان میں موجود ہیں اور رُوحانی طریقہ سے ان کی

رہنمائی کر رہے ہیں، خود پاکستان کے سفیر کو وہاں کے مسلم عوام اس نسبت سے پہچانتے تھے کہ اس کا تعلق اس ملک سے ہے جہاں سے مولانا صاحب تشریف لائے تھے، ہر شخص اُن کے رُوحانی فیوضات بلکہ کرامات کا ذکر کرتے نہیں تھکتا تھا۔ مجھ سے براہِ راست پوچھتے رہتے تھے کہ کیا میں نے بھی اُن کی کچھ کرامات دیکھیں؟ جس سے پوچھو، وہ خود کوئی نہ کوئی عجیب و غریب بات بتاتا تھا۔

معلوم ہوتا تھا کہ اسلام کی تبلیغ کا کام انہوں نے اس قدر عقلمندی اور دُور اندیشی سے سرانجام دیا تھا کہ ایک طرف تو مقامی مسلمانوں کو وہاں کی سوسائٹی کی دشمنی قبل از وقت مول نہ لینی پڑے اور دوسری طرف ان میں اپنی جگہ پر یہ احساس بھی پیدا ہونا چاہئے کہ بطورِ مسلمان ان کی اپنی علیحدہ شخصیت ہے۔ مجموعی طور پر ان کی یہ کوشش تھی کہ مسلمان پہلے اپنے وجود اور اپنے مقام کو پہچانیں اور منظّم ہو کر اسلام کے رشتہ کو پکڑلیں اور اس کے بعد جو کچھ قدرت کو منظور ہوگا، وہ ان سے کروالے گی۔ بہر حال ان کی کوششوں کا نتیجہ جو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا، وہ مختصراً یہ تھا:

۱۔ مسلمان کو اپنے مذہب پر فخر محسوس ہونے لگا تھا۔

۲۔ ان میں اندرونی تنظیم آگئی تھی۔

۳۔ غیر مسلموں سے ہمسائیگی کی وجہ سے جو غیر اسلامی رسومات ان میں پھیلنے لگی تھیں، وہ مسدود ہوگئی تھیں۔

۴۔ قرآن اور حدیث سے ان کی وابستگی پہلے سے بدرجہا زیادہ بڑھ گئی تھی۔

۵۔ مساجد تعمیر ہونے لگی تھیں، مدرسے اور مکتب کھولے جا رہے تھے، دینی علوم پڑھانے کے لئے اُستاد اور کتابیں مصر سے منگائی جاتی تھیں۔ دارالحکومت منیلا کی مرکزی مسجد کا سنگِ بنیاد خود میں نے اپنے ہاتھوں سے رکھا (بعد میں یہ سکیم پایۂ تکمیل تک پہنچی یا نہیں، مجھے خبر نہیں)

۶۔ ارتداد اور شرک کے دروازے بند ہوگئے تھے، پادریوں کی ساری کوششیں بیکار ثابت

بڑوہی تھیں، ان کے اس تعمیری پروگرام میں جو خاص چیزیں میں نے محسوس کیں، وہ یہ تھیں:

۱۔ یہ سارا کام بغیر شور و غوغا ہوتا رہا اور اس کو بازاری، نمائشی یا سیاسی نہ بنایا جائے تاکہ وہ حقیقی دینی اور رُوحانی برکتوں سے محروم نہ رہ جائے۔

۲۔ معاشرتی اور ثقافتی طور پر، خواہ ذاتی طرزِ زندگی میں، مسلمان ایک غیر مانوس جانور یا بھُوت نظر نہ آئے، یعنی دیکھنے میں یا عادات و اطوار کے لحاظ سے اس مکسڈ معاشرہ میں ناقابلِ ارتباط وحشی نہ لگے۔

۳۔ ذاتی یا سیاسی مقاصد کی خاطر غیر بنیادی مذہبی روایات اور رسُومات کو اس قدر نہ بڑھایا جائے یا اس غلو سے پیش نہ کیا جائے کہ اس کی دشمنیاں بڑھیں، دقیانوسیت کا پہلو سب چیزوں پر حاوی پڑ جائے اور اور ہمسائے خود ہمارے دین سے متنفر ہو جائیں (یہ بات اب ایران کی انقلابی تحریک کے قائد بھی محسوس کرنے لگے ہیں۔

(۳)

اِس پروگرام پر انتہائی انہماک اور خاموشی سے تقریباً چالیس سال کام ہوتا رہا۔ تاوقتیکہ وہاں کے مسلمانوں کی ایک نئی نسل سامنے نہیں آگئی، اس کے بعد وہی ہونے لگا، جو مولانا کی تحریک کی حقیقی رُوح تھی، یعنی مسلم اقلیت نے اپنے حقوق حاصل کرنے کے لئے ایک ناقابلِ تسخیر قوت بن کر اسلحہ بند جہاد شروع کر دیا۔ باہر کے مسلمان ملکوں سے توان کو کوئی خاص امداد نہیں پہنچی، مگر مقامی طور پر تنظیم اور صحیح جذبے کی وجہ سے اب ان میں اتنی اندرونی سکت پیدا ہوگئی تھی کہ وہ اس وقت مخالف حکومت کی افواج تک سے مقابلہ کرنے کے قابل ہوگئے، اور اٹھارہ سال سے مقابلہ کر رہے ہیں۔

یہ پودا تھا جو ہمارے مولانا عبدالعلیم صدیقی رحمۃ اللہ علیہ نے آج سے ایک مدت پہلے وہاں لگایا تھا، جو اَب پھل پھُول رہا ہے۔ [۱]

---

[۱] روزنامہ جنگ، لاہور، بروز جمعۃ المبارک، ۲۱ ستمبر ۱۹۸۴ء، ص ۳

شیخ القرآن حضرت علامہ عبدالغفور ہزاروی قدس سرہٗ

حضرت شیخ القرآن ابوالحقائق علامہ عبدالغفور ہزاروی رحمہ اللہ تعالیٰ سحر بیان خطیب، قادرالکلام مقرر، بے باک عالمِ دین، قرآن و حدیث اور علومِ دینیہ کے متبحر فاضل تھے۔ علمی اور تحقیقی گفتگو کے ساتھ خوش بیانی بہت کم کسی شخصیت میں جمع ہوتی ہے، لیکن علامہ ہزاروی میں یہ دونوں وصف بدرجہ اتم موجود تھے۔ بڑے بڑے علماء ان کے خطابات، دم بخود ہو کر سنتے اور عوام الناس ہمہ تن گوش ہوتے تھے، ان کی طبیعت میں بلا کا سوز و گداز تھا، جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ سامعین کرام پر سکتے کا گمان ہوتا انہیں مشکل سے مشکل مسائل نہایت عام فہم انداز میں بیان کرنے کا کامل ملکہ حاصل تھا۔

موری دروازہ لاہور کے بیرونی باغ میں رمضان شریف کے ہر اتوار کو آپ کا خطاب ہوتا تھا۔ میری طرح دوسرے سینکڑوں افراد کھڑے کھڑے آپ کا طویل خطاب سنتے تھے۔ ایک دفعہ فرمایا: ''ہم کہتے ہیں یہ درخت ہے، یہ لاؤڈ سپیکر ہے، یہ مائیکروفون ہے، یہ تو درخت ہوا، یہ لاؤڈ سپیکر ہوا اور یہ ہے کیا ہے۔ پھر اپنے مخصوص انداز میں فرمایا:

یہ ہے ہی تو ہے اور ہے کیا؟ ٥

مسئلہ وحدۃ الوجود اس عام فہم انداز میں بیان کرنے کے بعد فرمانے لگے:

صُوفیو! ذرا غور سے سُنو، میں کیا کہہ گیا ہوں؟

اللہ تعالیٰ نے انہیں وجاہت اور محبوبیت کا بڑا وافر حصہ عطا فرمایا تھا اسی لئے احباب ان کی سخت سے سخت باتیں بھی خندہ پیشانی سے برداشت کر جاتے تھے، اس کے برعکس بعض اوقات تواضع کا اظہار بھی بڑے دل کش پیرائے میں کر جاتے تھے۔

جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور کے اجلاس میں ایک صاحب نے پُرشکوہ الفاظ کے ساتھ آپ کا تعارف کرایا۔ آپ نے خطبہ پڑھنے کے بعد فرمایا: میں بڑا تو نہیں لیکن کَثَّرَنِیْ مَوْتُ الْکُبَرَاءِ "بڑے لوگ دُنیا سے چلے گئے تو لوگوں نے ہمیں بڑا سمجھ لیا"۔ اِس میں لطافت یہ تھی کہ یہ نہیں فرمایا کہ ہم بڑے بن گئے، بلکہ فرمایا کہ لوگوں نے ہمیں بڑا سمجھ لیا۔

حضرت علامہ ہزاروی کا حافظہ غضب کا تھا۔ درس و تدریس کا سلسلہ ایک عرصہ سے منقطع کیا ہوا تھا، اس کے باوجود منطق و فلسفہ کی اصطلاحات نوکِ زبان پر رہتی تھیں۔ ایک دفعہ معراج شریف کے موضوع پر تقریر کرتے ہوئے قبضِ زمان اور بسطِ زمان پر گفتگو کر رہے تھے، کسی نے پرچہ بھیج کر پوچھا کہ یہ کس نے لکھا ہے؟ علامہ ہزاروی نے تفسیر کبیر کا حوالہ دیا۔ اس کے علاوہ چند دوسری کتابوں کے حوالے دیئے۔

راقم کو بہت دفعہ آپ کی تقریرات سُننے کا موقع ملا اور ہر دفعہ عقیدت و محبّت کو جلا ملی۔ چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:

○ انسان آئینہ خریدتے وقت آئینے کو دیکھتا ہے کہ آئینے کو دیکھتا ہے اور گھر آکر آئینے کو دیکھتا ہے کہ اس میں اپنے آپ کو دیکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کو پیدا کر کے آپ کو دیکھا، یعنی آپ کو دیکھا اور شبِ معراج آپ کو بلا کر دیکھا کہ اس آئینے میں اپنا جمال دیکھا۔

○ انسان زمین پر کھڑا ہوتا ہے اور اس کا علم عرش مجید تک پہنچتا ہے، جس ذاتِ اقدس کے قدم مبارک عرش مجید پر پہنچے، اُن کے علم کی رسائی کہاں تک ہوگی؟

○ حضور نبی اکرم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم بشر بھی ہیں اور نور بھی، عرش سے آگے جانا آپ کی بشریتِ مبارکہ کا اعجاز ہے اور کھانا پینا، ازدواج اور دیگر تعلقات نورانیت کا معجزہ ہیں۔

○ ایک دفعہ فرمانے لگے، مرد جب گھر آتا ہے اور عورت اپنے بیٹے کی شکایت کرتی ہے کہ اُس نے یہ شرارت کی ہے، فلاں کام خراب کیا۔ مرد اگر اُسے سزا دینا چاہتا ہے، تو اسی وقت سزا دے ڈالتا ہے اور اگر یہ کہہ دے کہ صبح ہو لینے دو، پھر اسے پوچھوں گا، تو صبح کچھ نہیں کہتا، صرف ڈرانا مقصود ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جن قوموں کو سزا دینا تھی، اُنہیں اُسی وقت اُلٹ پلٹ کر دیا، اس اُمت کو کہا تمہارا حساب و کتاب کل روزِ قیامت ہوگا۔ کل اپنے حبیبِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اس امت کو بخش دے گا۔

○ سایہ دیوار کو کہتا ہے کہ میں سُورج کا عاشق ہوں، تو درمیان سے ہٹ جا، میں سُورج کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ دیوار نے کہا کہ اگر میں درمیان سے ہٹ گئی، تو تیرا وجود ہی نہیں رہے گا۔ اللہ تعالیٰ کی محبت کے دعویدارو! حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا واسطہ اور وسیلہ درمیان سے ہٹا دیا، تو تمہارا نام و نشان نہیں رہے گا اللہ تعالیٰ سے محبت کون کرے گا؟

○ بندیال تقریر کرتے ہوئے کہنے لگے کہ یہ لوگ (مخالفین) کہتے ہیں کہ مجھے علم ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فلاں فلاں چیزوں کا علم نہیں ہے۔ پھر بڑے جوش سے فرمایا: لعنت ہے تمہارے علم پر، اُمتی ہو کر ایسی باتیں؟

○ ایک دفعہ جامعہ رضویہ، فیصل آباد میں حضرت محدّثِ اعظم، پاکستان رحمہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں تقریر کر رہے تھے۔ کچھ دیر بعد معراج شریف پر گفتگو شروع کی، لیکن پھر حضرت محدّثِ اعظم علیہ الرحمہ کا ذکر شروع کر دیا۔ اجلاس کے بعد کمرے میں جا کر بیٹھے، تو فرمانے لگے: لوگ کہتے ہیں کہ ہمیں یک سوئی حاصل نہیں ہوتی، لیکن مجھے دوسوئی حاصل نہیں ہوتی۔ معراج شریف کا تذکرہ شروع کیا، لیکن ذہن پھر محدّث اعظم پاکستان کی طرف چلا گیا۔

اسی مجلس میں ایک قوال آگیا، اُسے کچھ سُنانے کی فرمائش کی، اُس نے حضرت

امیر خسرو رحمہ اللہ تعالیٰ کی ایک غزل سنائی، جس کا ایک مصرع یہ تھا:

تن پیر گشت و آرزوئے دل جواں ہنوز!

بار بار یہ مصرع سُنا اور خود بھی اشکبار آنکھوں کے ساتھ پڑھتے رہے۔ مجلس پر عجیب کیف چھایا ہوا تھا۔

ایک دفعہ فرمایا: دہلی کے ایک مجذوب پتے شاہ کے ذریعے مجھے کشف قبور حاصل ہوا۔ حضرت سلطان الاولیاء (محبوب الٰہی رحمہ اللہ تعالیٰ) کے مزار پر حاضر ہوا تو مجھے ان کے صرف پاؤں دکھائی دیئے۔ پتے شاہ سے ذکر کیا، تو انہوں نے کہا جس نے سُلطان کے قدم دیکھے ہیں، وہ بڑے بڑوں کے سر دیکھے گا اور واقعی مجھے کئی بزرگوں کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔

دہلی سے واپسی پر جبنید ھر شریف حاضر ہوا، تو حضرت سائیں گوہر دین رحمہ اللہ تعالیٰ نے سفر کے حالات اور مشاہدات کے بارے میں دریافت کیا، میں نے دوسری باتیں تو بتا دیں لیکن کشف والا معاملہ گول کر گیا۔ سائیں صاحب نے کرید کرید کر پوچھا کچھ اور؟ تو میں نے کشف کے بارے میں بھی بتا دیا۔ سائیں صاحب نے فرمایا: یہ تو کچھ بھی نہیں اور سچ مچ میرے پاس کچھ بھی نہ رہا۔ اُن سے تو کچھ نہ کہا، البتہ ان کے حجام سے جو حضرت سے کسی قدر بے تکلف تھا کہلوا دیا کہ آپ خود تو کچھ دیتے نہیں ہیں، جو دوسروں نے دیا تھا، وہ بھی سلب کر لیا۔

پھر خود ہی فرمانے لگے کہ ہم اہل سنت و جماعت کو کشف کی ضرورت بھی نہیں ہے کیونکہ ہمارا سماع موتیٰ پر عقیدہ ہے، جو کچھ کہنا ہو، حاضر ہو کر کہہ دیا۔

علامہ ہزاروی رحمہ اللہ تعالیٰ عموماً کسی شعر یا مصرعے کو بطور موضوع منتخب کر لیتے تھے، اور پوری تقریر میں اسی شعر کو بار بار پڑھتے تھے، جس سے سامعین کو ہر دفعہ نیا لطف حاصل ہوتا تھا، کسی نے اس کی وجہ دریافت کی، تو فرمایا: دوسرے علماء قرآن پاک کی دوسری سورتوں کی تفسیر ہیں اور میں سورۃ الرحمٰن کی تفسیر ہوں۔

ٹرک کے ایکسیڈنٹ میں جب آپ نے جام شہادت نوش فرمایا، تو راقم اس وقت

جامعہ اسلامیہ رحمانیہ، ہری پور ہزارہ میں مدرس تھا۔ شہادت کی خبر سُن کر شدید صدمہ ہوا۔ اُسی وقت حضرت پیرِ طریقت صاحبزادہ طیب الرحمٰن رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہمراہ روانہ ہو کر وزیر آباد پہنچا اور نمازِ جنازہ میں شرکت کی سعادت حاصل کی۔

راقم اگرچہ شعر وسخن کا ذوق نہیں رکھتا، لیکن اس موقع پر جذبات نے اشعار کی صورت اختیار کر لی، یہ اشعار انہی دنوں حضرت علامہ مولانا عبدالحق غور غشتوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے رسالہ عقدالجید کے آخر میں شائع کر دیئے گئے۔

"ماہتابِ دین و ملت اُٹھ گیا!"

مولوی، پیرِ طریقت، محیِ دیں
ترجمانِ اہلِ سنت بالیقیں

شیخِ قرآں مولانا عبدالغفور
ہو گئے رُخصت الیٰ دارالسرور

آفتابِ علم وحکمت اُٹھ گیا
ماہتابِ دین وملت اُٹھ گیا

وعظ وتقریر اُن کی کوثر سلسبیل
باکمال وبے مثال وبے مثیل

تجھ سا بحرِ علم، نکتہ داں کہاں؟
تجھ سا اب قرآن وسُنّت داں کہاں؟

فیضِ شاہِ مہر[1] کا مظہر ہے تُو
قسمتِ اُمت کا اک اختر ہے تُو

حجۃ الاسلام[2] کا پروردہ تُو
علم وفن اور دین میں سرکردہ تُو

سُورۂ رحمٰن کی تنویر تُو
رحمتِ رحمٰن کی تصویر تُو

دشمنِ دین پر اک وار تُو
حضرتِ فاروق کی تلوار تُو

دین وملت کی تری خدمات کو
علم وعرفاں کی تری برکات کو

اس جہاں میں ہے کوئی جھٹلا سکے
یا ترا ہمسر کوئی دکھلا سکے

تو ہے ناموسِ نبوّت کا نقیب
یہ شرف تجھ کو رہا بے شک نصیب

رحمہ اللہ تعالیٰ ورضی عنہ واسکنہ فرادیس الجنان

---

[1] حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی قدس سرہٗ
[2] حضرت مولانا حجۃ الاسلام حامد رضا خاں بریلوی قدس سرہ

فاضل نوجوان مولانا محمد عبدالمنعم ہزاروی شہید رحمہ اللہ تعالیٰ

مولانا محمد عبدالمنعم ہزاروی ستمبر ۱۹۵۱ء میں موضع کھدو، نزد منگ، ہری پور ہزارہ میں پیدا ہوئے۔ بچپن میں والدہ ماجدہ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ والد ماجد میر رحمٰن، متدین شخص تھے۔ اُن کی خواہش تھی کہ میرا بیٹا عالم دین بنے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس مبارک آرزو کو پورا فرمایا۔

مولانا محمد عبدالمنعم ہزاروی نے جامعہ رحمانیہ، ہری پور ہزارہ، احسن البرکات، حیدرآباد اور دارالعلوم حامدیہ رضویہ، کراچی میں کافیہ تک کتابیں پڑھیں۔ شمس العلوم جامعہ مظفریہ رضویہ، واں بھچراں، ضلع میانوالی میں درس نظامی کی تکمیل کی۔ دورۂ حدیث دارالعلوم امجدیہ، کراچی اور دورۂ قرآن استاذ الاساتذہ ملک التدریس حضرت مولانا علامہ عطا محمد چشتی گولڑوی مدظلہ، سے دارالعلوم حامدیہ رضویہ، کراچی میں پڑھا، ۲۴ برس کی عمر میں ۱۹۷۵ء میں سندِ فراغت حاصل کی۔

فراغت کے بعد ایک سال ضیاء العلوم، آگرہ تاج کالونی، کراچی، تین سال دارالعلوم نعیمیہ، کراچی اور چار ماہ دارالعلوم حامدیہ رضویہ، کراچی میں تدریس کے فرائض انجام دیتے۔ دارالعلوم نعیمیہ، کراچی میں تدریس کے دوران فاضل عربی کا امتحان دیا اور اول آئے۔ جماعت اہل سنت، کراچی کے نائب ناظم اعلیٰ اور ماہنامہ ترجمانِ اہل سنت، کراچی کے مدیر معاون رہے۔ شعبان المعظم ۱۳۹۹ھ میں ان کی شادی ہوئی۔

راقم سے ان کی پہلی ملاقات غالباً ۶۹ یا ۷۰ء میں جامعہ اسلامیہ رحمانیہ ہری پور میں ہوئی، وہ اس وقت واں بھچراں پڑھتے تھے، جب بھی اپنے گھر آتے، مجھ سے ملاقات

کرتے۔ راقم دو سال چکوال رہا۔ پھر جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور آگیا، تو اُن کا رابطہ مسلسل رہا، جب بھی ملے، اُنہیں خوش و خرم پایا، یبوست نام کی کوئی چیز ان میں نہ تھی، تواضع اور انکسار کا پیکر تھے، کئی دفعہ مولانا عبدالمنعم ہزاروی اور مولانا شاہ حسین گردیزی اکٹھے کراچی سے لاہور جامعہ نظامیہ رضویہ آتے، تو ہاتھوں میں اٹیچی کیس ہوتے، اور چہروں پر وفورِ مسرت کے گلاب کھلے ہوتے۔ پھر نشست ہوتی، تو اُن کی گفتگو کا محور ایک ہی ہوتا اور وہ یہ کہ مسلکِ اہل سنت و جماعت کی تبلیغ و اشاعت اور بہبود کے لئے کیا کیا جاسکتا ہے اور کیا کرنا چاہیے؟ ماضی اور حال کے علماء اہل سُنّت کے کارناموں کا تذکرہ ہوتا، مفید مشورے دیتے۔ ایک دفعہ حضرت علامہ مولانا مفتی محمد خلیل خاں برکاتی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ایک کتاب بہارِ نسواں کی مکتبہ قادریہ، لاہور کی طرف سے شائع کرنے کا پروگرام بنا، تو مولانا عبدالمنعم ہزاروی نے باصرار یہ مشورہ دیا کہ اس کا نام سُنّی بہشتی زیور رکھا جائے۔ اُن کی اس تجویز پر عمل کیا گیا، جس سے اس کتاب کو خوب پذیرائی ملی۔

جن دنوں راقم تذکرہ اکابر اہل سُنّت کی ترتیب میں مصروف تھا، ان سے کچھ حضرات کے احوال معلوم کرکے فراہم کرنے کی درخواست کی۔ ان ہی دنوں کا ایک مکتوب اس وقت پیشِ نظر ہے، اس میں لکھتے ہیں:

"مجھے افسوس ہے کہ میں تعمیلِ ارشاد ابھی تک نہیں کرسکا، فی الحال صرف اتنا عرض ہے کہ ملک مظفر خاں صاحب مرحوم (رئیس واں بھچراں و بانی شمس العلوم جامعہ مظفریہ رضویہ) موجود حضرت (خواجہ قمر الدین) سیالوی صاحب کے دادا، یعنی ثانی صاحب (حضرت خواجہ محمد دین سیالوی صاحب) سے بیعت تھے۔ اُن کی اور ملک غلام عباس صاحب کی تاریخ وفات دوسرے خط میں ارسال کروں گا۔

مولانا سلطانِ اعظم صاحب کے حالات (شیخ الحدیث) مولانا محمد اشرف صاحب سے کافی حد تک معلوم ہو سکتے ہیں، کیونکہ مولانا موصوف اُن کے شاگرد ہیں، اگر ان سے رابطہ پیدا کریں، تو کیسا رہے گا؟ ویسے بندہ حاضر ہے، جو حکم بھی دیں۔

نیز میں کوشش کر رہا ہوں کہ اگر استاذیم مولانا اللہ بخش صاحب کے جدِ امجد مولانا سید رسول صاحب کے حالات مل جائیں، تو وہ آپ کو ارسال کر دوں، کیونکہ آپ اس علاقہ کے نہ صرف مشہور اور اجل علماء میں سے تھے، بلکہ بہت سے مشاہیر مثلاً مولوی حسین علی واں بھچروی، مولوی محمد حیات صاحب اور غالباً مولوی فضل کریم بندیالوی وغیرہ ان کے تلامذہ میں سے تھے۔ اس سلسلے میں آئندہ مکتوب میں عرض کروں گا۔"

والسلام! محمد عبدالمنعم ہزاروی

جامعہ مظفریہ رضویہ، واں بھچراں، میانوالی ۷، رجون ۱۹۷۳ء

ایک دوسرے مکتوب میں لکھتے ہیں:

کم و بیش ایک ہفتہ قبل بندہ چکوال حاضر ہوا، لیکن شومیٔ قسمت کہ ملاقات نہ ہو سکی۔

مسلم اکادمی، محمد نگر، علامہ اقبال روڈ، لاہور نے مدارسِ عربیہ مغربی پاکستان کا جائزہ شائع کیا ہے، اس میں ص ۵۸۶ پر علامہ فضل امام خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک کتاب "تراجم الفضلاء" کا حوالہ مذکور ہے اور شاید ملتی بھی ہو۔ بہر کیف ممکن ہے آپ کی نظر سے یہ حوالہ مخفی نہ ہو، لیکن پھر بھی میں نے تحریر کر دینا مناسب سمجھا۔ ہاں! اس کی تدوین مفتی امان اللہ (غالباً انتظام اللہ) شہابی

اور محشی اے - ایس - بزمی انصاری صاحب ہیں۔

۱۹؍جون ۱۹۷۲ء　　　محمد منعم ہزاروی

جامعہ مظفریہ رضویہ واں بھچراں، میانوالی

ایک اور مکتوب ملاحظہ ہو، جس سے اندازہ ہوگا کہ وہ نئی سے نئی کتابوں سے باخبر رہتے تھے، ان کا مطالعہ کرتے تھے اور مجھے بھی آگاہ کرتے رہتے تھے، لکھتے ہیں:

ایک اور چیز کی جانب جناب کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں یعنی تقویۃ الایمان مطبوعہ اہل حدیث اکادمی، کشمیری بازار، لاہور، اس کتاب کا مقدمہ غلام رسول صاحب مہر نے لکھا ہے اور علامہ خیرآبادی نوراللہ مرقدہٗ کے متعلق مندرجہ ذیل عبارت ملاحظہ ہو: "علمائے دہلی میں سے جس شخص نے شاہ شہید کی مخالفت میں زیادہ نمایاں حیثیت حاصل کی، وہ مولانا فضل حق خیرآبادی ہیں، جن کے متعلق اب عام طور پر تسلیم کر لیا گیا ہے کہ علم و فضل میں بلند مرتبہ ہونے کے باوجود ان کے اعتقادی نظریئے عوامی تھے، انہوں نے حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظیر کے امکان و امتناع کا مسئلہ چھیڑ دیا اور قدرت و مشیت کا فرق پیش نظر نہ رکھا اور شاہ شہید نے رسالہ "یک روزی" میں ان تمام اعتراضات کو بے بنیاد ثابت کیا۔" [ا]

۱۶؍اپریل ۱۹۷۲ء　　　محمد عبدالمنعم ہزاروی (واں بھچراں)

علامہ محمد عبدالمنعم ہزاروی کی وفات کے بعد، اُن کے گہرے دوست، علمی خانوادے کے چشم و چراغ اور مشہور صاحبِ قلم، خواجہ رضی حیدر، ڈپٹی ڈائریکٹر قائدِ اعظم اکیڈمی، کراچی نے ایک تاثراتی مقالہ "رفتید ولے نہ از دلِ ما" کے عنوان سے لکھا اور پمفلٹ کی

[ا] اس موضوع پر علامہ محمد فضل حق خیرآبادی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصنیف "تحقیق الفتویٰ، شفاعتِ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نام سے مکتبہ قادریہ، لاہور سے چھپ گئی ہے، جس میں شاہ اسمٰعیل دہلوی کے شبہات کا شافی ازالہ کیا گیا ہے۔ - ۱۲ قادری

صُورت میں شائع کیا تھا، اب جو یہ مختصر مقالہ لکھنے کا ارادہ کیا تو وہ پمفلٹ نہ مل سکا، سوچ رہا تھا کہ خواجہ صاحب کو لکھوں کہ وہ پمفلٹ ارسال کر دیں۔ اسی دوران مجلہ کاروانِ قمر کراچی کا شمارہ دسمبر ۱۹۹۵ء عزیز مکرم فاضل نوجوان جناب نور احمد شہتاز کی مہربانی سے موصول ہوا، اس میں خواجہ صاحب کا وہ مقالہ موجود تھا، جس کے کچھ اقتباسات درج ذیل سطور میں پیش کئے جا رہے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

"مولانا محمد عبدالمنعم ہزاروی راقم کے عزیز ترین احباب میں سے تھے، جو عین عالمِ شباب میں شادی کے چند ماہ بعد ایکسیڈنٹ میں شہید ہو گئے، اُن کا مجھ پر حق تھا کہ ان کے بارے میں کچھ نہ کچھ لکھوں، الحمد للہ الکریم مجھے یہ چند سطریں لکھنے کی توفیق مل گئی۔"

خواجہ رضی حیدر کی خونِ دل سے لکھی ہوئی تحریر کے اقتباسات ملاحظہ ہوں:

مولانا محمد عبدالمنعم ہزاروی سے میری شناسائی کی عمر تقریباً تین سال ہے، لیکن یہ تین ۳ سال، تیس ۳۰ سال کی شناسائی سے زیادہ عمر رسیدہ ہیں۔ ۱۹۷۶ء کے اواخر میں مولانا شاہ حسین گردیزی کے توسط سے ان سے ملا تھا۔ پھر یہ ملاقات سینکڑوں ملاقاتوں میں بٹ گئی۔ صبح و شام ملاقاتوں کا سلسلہ چل نکلا اور دونوں ایک دوسرے کی محبت کے ایسے اسیر ہوئے کہ بس اسیر ہی ہو کر رہ گئے۔ تکلّف کی تمام دیواریں ایک ایک کر کے اپنائیت کے قدموں میں ڈھیر ہو گئیں۔ کہاں وہ عالمِ باعمل اور کہاں میں عاصی و گناہگار، مگر انہوں نے ذوق کی یکسانیت اور مطالعہ کی ہم آہنگی کے آگے میری دنیاداری کو قطعی نظر انداز کر دیا۔

میں عمر میں ان پر فوقیت رکھتا تھا، اور وہ علم میں مجھ سے کوسوں آگے۔ میں اپنی جہالتوں پر نازاں اور وہ ہر دم میری توصیف میں رطب اللسان۔ بس ایک عجیب اپنائیت کی فضا تھی، جس میں ہم دونوں زندہ تھے۔ بس عجیب رفاقت کا نشہ تھا، جو زائل ہی نہیں ہوتا تھا، مگر ان کی رحلت کے بعد سوچتا ہوں تو ایسا لگتا ہے کہ مولانا یہیں کہیں میرے اطراف میں موجود ہیں اور میں مر گیا ہوں، گویا لوگ اُن کی رحلت پر کم اور میری تنہائی پر زیادہ اظہارِ تعزیت کر رہے ہیں۔

دل کی عجیب و غریب کیفیت ہے، گونگے لفظوں کے سہارے اس سانحہ دل خراش پر کیا دہائی دُوں؟ بُریدہ زبان سے کیسے آہ و فغان کروں؟ کس سے کہوں کہ میرا ہمسفر دشتِ رفاقت میں مجھے تنہا چھوڑ کر عالمِ ارواح کی یاریاں نبھا رہا ہے، مگر قسم ہے پروردگار کی کہ جس راہ پر اُس نے مجھے لگایا تھا، اس پر آخری سانس تک چلتا رہوں گا۔ اگر اُس کی یہ خواہش تھی کہ قرطاس و قلم کا بول بالا رہے، تو جب تک ہاتھ قلم نہیں ہوں گے یہ علم سرنگوں نہیں ہونے دوں گا۔ اگر وہ یہ چاہتا تھا کہ علمائے حق کا ذکرِ خیر تاریخ کا جُزوِ لازم قرار پائے، تو اس تمنا کی تکمیل میں زندگی وقف کر دوں گا۔ سوچتا ہوں شاید وہ عالمِ ارواح سے میرے ثبات کا جائزہ لے کر میری ان خطاؤں کو بھلا دے جو میں نے دانستہ و نادانستہ اس عالمِ خاکی میں اس کے حضور کی تھیں، کیونکہ دمِ رخصت اُس نے اتنی عجلت کا مظاہرہ کیا کہ میں اس سے اپنی ندامتوں کا اظہار بھی نہ کر سکا۔ ہائے کیا زندگی ہے! ہائے یہ لفظ رفاقت اپنے اندر کتنی تنہائیاں سمیٹے ہوتے ہے کہ اب ان تنہائیوں سے نجات مشکل نظر آتی ہے۔

وہ کہتے تھے کہ ہم مستقل خسارے میں ہیں۔ ہم نے گنوایا بہت کچھ ہے اور پایا کچھ بھی نہیں، اور اگر ہم اس طرح گنواتے رہے تو ایک دن دیوالیہ ہو جائیں گے۔ میٹھا لب و لہجہ اسلاف کا ورثہ ہے۔ دُکھ سہہ کر سُکھ کا پرچار کرنا سنتِ سلفِ صالحین ہے۔ مسلمانوں کی چودہ سو سالہ تاریخ میں کہیں پر بھی علما کے یہاں اخلاقی کج روی نظر نہیں آتی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ لوگ اپنے مقاصد میں کامیاب رہے۔ ایک وہ لوگ تھے، جنہوں نے اپنے حُسنِ عمل سے کافروں کے دل موہ لئے اور ایک ہم ہیں کہ مسلمانوں کی اصلاح کا فریضہ بھی انجام دینے کے اہل نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے علم و برکت کے ساتھ ظرف میں بھی وسعت دے تاکہ ہم مشن کی تکمیل میں علمائے سابقین کا عمل اپنا سکیں۔

مولانا کی یہی انقلابی سوچ اُن کو دیگر علمائے سے ممتاز کرتی تھی، وہ اپنے معائب پر نظر

رکھتے تھے۔ اپنے اعمال کا احتساب ایک ضرورت تصور کرتے اور اپنی خامیوں پر استدلال کا غلاف نہیں چڑھاتے تھے مسجد کے حجرے سے لے کر جلسۂ عام تک مولانا کی شخصیت اور قول وفعل میں کوئی تضاد نہ تھا۔ اظہارِ حق ان کا مسلک تھا۔ یہی وجہ ہے کہ نہایت سنگین مراحل پر جہاں مصلحت سے کام لینا ضروری ہوتا ہے۔ مولانا، منصور حلاج کی سنّت پر عمل پیرا دکھائی دیتے۔ بے خطر آتشِ نمرود میں کود پڑنے کا حوصلہ مولانا کی فطرت میں قدرت نے کوٹ کوٹ کر بھر دیا تھا۔

میں نے مولانا کو بہت کم اُداس مغموم دیکھا۔ جب ملے ہنستے اور مُسکراتے ہوئے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ وہ میرے پاس آتے اور گھنٹوں مختلف موضوعات پر گفتگو کرنے کے بعد چلے جاتے اور پھر بعد میں مجھے علامہ شاہ حسین گردیزی سے پتہ چلتا کہ جس دن مولانا میرے پاس آتے تھے، ان دنوں وہ کسی شدید صدمے سے دوچار تھے۔

سُبحان اللہ! عجیب و غریب طبیعت پائی تھی، اُن کی ہر ادا خُوش کُن اور اُن کی شخصیت کا ہر پہلو لائقِ رشک تھا، اُن کا ہر جُملہ دوسروں کے لئے نصیحت آموز ہوتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ میں آج بھی ان کے بلیشتر جملے اپنے حصارِ قلب میں ایک بیدار اور مستعد پہرے دار کی مانند متعین پاتا ہوں۔ میری دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے مدارس سے فارغ ہو کر میدانِ عمل میں نکلنے والے ہر طالب علم میں مولانا کا سا اخلاق، اعلیٰ ظرفی اور مسلک کے ساتھ دیوانہ وار لگن پیدا فرمائے۔

مولانا محمد عبدالمنعم ہزاروی، درسِ نظامی کے فارغ التحصیل تھے۔ جامعہ رحمانیہ، ہری پور، ہزارہ سے لے کر کراچی کے دارالعلوم امجدیہ تک انہوں نے حصولِ علم کی تمنّا میں شب و روز ایک کئے۔ ان کے اساتذہ میں مولانا اللہ بخش، مولانا غلام نبی، مولانا محمد طفیل مرحوم، علامہ عطا محمّد بندیالوی اور علامہ وقار الدین پیلی بھیتی کے اسمائے گرامی سرِ فہرست ہیں۔ مولانا خود کو بڑے فخر کے ساتھ خیر آبادی کہتے تھے۔

اس کی ایک وجہ اُن کی بطلِ حُریت علامہ فضلِ حق خیر آبادی (رحمہ اللہ تعالیٰ) سے حد درجہ عقیدت، اور دوسرے خیر آبادی مکتبۂ فکر کے علماء صدصفات مولانا اللہ بخش رحمہ اللہ تعالیٰ اور علامہ عطا محمد بندیالوی سے حد درجہ قربت تھی۔ کتبِ معقولات سے حد درجہ شغف تھا اور شاید اسی بناء پر انہوں نے اپنے معقولی اساتذہ کے نوٹس بڑی حفاظت سے رکھے تھے۔ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی (قدس سرہ العزیز) سے بلا کی عقیدت تھی۔ چودھویں صدی کے علماء میں اعلیٰ حضرت (رحمہ اللہ تعالیٰ) کو حرفِ آخر تسلیم کرتے اور تمام اصولی اور فروعی مسائل میں اعلیٰ حضرت کا عمل ہمیشہ پیشِ نظر رہتا۔ اعلیٰ حضرت سے بغض و عناد رکھنے والے علماء سے بچتے تھے اور کہتے تھے کہ اعلیٰ حضرت (رحمہ اللہ تعالیٰ) کی تحریک کا بنیادی مقصد عشقِ مصطفوی کا عام کرنا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ شاتمانِ رسُول کے لئے اعلیٰ حضرت (قدس سرہ) کے یہاں کوئی گنجائش و رعایت نہیں تھی، لیکن بعض مصلحت پسند علماء جو خود اعلیٰ حضرت (قدس سرہ) کے فتویٰ کی زد میں آتے تھے، اعلیٰ حضرت (رحمہ اللہ تعالیٰ) کے عمل کو سختی پر منتج کر کے اپنے معائب پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے تھے، جو علماء متقدمین کی سُنّت کے منافی اور ایمانی تقاضوں سے رُوگردانی کے مترادف تھا اور آج بھی جو لوگ اعلیٰ حضرت (رحمہ اللہ تعالیٰ) کی ذات پر حرف آرائی کرتے ہیں، وہ انہی دُنیاوی مصلحتوں کا شکار ہیں۔

مولانا عبد المنعم ہزاروی نے دورۂ حدیث علامہ وقار الدین پیلی بھیتی تلمیذ رشید مولانا امجد علی اعظمی (رحمہما اللہ تعالیٰ) سے کیا تھا۔ اس بناء پر حضرت مولانا وصی احمد محدثِ سُورتی رحمہ اللہ تعالیٰ سے بے پناہ عقیدت کا مظاہرہ کرتے، اگرچہ آپ کی مسندِ حدیث میں جو کہ دار العلوم امجدیہ سے ملی تھی، حضرت محدثِ سُورتی رحمہ اللہ تعالیٰ کا اسمِ گرامی نہیں تھا، لیکن آپ کا کہنا تھا کہ بہرحال یہ تمام فیض حضرت محدثِ سُورتی رحمہ اللہ تعالیٰ ہی کا ہے، جن سے مولانا امجد علی اعظمی قدس سرہ العزیز نے دورۂ حدیث مکمل کر کے دستارِ فضیلت زیبِ سر کی تھی۔

آج سے دو سال قبل (۱۹۷۸ء) میرے محترم دوست محبّی علامہ شاہ حسین گردیزی نے میری توجہ حضرت محدثِ سُورتی رحمہ اللہ تعالیٰ کے تذکرہ کی ترتیب کی جانب دلائی، جن کو اعلیٰ حضرت عظیم البرکت رحمہ اللہ تعالیٰ نے خاتم المحدثین اور اسد الاسد الاشد الارشد کے خطابات سے یاد فرمایا اور جن کے شاگردوں کی ایک بڑی تعداد کو اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے خرقۂ خلافت تفویض فرمایا ہے۔ جب میں نے امورِ دنیاوی سے کچھ وقت بچا کر اس خادمِ احادیث کا تذکرہ ضبطِ تحریر میں لانے کا ارادہ کیا، تو نہایت مختصر معلومات کے سوا اور کچھ بھی سامنے نہ تھا۔ علامہ شاہ حسین گردیزی کے ذہن میں تذکرہ کی ضخامت بہت تھی، جس کے لئے بہر حال مواد اکٹھا کرنا تھا۔ اس مرحلہ پر مولانا عبدالمنعم ہزاروی نے فراخ دلانہ تعاون کرتے ہوئے کئی نادر حوالے فراہم کئے۔ خصوصاً ملّا حسن پر حضرت محدثِ سُورتی رحمہ اللہ تعالیٰ کا حاشیہ متعارف کرانے کا سہرا آپ ہی کے سر ہے۔ یہ حاشیہ دار العلوم امجدیہ کے شیخ الحدیث مولانا محمد وقار الدین پیلی بھیتی کے ذاتی کتب خانہ میں موجود تھا۔

مولانا مرحوم نے اسے تلاش کر کے راقم الحروف تک پہنچایا اور عبارتوں کو سمجھنے میں مدد فرمائی۔ اسی طرح ندوۃ العلماء کے قیام اور اس کی اصلاح کے سلسلہ میں علمائے اہلِ سنت کی کاوشوں سے متعلق معاصر رسائل اور حوالہ جات جمع کرنے میں بھی آپ کا تعاون شامل رہا۔ مجلس علمائے حنفیہ اہلِ سنت کے قیام اور ندوہ کے مقابلے پر اس کے اجلاسوں کی رُوداد کے حصول میں بھی مولانا نے نہ جانے کتنے کتب خانے میرے ہمراہ چھان ڈالے۔ غرض کہ مولانا کا مشن ہی یہی تھا کہ علمائے اہلِ سنت کی خدمات کا تذکرہ واشگاف الفاظ میں کیا جائے تاکہ تاریخ کے طالب علموں کے سامنے تصویر کے دونوں رُخ آسکیں اور اُن کو حق کی شناخت میں آسانی ہو۔

مولانا کو اکثر میری تساہلی پر غصہ آجاتا، لیکن کبھی منہ سے ایک حرف بھی نہ نکالتے، بس یہ کہہ کر چپ ہو جاتے: "اچھا اب آپ سے کچھ لکھنے کو نہیں کہیں گے، مگر اس مضمون کو تو پورا کر دیں۔"

اُن کے غصّہ میں بھی ایک اپنائیت ہوتی اور میں شرم سے گردن جھکالیتا۔ خصوصًا ترجمانِ اہلِ سنّت کی مجلسِ ادارت میں شامل ہونے کے بعد تو اُن کو دوسروں سے مضامین لکھوانے کا گُر آگیا تھا ہر شخص کو ترغیب دیتے کہ آپ کچھ لکھا کریں، مطالعے کے لئے تو عمر پڑی ہوئی ہے۔

مولانا خود صاحبِ قلم تھے۔ ہر چند آپ کا اسلوب پختہ کارانہ نہیں تھا، لیکن اپنا مافی الضمیر بیان کرنے پر قدرت رکھتے تھے۔ ادق اور علمی موضوعات پر آپ نے بہت کم قلم اٹھایا۔ آپ کے مطبوعہ وغیر مطبوعہ مضامین کا زیادہ تر حصّہ سیرت و سوانح پر مشتمل ہے۔ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی، مولانا محمد علی جوہر، مولانا عبد العلیم صدیقی میرٹھی، مولانا نذیر احمد خجندی، پروفیسر قاضی عبد النبی کوکب، علامہ ریاض الحسن نیّر، مولانا محمد طفیل (رحمہم اللہ تعالیٰ) اور بے شمار شخصیات پر مولانا عبد المنعم ہزاروی نے بڑے سیر حاصل مضامین قلمبند کیئے۔ اس کے علاوہ حضرت امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب قواعد العقائد اور علامہ زینی دحلان مفتی مکۃ کی کتاب الدرر السنیہ فی الرد علی الوہابیہ کا ترجمہ بھی انہوں نے مکمل کرلیا تھا۔ ادھر گزشتہ دو سال سے ترجمانِ اہلِ سُنّت کی مجلسِ ادارت میں شامل ہونے کے بعد مسلسل فکر انگیز ادارتی نوٹ لکھے، جن سے آپ کی دینی معاملات کے ساتھ سیاسی معاملات میں ژرف بینی اور بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے۔

ماضی قریب کے علماء کی سیرت و سوانح اور چودھویں صدی ہجری کے ہندوستان کی سیاسی اور ملّی تاریخ مولانا ہزاروی کا محبوب موضوع تھا۔ ادھر کسی عالم کا ذکر خیر آیا اور انہوں نے یادوں اور باتوں کا ایک دفتر کھول دیا۔ ہندوستان کے ہر شہر اور ہر گاؤں کے علماء آپ کی نظر میں تھے۔ یہی نہیں، بلکہ آپ ان علماء کے اساتذہ کے حالات سے بھی بخوبی واقف تھے۔ چودھویں صدی ہجری کی ملّی تحریکات میں شامل علماء کی خدمات پر کن کن رسائل میں کیا کچھ چھپا تھا، سب مولانا کو ازبر تھا۔ ممتاز محقق اور خیر آبادی مکتبۂ فکر کی منہ بولتی یادگار، علامہ حکیم محمود احمد برکاتی، پروفیسر محمد ایوب قادری، جناب شمیم کاظمی،

سیکرٹری انجمن ترقی اُردو، پروفیسر فیاض احمد کاوش، ڈاکٹر محمد مسعود احمد، سید انور علی انور ایڈووکیٹ، مولانا غلام دستگیر افغانی، علامہ غلام رسول سعیدی، راجا رشید محمود کنوینر سُنّی رائٹرز گلڈ پنجاب، حکیم اہل سُنّت جناب محمد موسیٰ امرتسری، مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری، مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی، قاری محمد عطاء اللہ مدیر ماہنامہ فیضان لاہور، محمد صادق قصوری، علامہ سید محمد ہاشم فاضل شمسی، مولانا احمد میاں برکاتی، روزنامہ حریت کراچی کے سب ایڈیٹر جناب محمد علی خان، جناب شمیم الدین، جناب سکندر لکھنوی، مولانا جمیل احمد نعیمی، ان تمام حضرات سے مولانا مرحوم کے خصوصی مراسم تھے اور یہ تمام حضرات، مولانا کے علمی ولولہ ولگن کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے خصوصاً حکیم محمود احمد برکاتی، پروفیسر محمد ایوب قادری، مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری، پروفیسر فیاض احمد کاوش، راجا رشید محمود اور علامہ غلام رسول سعیدی سے مولانا محمد عبدالمنعم ہزاروی علمی معاملات میں استفادہ فرماتے۔ علمی میدان میں مولانا کی شناسائی کا حصار دُور دُور تک پھیلا ہوا تھا ہر وہ شخص جن سے وہ علمی استفادہ کرسکتے تھے، اُن کی دسترس سے باہر نہ تھا۔ اس تگ و دو میں مولانا نے اپنے اور پرائے کی قید بھی ہٹادی تھی اور بلا تکلّف ایسے افراد سے ملتے تھے، جن سے عقائد میں اختلاف موجود تھا۔

مولانا چونکہ خود اس خورد سالی میں نہایت شائستہ طبیعت کے مالک تھے، اس لئے دوسرے بھی آپ کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے اور آپ کے ذوق کی تسکین کا سامان پہنچانے میں ذرہ برابر بخل و تساہل سے کام نہ لیتے۔ مولانا ہر اجنبی کے سامنے دورانِ گفتگو اپنا مسلک کھُل کر بیان کردیتے تاکہ کوئی ایسا مسئلہ سامنے نہ آئے جہاں اختلاف کی گنجائش موجود ہو اور طبیعتوں میں تکدر واقع ہو۔ مولانا کہتے تھے کہ اختلاف سے زیادہ اتفاق میں برکت ہے، کیونکہ اختلاف دُوریوں کو جنم دیتا ہے، ہم ایک دوسرے سے قریب رہ کر ہی کچھ سیکھ سکتے ہیں اور مولانا نے اپنی علمی زندگی میں اپنی اس منطق کا عملی ثبوت بھی دیا اور آپ کو کامیابی بھی حاصل ہوئی۔

مولانا عبدالمنعم ہزاروی اپنی نجی زندگی میں بالکل مختلف آدمی تھے ۔ بذلہ سنجی، شوخی، اور شگفتہ مزاجی، اُن کی طبیعت کا خاصہ تھی ۔ گھنٹوں لطائف و ظرائف کا سلسلہ جاری رکھتے لیکن سنجیدگی کا دامن کبھی ہاتھ سے نہ جانے دیتے ۔ حد تو یہ ہے کہ کبھی کبھی اپنی بدحواسیوں کا ذکر چھیڑ دیتے اور خوب ہنستے اور ہنساتے ۔ کبھی پنجابی زبان میں لطائف سُناتے اور جب مجھ کو اُن سے پوری طرح محظوظ ہوتا نہ پاتے، تو کہتے خواجہ صاحب آپ اب پنجابی تو سیکھ ہی لیں ۔ دیکھیں نا کبھی کبھی تو ہمارا بھی دل چاہتا ہے کہ ہم پنجابی بولیں اور آپ قہقہہ اُچھال دیں ۔ آخر آپ ہم سے بھی تو اچھی اُردو لکھنے اور بولنے کی توقع رکھتے ہیں ۔

مولانا عبدالمنعم ہزاروی ایک اچھے خطیب اور شعلہ بیان مقرر تھے ۔ یُوں تو ہر جُمعہ کو نماز سے قبل کچھ دیر خطاب کرتے تھے، لیکن عام جلسوں میں مولانا کے فنِ خطابت کا پُوری طرح اظہار ہوتا تھا، تقریر میں قصص کم اور معمولاتِ نبوی پر زیادہ گفتگو کرتے ۔ کبھی کبھی علمی مباحث چھیڑ دیتے، چونکہ خود کو خیرآبادی کہتے تھے اور معقولات پر زیادہ توجہ تھی، اس لئے طرزِ استدلال منطقی ہوتا ۔ پہلے سوال پیدا کرتے اور پھر سوال کی اس قدر شاخیں پھیلا دیتے کہ نتیجے پر پہنچنے سے پہلے ہی عوام کے نزدیک مسئلہ بالکل صاف ہو جاتا ۔

گزشتہ سال سُنّی کانفرنس، ملتان کے موقع پر مولانا بہت پُرجوش و سرگرم تھے ۔ ماہنامہ ترجمانِ اہلِ سُنّت، کراچی کا ایک وقیع نمبر اس موقع پر ترتیب دیا اور اس کے بنڈل لے کر کراچی سے ملتان پہنچے ۔ قاسم باغ ملتان میں تل دھرنے کی جگہ نہ تھی ۔ جلسہ گاہ سے ایک طرف مختلف اشاعتی اداروں نے خوبصورت اسٹال لگائے تھے ۔ مولانا نے بھی ایک کونے میں دو میزیں جوڑ کر ماہنامہ ترجمانِ اہلِ سُنّت کا ایک اسٹال لگایا، اور چار دن تک اس اسٹال پر کھڑے ہو کر ترجمانِ اہلِ سُنّت فروخت کیا ۔ ہر چند کہ مولانا غلام دستگیر افغانی نے اس مقصد کے لئے ایک شخص مقرر کیا تھا، لیکن مولانا نے از خود یہ ذمّہ داری قبول کرلی اور ہزاروں کی تعداد میں ترجمانِ اہلِ سنّت فروخت کر ڈالا ۔

مولانا محمد عبدالمنعم ہزاروی (رحمہ اللہ تعالیٰ) اپنے والد میر رحمان کے اکلوتے بیٹے تھے۔ اُن کے والد میر رحمان کا تعلق محکمہ پولیس سے تھا۔ ریٹائرمنٹ سے قبل حیدرآباد سندھ میں متعین تھے، اور اب آبائی گاؤں موضع کھدو ہزارہ میں مقیم ہیں۔ میر رحمان نے مولانا کو بیک وقت ماں اور باپ کی شفقت دی اور بقول مولانا کبھی احساس بھی نہیں ہونے نہیں دیا کہ اُن کی ماں نہیں ہے۔

افسوس! آج مولانا ہم میں نہیں اور اُن کے بیٹے کی ماں کہلانے والی عورت کی حنا کا رنگ اپنی جگہ موجود ہے۔ آج مولانا ہم میں نہیں، لیکن اُن کے بوڑھے والد میر رحمان کی آنکھیں کسی چہرۂ دل نواز کی منتظر ہیں ——— افسوس! آج مولانا ہم میں نہیں، لیکن اُن کی یادیں سرسبز و شاداب ہیں، اُن کی آواز نہاں خانۂ سماعت میں زندہ ہے اور برابر کہہ رہی ہے کہ دیکھو زندگی کو ہمیشہ ایک مشن سمجھنا اور اس مشن کی تکمیل کے لئے اپنی ذاتی اغراض، انا اور تکبر کو حرفِ غلط کی طرح مٹا دینا۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اغیار کی سرخروئی تمہارا تمام عمر مذاق اڑائے گی ؎

گزشت قیس حزیں و ہنوز می گوید
حدیثِ اُو ز زبانِ جرس بہ جرس

مولانا محمد عبدالمنعم ہزاروی رحمہ اللہ تعالیٰ ۸ر صفر، ۲۸ر دسمبر ۱۴۰۰ھ / ۱۹۷۹ء کو ایکسیڈنٹ میں شدید زخمی ہو کر شہید ہوئے۔ مولانا شاہ حسین گردیزی نے بذریعہ ہوائی جہاز اُن کی میت اُن کے آبائی گاؤں پہنچائی، جہاں مولانا عبدالرحیم، خطیب خانپور، ہزارہ نے اُن کی نماز جنازہ پڑھائی، اور ایک جواں سال، ولولہ انگیز اور پیکرِ عزم و ہمت کو سپردِ لحد کر دیا گیا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔ [1]

---

[1] اس مقالہ میں ذاتی تاثرات اور مولانا کے مکتوبات کے علاوہ تمام مواد خواجہ رضی حیدر کے مقالہ سے لیا گیا ہے، جو مجلّہ کاروانِ قمر، کراچی کے شمارہ دسمبر ۱۹۹۵ء میں شائع ہوا، ۱۲ قادری

علامۃ العصر حضرت مولانا غلام جہانیاں معینی قریشی رحمہ اللہ تعالیٰ

ڈیرہ غازی خاں

حضرت علامہ مولانا غلام جہانیاں ابن مولانا قاضی شریف محمد (رحمہما اللہ تعالیٰ) کی ولادت باسعادت ۱۳۲۶ھ / ۱۹۰۸ء میں موضع جھگی والا، ضلع مظفر گڑھ میں ہوئی[۱]، حضرت علامہ مولانا غلام مہر علی مدظلہ (چشتیاں شریف) نے تاریخ پیدائش ماہ رجب ۱۳۳۰ھ لکھی ہے[۲]۔ آپ کے نانا حضرت مولانا غوث بخش قریشی رحمتہ اللہ تعالیٰ بھی مشہور عالم دین تھے۔ ابھی آپ کی عمر اڑھائی برس تھی کہ آپ کے والد ماجد انتقال فرماگئے، قرآن پاک کا کچھ حصہ اپنے ماموں مولانا لعل محمود قریشی سے پڑھا، پرائمری تک سکول میں پڑھنے کے بعد قصبہ جھگی والا کے قریب واقع گاؤں کوٹلہ بند علی میں مولانا غلام حسین سے فارسی کی کتابیں پڑھیں، قصبہ شاہ جمال نزد جام پور میں پیر صاحب صرفی سے صرف و نحو کی کتابیں پڑھیں، درمیانے درجے کی کتب مولانا فیض محمد شاہ جمالی سے قبصہ شاہ جمال، ضلع ڈیرہ غازی خاں پڑھیں[۳]، کچھ کتابیں جامعہ نعمانیہ، لاہور میں مولانا محمد دین بدھوی سے پڑھیں، کچھ علوم مدرسہ احیاء العلوم، مظفر گڑھ میں مولانا سید غلام حسین سے حاصل کیے، اسی طرح مولانا غلام رسول محدث مظفر گڑھی، مولانا محمد امین مظفر گڑھی سے مظفر گڑھ میں علمی استفادہ کیا، حدیث شریف محدث علامہ محمد اشرف سے مدرسہ سبحانیہ، ملتان میں پڑھی اور ۱۳۴۹ھ / ۱۹۳۱ء

۱؎ محمد ظفریاب قریشی: علامۃ العصر (طبع ڈیرہ غازی خاں) ص ۳

۲؎ غلام مہر علی، مولانا علامہ: الیواقیت المھریہ (طبع چشتیاں شریف) ص ۱۲۷

۳؎ محمد ظفریاب قریشی: علامۃ العصر ص ۵-۴

میں فارغ ہو کر سند حدیث حاصل کی[1]

فراغت کے بعد دو سال مدرسہ عربیہ، کوٹلہ رحم علی شاہ میں بحیثیت صدر مدرس تدریس کے فرائض سرانجام دیئے، اس کے بعد دو سال مدرسہ سبحانیہ، ملتان شریف، ایک سال مدرسہ معین الاسلام، قصبہ جتوئی ضلع مظفر گڑھ، دو سال مدرسہ اسلامیہ، شجاع آباد ضلع ملتان، پانچ سال مدرسہ عربیہ، موضع ریکڑہ ضلع ڈیرہ غازی خاں میں علوم دینیہ کی تدریس میں مصروف رہنے کے بعد ۱۳۶۲ھ میں مرکزی جامع مسجد (بلاک نمبر ۳) ڈیرہ غازی خان بحیثیت خطیب کے تشریف لے گئے اور وہاں جامعہ معینیہ کا سنگ بنیاد رکھا[2] جہاں عمر بھر حکمت و دانش کے موتی مواعظ اور تدریس کے ذریعے لٹاتے رہے۔

حضرت مولانا غلام جہانیاں رحمہ اللہ تعالیٰ کی پہلی شادی ماموں زاد بھائی مولانا غلام حسن کی صاحبزادی سے ہوئی جن کا کچھ عرصہ بعد انتقال ہو گیا، دوسری شادی حضرت مولانا فیض محمد شاہ جمالی کی صاحبزادی سے ہوئی، جن سے اللہ تعالیٰ نے انہیں پانچ بیٹے ڈاکٹر محمد مظہر حسن قریشی جام پور، حکیم فیض الحسن قریشی جام پور، انور حسین قریشی ایڈووکیٹ ڈیرہ غازی خاں، صاحبزادہ مولانا ظہور الحسن قریشی (جانشین) خطیب جامع مسجد، شمس الحسن ایم بی بی ایس اور دو صاحبزادیاں عطا فرمائیں۔

حضرت مولانا درس نظامی کے تمام علوم و فنون میں کامل مہارت رکھتے تھے، اور تدریس میں انہماک کا یہ عالم تھا کہ نماز تہجد سے لے کر نماز عصر تک علوم دینیہ کے پڑھانے میں مصروف رہتے، مخالفین طلباء بطور آزمائش آتے اور ہمیشہ

---

[1] غلام مہر علی علامہ — الیواقیت المہریہ (عربی) ص ۱۲۸

[2] غلام مہر علی، مولانا علامہ — الیواقیت المہ ۔ ص ۱۲۸

کیلئے دریوزہ ہو کر رہ جاتے۔

حضرت مولانا نے قدوۃ العارفین حضرت خواجہ محمد معین رحمہ اللہ تعالیٰ کوٹ مٹھن شریف کے دست اقدس پر سلسلہ عالیہ چشتیہ نظامیہ فریدیہ میں بیعت کی، ان ہی کی نسبت سے آپ اپنے نام کے ساتھ معینی لکھا کرتے تھے، ان کے علاوہ متعدد حضرات سے روحانی فیض حاصل کیا۔

آپ نے ڈیرہ غازی خاں بلاک نمبر ۳ میں نہ صرف عالیشان مسجد تعمیر کروائی بلکہ وہاں مسلک اہل سنت و جماعت کی مختلف تقریبات کا شان و شوکت سے اہتمام کرتے اور محدث اعظم ہند حضرت مولانا سید محمد محدث کچھوچھوی، حضرت صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی حضرت مولانا نواب الدین (رامداسی) حضرت مفتی اعظم پاکستان علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری اور غزالئی زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمہم اللہ تعالیٰ ایسے اکابر علماء اہل سنت کو مدعو کرتے اور ان کے ارشادات سے عوام و خواص کو مستفید ہونے کا موقع فراہم فرماتے[1]

حضرت مولانا غلام جہانیاں طلباء کو صرف درس نظامی کے پڑھانے پر اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ ان کی روحانی تربیت کا بھی اہتمام فرماتے تھے، عموماً عصر کی نماز کے بعد اولیاء کرام کے حالات، ارشادات، اوراد و اذکار اور کرامات بیان کر کے ان کے اطمینان قلب کا سامان فراہم کرتے تھے، اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی محبت سے نہ صرف خود سرشار تھے بلکہ اپنے تلامذہ اور سامعین کو بھی سرشار کر دیتے تھے، بعض باذوق شاگردوں کو

---

[1] محمد [illegible]ب قریشی، علامۃ العصر ص ۱۳-۸

مثنوی شریف اور دیوان فرید سبقاً پڑھاتے تھے، علامہ اقبال کے اشعار بھی نوک زبان تھے۔

تمام علماء اہل سنت کی طرح آپ نے بھی تحریک پاکستان میں بھرپور حصہ لیا، مسلم لیگ کے اکثر و بیشتر اجلاس آپ ہی کی مرکزی جامع مسجد میں ہوا کرتے تھے ڈاکٹر احمد یار قیصرانی، ملک محمد نواز اور جناب اللہ بخش آپ کے دست راست تھے، قیام پاکستان سے چند ماہ پہلے یونینسٹ حکومت کے خلاف اور پاکستان کے حق میں عظیم الشان جلوس اسی مسجد سے نکلا جس کی قیادت سردار جمال خاں لغاری اور اخوند عبدالکریم نے کی، انگریز ڈی سی کے حکم پر لاٹھی چارج ہوا، اس کے باوجود شرکاء ثابت قدم رہے۔

حضرت مولانا غلام جہانیاں نے مرکزی پاک سنی تنظیم قائم کی جس میں ابتداًء آپ کے شاگرد اور مرید شریک ہوئے پھر اس کا حلقۂ اثر پورے پنجاب میں پھیل گیا۔ حضرت مولانا محمد شریف نوری قصوری رحمہ اللہ تعالیٰ اور حضرت مولانا خدا بخش اظہر مدظلہ العالی بھی اس تنظیم میں آپ کے دست و بازو تھے۔ جمیعۃ العلماء پاکستان اور تنظیم المدارس کے پروان چڑھانے میں بھی آپ نے اہم کردار ادا کیا، میلادالنبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے موقع پر عظیم الشان جلسوں اور جلوس کا اہتمام فرماتے۔ غرض یہ کہ حضرت مولانا غلام جہانیاں معینی قریشی اپنی ذات میں ایک انجمن اور ایک ادارہ تھے۔

حضرت نے تمام عمر علوم دینیہ کی تدریس میں بسر کی کچھ عرصہ سکول میں بھی پڑھاتے رہے اس لئے آپ کے تلامذہ کی فہرست بہت طویل ہے جو محترم محمد ظفریاب نے اپنے رسالہ علامۃ العصر کے آخر میں دی ہے۔ ملتان، مظفر گڑھ، اوچ شریف، ڈیرہ غازی خاں میں آپ کے تلامذہ کی بڑی تعداد اس وقت بھی

موجود ہے، ان میں دینی مدارس کے مدرسین بھی ہیں، خطباء بھی، کالجوں کے لیکچرر اور پرنسپل بھی مولانا مفتی غلام سرور قادری ناظم اعلیٰ جامعہ رضویہ، ماڈل ٹاؤن لاہور بھی آپ کے تلامذہ میں سے ہیں۔ علامہ عبدالرحمٰن معینی آپ کے بھتیجے، داماد اور شاگرد رشید ہیں، گورنمنٹ ہائی سکول نمبر 1 ڈیرہ غازی خاں میں مدرس رہ چکے ہیں، اب ریٹائر ہو چکے ہیں، ان کی فرمائش پر یہ چند سطور جناب محمد ظفریاب کے رسالہ علامۃ العصر سے استفادہ کرتے ہوئے لکھی گئی ہیں، تاہم یہ گزارش ضرور کروں گا کہ اتنے بڑے علامہ کی حیات و خدمات کیلئے چوبیس صفحے کا یہ رسالہ کافی نہیں ہے، ان پر تو ایک مبسوط کتاب آنی چاہئے۔

جناب محمد ظفریاب نے آپ کی تین تصانیف کا ذکر کیا ہے (۱) کا نام دیئے بغیر یہ تعارف کروایا ہے کہ اس میں سلوک کو قرآن و حدیث کی روشنی میں حق اور راہ ہدیٰ ثابت کیا ہے اور حضور سرور کائنات صاحب لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم سے لے کر اپنے پیر و مرشد تک کے حالات و کرامات بیان کئے ہیں۔ (۲) ارشاد فرید الزمان متعلق مرزا قادیاں۔ (۳) رسالہ معیار الاسلام فی توقیر سادات کرام۔

علم و عرفان کا نیر تاباں ۲۳ محرم ۲۰ جنوری ۱۳۹۷ھ / ۱۹۷۷ء جمعہ کی رات بعد از نماز عشاء غروب ہو گیا اور اپنے خالق و مالک کی بارگاہ میں حاضر ہو گیا، آپ کے قائم کردہ مدرسہ میں ہی آپ کی آخری آرام گاہ بنائی گئی۔ رحمتہ اللہ تعالیٰ ورضی عنہ۔

۲۹ ربیع الثانی ۱۴۱۹ھ، ۲۳ اگست ۱۹۹۸ء

فاضلِ جلیل مولانا علامہ غلام رسول سعیدی شارح مسلم تشریف

مولانا علامہ غلام رسول سعیدی دامت برکاتہم العالیہ ۱۹۳۸ء میں دہلی کے ایک متموّل خاندان میں پیدا ہوئے۔ دہلی میں پانچ جماعت تک ہی تعلیم حاصل کی تھی کہ ۱۹۴۷ء کا وہ ہنگامہ خیز سال آگیا، جس میں اسلام کے شیدائیوں نے تن من دھن اور وطن تک کی اس لئے بازی لگادی کہ پاکستان چلیں گے، وہاں اسلام کا پاکیزہ آئین ہوگا وہاں پوری آزادی کے ساتھ دینِ اسلام کی نشوونما دیکھ سکیں گے۔ سب کچھ لٹا کر بھی اگر اسلام کے جھنڈے کے تلے جینے کا موقع مل گیا تو ہمیں کچھ غم نہ ہوگا۔ ہماری موت وحیات بیگانوں کے لئے نہیں اپنے دین اور اپنے رب کریم کے لئے ہوگی۔ آج جب دیکھا جاتا ہے کہ اس پاک ملک میں آئین اسلامی تو نافذ نہیں کیا گیا، بلکہ سوشلزم، کمیونزم اور مودودی ازم کو نافذ کرنے کی اسکیمیں بنائی جا رہی ہیں، تو دین و مذہب کے متوالوں کا خون کھول اُٹھتا ہے، انہیں اپنی آرزوؤں کا خون ہوتا ہوا نظر آتا ہے۔ آخر ایک سچا اور مخلص مسلمان کتاب وسنت کا آئین چھوڑ کر ایسے قانون کو کس طرح قبول کر سکتا ہے جس کی بنیاد یہودیوں نے رکھی ہو، جسے دین و مذہب کے ساتھ کسی طرح کا لگاؤ نہ ہو، بلکہ حد درجہ کی دشمنی ہو جس کا پرچار کرنے والے مذہب کو افیون قرار دیں، نعوذ باللہ من ذالک۔ دوسری طرف ایک باخبر مسلمان مودودی ازم کو بھی کسی طرح نہیں اپنا سکتا، جس کی بنیاد انبیاء کرام، صحابہ و اولیاء عظام اور ائمہ مجتہدین کی توہین پر ہو۔ اس گئے گزرے دور میں بھی مسلمان سب کچھ برداشت کر سکتا ہے، لیکن کتاب وسنت کے خلاف کسی آئین کو قبول نہیں کر سکتا۔

اسی ہنگامے میں مولانا سعیدی صاحب اپنے خاندان سمیت دہلی سے ہجرت کر کے

کراچی چلے آئے ہیں، جہاں مزید نویں جماعت تک تعلیم جاری رکھی اور اس کے بعد پریس میں ملازمت اختیار کر لی۔

ان کا کہنا ہے کہ ملازمت کے دوران اگرچہ عام لوگوں کی طرح مذہب اور دینی مسائل سے چنداں واقفیت نہ تھی۔ مزید برآں یہ کہ والد صاحب اور بڑے بھائی صاحب اہل حدیث تھے، لیکن بایں ہمہ صلوٰۃ و سلام کی محبت اور چاشنی میرے نہاں خانۂ دل میں جاگزیں تھی، حتیٰ کہ اگر رات کے وقت بھی کہیں سے صلوٰۃ و سلام کے رُوح پرور نغمے کی آواز سُنائی دیتی تو اُٹھ کر دست بستہ ہو کر کھڑا ہو جاتا اور جب تک صلوٰۃ و سلام کی پیاری اور دل کش آواز آتی رہتی، ادب و احترام سے کھڑا رہتا۔ واقعی ذوقِ سلیم اور سلامتیٔ طبع کسی کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ یہ تو ربِّ کریم کی دین ہے جسے چاہے نواز دے۔ ذَالِكَ فَضْلُ اللهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ۔

دین کی تعلیم حاصل کرنے کا شوق اس طرح پیدا ہوا کہ ۱۹۵۶ء میں پریس کی طرف سے جمعہ کی نماز ادا کرنے کے لئے وقفے کی منظوری ہوئی۔ حُسنِ اتفاق کہ سعیدی صاحب جس مسجد میں نماز جمعہ ادا کرنے کے لئے گئے، وہاں سُنّی حنفی بریلوی خطیب تھے۔ ہوتے ہوتے آرام باغ کی جامع مسجد میں جانا شروع کر دیا۔ وہاں مناظرِ اسلام ضیغمِ سُنّیت مولانا محمد عمر اچھروی دامت برکاتہم العالیہ کی تقریریں سُننے کا اتفاق ہوا۔ ان کی تقریروں میں بلا کا سوز و گداز تھا۔ آفتاب عالمتاب تاجدارِ مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی والہانہ محبت اور عقیدت کے چشمے پھوٹتے تھے۔ بس پھر کیا تھا، دل میں علم دین حاصل کرنے کی تڑپ پیدا ہو گئی، ذہنی طور پر ایک انقلاب آ چکا تھا۔

پہلے پہل قرآن مجید کی تلاوت اور اس کا ترجمہ پڑھنا شروع کیا۔ اتفاقاً جو قرآن مجید گھر میں موجود تھا، اس پر مولوی اشرف علی تھانوی دیوبندی کا ترجمہ تھا، جس میں جا بجا یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی تھی کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کو علمِ غیب نہیں، جبکہ مولانا سعیدی صاحب مبلغ اسلام مولانا محمد عمر اچھروی کی تقریروں میں بارہا سُن چکے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب لبیب، نبی کریم، رؤف و رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بے شمار علومِ غیبیہ عطا فرمائے ہیں، جیسے کہ تعصب و جانبداری سے ہٹ کر قرآن و حدیث کا مطالعہ کرنے والے کے لئے یہ بات مخفی نہیں۔ دل میں ایک خلش پیدا ہو گئی کہ ایک طرف نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم شریف کا پرچار ہے، دوسری طرف انکار۔ ان میں سے کونسی بات درست ہے۔ آخر دل میں یہ بات آئی کہ باقاعدہ علمِ دین حاصل کر کے ہی پوری تسلی کی جا سکتی ہے۔

انہی دنوں جامعہ محمدیہ رضویہ، رحیم یار خان کے سالانہ اجلاس کا اشتہار نظر سے گزرا، جس میں علمِ دین کے شائقین کو پڑھنے کی دعوت دی گئی تھی۔ مولانا سعیدی صاحب فوراً رحیم یار خان پہنچے اور جامعہ محمدیہ رضویہ میں داخل ہو گئے۔ مولانا غلام رسول صاحب سعیدی کا کہنا ہے کہ میں نے درسِ نظامی کے تمام مروّجہ علوم پڑھے۔ حدیث و تفسیر اور اجلّہ علماء کی تصنیفات کا غائر نظر سے مطالعہ کیا، لیکن نبیِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علمِ غیب شریف کے انکار کی کوئی گنجائش نظر نہیں آئی۔

نیز اس طرف آ کر اعلیٰ حضرت، امامِ اہل سنّت، مجدّدِ دین و ملّت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ کی تصنیفات کے مطالعے کا بھی موقع ملا۔ مولانا سعیدی صاحب کو آپ کی تحریرات میں آقائے دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علمِ غیب کے بیان کے لہلہاتے ہوئے باغ دکھائی دیئے۔ مولانا سعیدی صاحب اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی تحریرات سے بے حد متاثر ہیں، فرماتے ہیں:

اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب فاضل بریلوی قدس سرہ کے علمی کارنامے یوں تو ان گنت اور بے شمار ہیں، لیکن جو خصوصیت آپ کے ترجمۂ قرآن

کو حاصل ہے، وہ اسی کا حصّہ ہے۔ یہ ترجمہ تمام معتبر تفاسیر کا خلاصہ ہے۔ آسان اور سادہ عبارت کے ٹکڑوں میں حقائق و معارف کے خزینے سموکر رکھ دیئے ہیں۔ کلام الٰہی کی ظاہر نصوص پر جو اشکال وارد ہوتے ہیں — ترجمہ کی خوبی سے وہ سب مندفع ہوجاتے ہیں۔ اس ترجمہ میں رازی کی موشگافیاں ہیں، غزالی کا تصوّف ہے، جامی کی وارفتگی ہے نعمان کا تفقہ ہے، آلوسی کی دقت ہے۔۔ میں نے اعلیٰ حضرت کا زمانہ نہیں پایا، لیکن جب میں آپ کی تحریرات کو دیکھتا ہوں، تو میرے ذہن میں ایک ایسی شبیہ اُبھرتی ہے جس کی آنکھوں میں فاروقی جلال، لبوں پر ملکوتی تبسم، چہرہ ایسا جیسے کھلا ہوا قرآن، گفتار میں علی مرتضیٰ کی حلاوت، کردار میں ابوذر کا استغناء، نفس میں گرمئ صدیق، انداز میں بلال کی تب و تاب۔ الغرض اعلیٰ حضرت کی شخصیت کیا ہے، گویا انجمن عشاق مصطفیٰ کا ایک جامع عنوان ہے (توضیح البیان لخزائن العرفان ص۲۴)

مولانا سعیدی صاحب تقریباً ڈیڑھ سال جامعہ محمدیہ رضویہ، فاضل اجل مولانا الحافظ عبدالمجید صاحب کی خدمت میں رہ کر استفادہ کرتے رہے۔ اسی دوران حضرت غزالی زماں رازیٔ دوراں علامہ احمد سعید شاہ صاحب کاظمی شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ بہاولپور کے دست حق پرست پر بیعت سے مشرف ہوئے۔ اسی نسبت سے اپنے آپ کو سعیدی کہتے ہیں۔ اس کے بعد لاہور کی مشہور و معروف دینی درس گاہ جامعہ نعیمیہ، گڑھی شاہو، لاہور تشریف لے آئے اور رئیس الاذکیاء حضرت العلامہ مفتی محمد حسین نعیمی مدظلہ العالی سے استفادہ کیا۔ قطبی شرح جامی، جلالین شریف وغیرہ انہی سے پڑھیں۔ تلخیص المفتاح کے چند اسباق قدوۃ الاتقیاء حضرت العلامہ مفتی عزیز احمد بدایونی رحمہ اللہ تعالیٰ سے پڑھے۔

جامعہ نعیمیہ میں ملک المدرسین استاذ العلماء مولانا عطا محمد چشتی گولڑوی مدظلہ العالی شیخ الحدیث دارالعلوم امدادیہ مظہریہ بندیال شریف ضلع خوشاب کے متعلق سُنا کہ اس

وقت مدرسین میں ان کے پائے کا کوئی عالم نہیں اور ان کے تلامذہ اکثر و بیشتر قابل ترین مدرس ہیں۔ ساتھ ساتھ یہ بھی پتہ چلا کہ بندیال شریف ایک دُور افتادہ دیہات ہے۔ وہاں طلبہ کو وہ سہولتیں میسّر نہیں ہوتیں جو عموماً شہروں میں ہوتی ہیں، لیکن بایں ہمہ شوق تھا کہ ایک لمحہ بھی ٹھہرنے نہ دیتا تھا۔ آخر تمام تکالیف کے لئے تیار ہو کر سر چشمۂ علم و فضل کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے۔ ان دنوں راقم الحروف بھی بندیال شریف میں زیر تعلیم تھا۔ ان دنوں طریقہ یہ تھا کہ دوپہر کے وقت ایک ایک روٹی فی کس ملتی تھی (وہ روٹی خاصی بڑی ہوتی تھی) جسے طلباء دوپہر کے وقت لسّی کے ساتھ کھاتے، لیکن سعیدی صاحب کے لئے لسّی مُضر تھی، اس لئے اکثر و بیشتر لقمہ منہ میں ڈال کر اُوپر سے پانی کا گھونٹ پی لیتے اور اس طرح پوری روٹی کھا لیتے اور کبھی کبھار چار پیسے کا گڑ لے لیتے اور اس سے روٹی کھا لیتے (دراصل ان دنوں بندیال شریف کے مدرسے کی آمدن کچھ اتنی نہ تھی کہ طلبا کا انتظام بہتر بنایا جا سکے۔ اب بفضلہٖ تعالیٰ پہلے کی نسبت بہت بہتر انتظام ہے)

تین ساڑھے تین سال بندیال شریف رہے اور معقول و منقول کی آخری کتب مثلاً قاضی مبارک، حمد اللہ، شمس بازغہ، صدرا، خیالی، ہدایہ اخیرین، مشکوٰۃ شریف، ترمذی وغیرہ پڑھیں۔ تصریح اقلیدس استاذ العلماء جامع معقول منبع منقول مولانا ولی النبی صاحب سے اور سراجی مولانا العلامہ مختار احمد صاحب سے جامعہ قادریہ رضویہ لائل پور میں پڑھی۔ مروجہ علوم و فنون کی تکمیل کے بعد ۱۹۶۶ء کی ابتدا میں جامعہ نعیمیہ لاہور میں مدرّس مقرر ہوئے اور ایک عرصہ تک فرائض تدریس انجام دینے کے بعد دارالعلوم نعیمیہ کراچی چلے گئے، جہاں حدیث شریف اور دیگر علوم کی تدریس کے ساتھ ساتھ شرح مسلم سات ضخیم جلدوں میں لکھ چکے ہیں، اور اب قرآن کریم کی تفسیر لکھ رہے ہیں۔

مناظرہ

دیوبندی اور وہابی حضرات دوسرے کئی اچھے کاموں کی طرح محفل میلاد منعقد کرنے

سے بھی منع کرتے ہیں، اسے بدعت اور کنہیا کے جنم کی مثل سوانگ قرار دیتے ہیں۔ ۱۹۶۶ء میں حلقہ گڑھی شاہو میں ایک وہابی نے اہل سنت وجماعت کو محفلِ میلاد منعقد کرنے پر سخت سُست کہا، حتیٰ کہ نوبت مناظرے تک جا پہنچی۔ سُنیوں کی طرف سے فاضل نوجوان مولانا غلام رسول صاحب سعیدی اور وہابیوں کی طرف سے فریقِ مخالف کے مشہور ومعروف مولوی عبدالقادر روپڑی مناظر مقرر ہوئے۔ مولانا سعیدی صاحب کا یہ پہلا مناظرہ تھا۔ دورانِ مناظرہ روپڑی صاحب نے یہ کہہ دیا اگر محفلِ میلاد منانا کوئی اچھا کام ہوتا تو حضور اسے ضرور کرتے۔ اب اگر کوئی اسے اچھا کام سمجھ کر کرتا ہے، تو یہ حضور کی توہین ہے، کیونکہ اس کا معنی یہ ہوگا کہ ایک اچھا کام حضور نے نہیں کیا۔ اس پر سعیدی صاحب نے گرفت کی کہ قرآن کریم کو نبیٔ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یکجا مصحف میں جمع نہیں فرمایا۔ تمہارے قول کے مطابق یہ کام اچھا نہ ہوا، حالانکہ شیخین کریمین حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے یہ کام انجام دیا تھا۔ اس کا معنیٰ یہ ہوگا کہ حضرات شیخین کریمین نے اچھا کام نہیں کیا۔ یہ صحابہ کرام کی توہین و بے ادبی ہے، لہٰذا اس بات کو واپس لو۔ اس سخت گرفت پر روپڑی صاحب نے بھرے مجمع میں قرآن مجید اٹھا کر انکار کر دیا کہ میں نے یہ بات نہیں کی، اس طرح انہیں برسرِ مجلس شکست فاش کا سامنا کرنا پڑا۔

دوسری دفعہ ۱۰ نومبر ۱۹۶۹ء میں محلہ توحید گنج لاہور میں روپڑی صاحب ہی کے ساتھ علمِ غیب کے موضوع پر مناظرہ طے پایا۔

اوّل تو روپڑی صاحب مقررہ وقت آٹھ بجے کی بجائے ساڑھے گیارہ بجے آئے۔ پھر گفتگو شروع ہوئی، تو آخر میں علامہ سعیدی صاحب نے عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ (الآیۃ) کے تحت مشہور غیر مقلد نواب صدیق حسن بھوپالی کی عبارت تفسیر فتح البیان سے پیش کی جس میں انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علمِ غیب کو واضح الفاظ

میں بیان کیا ہے۔ کچھ وقت تو روپڑی صاحب جواب دینے کی کوشش کرتے رہے، لیکن جب نہ بن آیا، تو میدان چھوڑ کر چل دیئے، اس وقت عجیب نظارے کا عالم تھا یہ سعیدی صاحب کی دوسری روشن کامیابی تھی

تصنیفات

حضرت مولانا علامہ غلام رسول سعیدی صاحب مدرّس مفتی اور خطیب ہونے کی وجہ سے بے حد مصروف آدمی ہیں، لیکن اس کے باوجود میدان تحریر میں بھی خاصے طاق واقع ہوئے ہیں۔ چنانچہ حیات استاذ العلماء (مولانا یار محمد صاحب بندیالوی قدس سرہ) آپ ہی کی تحریر ہے۔ ذکر بالجہر، تسخیر قمر، حضور کی نماز جنازہ، فلسفۂ قربانی وغیرہ پر آپ نے مبسوط مضامین لکھے ہیں جو کہ شائع ہو چکے ہیں۔ آپ کی مایہ ناز اور قابل صد افتخار تصنیف توضیح البیان لخزائن العرفان اور شرح مسلم شریف ہے،

علامہ سعیدی صاحب فرماتے ہیں، اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ العزیز کا ترجمۂ قرآن مجید بے نظیر و بے مثال ترجمہ ہے۔ تمام معتبر تفاسیر کا نچوڑ اور خلاصہ ہے۔ اہل علم کا کہنا ہے کہ اردو زبان میں ایسا جامع اور مکمل ترجمہ کہیں دیکھنے میں نہیں آیا۔ اس پر حضرت صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی قدس سرہ کا حاشیہ تو سونے پر سہاگہ ہے۔ اس کی عظمت و جلالت کا فیصلہ اہل علم مطالعے کے بعد ہی کر سکتے ہیں۔

یہ گراں مایہ ترجمہ اور بلند پایہ تفسیر جہاں اہل سنّت وجماعت کے لئے سرمایۂ افتخار و شادمانی ہے، وہاں مخالفین کے لئے پیغام رشد و ہدایت ہے۔ البتہ بغض و عناد کی عینک لگا کر دیکھنے والے اسے اپنے لئے پیام اجل سمجھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب تاج کمپنی والوں نے بے پناہ اہمیت اور مقبولیت کے پیش نظر اس ترجمہ و تفسیر

کو شائع کیا، تو مخالفین کے ہاں صفِ ماتم بچھ گئی۔ پہلے تو تاج کمپنی کے دیوبندی کارکنندگان نے اسرائیلی حربے تحریف سے کام لیا۔ ترجمہ و تفسیر میں ردّو بدل کر کے اسے اپنے مسلک کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی۔ جب اس پر بھی دل ٹھنڈا نہ ہوا تو وہی پُرانے اعتراضات جن کا جواب اہلِ سُنّت وجماعت کی طرف سے بارہا دیا جا چکا ہے، لے کر اُٹھ کھڑے ہوئے اور گکھڑ کے مولوی سرفراز صفدر نے انہی اعتراضات کو یکجا کر کے ایک کتابچہ تنقیدِ متین بر تفسیر نعیم الدّین لکھ مارا، بزعمِ خویش وہ بہت دُور کی کوڑی لائے تھے۔

مولوی سرفراز صفدر اس کتاب میں کوئی نیا شبہ یا اعتراض تو نہ پیش کر سکے، لیکن اس کتاب میں علمائے اہلِ سُنّت وجماعت کے اکابر علماء کے بارے میں وہ بازاری زبان اختیار کی کہ تہذیب و شرافت انگشت بدنداں رہ گئی۔

اہلِ سُنّت وجماعت کے اکابر علماء کے شایانِ شان نہ تھا کہ ایسے آوارہ قلم آدمی کو منہ لگاتے، لیکن حضرت العلامہ ادیب محقق مدقق فاضلِ نوجوان مولانا غلام رسول سعیدی صاحب مسلکِ اہلِ سنّت وجماعت اور اساطینِ اہلِ سُنّت وجماعت کے بارے میں ہرزہ سرائی برداشت نہ کر سکے۔ حمیّتِ دینی نے انہیں پکارا تو وہ بے اندازہ مصروفیات کے باوجود شمشیرِ قلم لے کر میدان میں نکل آئے اور کمالِ حُسن و خوبی کے ساتھ مسلکِ اہلِ سُنّت وجماعت کی طرف سے دفاع کیا۔

جزاہ اللہ تعالیٰ عنّا وعن جمیع المسلمین خیر الجزاء

حضرت مولانا سعیدی صاحب نے توضیح البیان میں ہر مسئلے کو دلائل و براہین کی روشنی میں اظہر من الشمس کر دیا ہے۔ سرفراز صاحب کے اطمینان کے لئے اُن لوگوں کی عبارتیں بھی بکثرت پیش کر دی ہیں، جن کے کندھوں پر دیوبندی نظریات کی عمارت قائم ہے۔ سرفراز صاحب کے شکوک و شبہات کا پوری طرح صفایا کر دیا

گیا ہے۔ سرفراز صاحب اور اُن کے ہم خیال حضرات کے خانہ ساز قواعد پر بیشمار اعتراضات کر کے انہیں ناقابلِ قبول قرار دے دیا ہے۔ بہت سے مقامات پر سرفراز صاحب کی دست گیری اور راہنمائی بھی فرمائی ہے۔ پڑھے لکھے لوگ یہ جان کر حیران ہوں گے کہ سرفراز صاحب نے مقصد برآری اور حق کا انکار کرنے کے لئے قطع و برید کی قینچی کو بڑی چابکدستی سے استعمال کیا ہے۔ مولانا سعیدی صاحب نے اس دجل و فریب کو پوری طرح بے نقاب کر دیا ہے۔ سرفراز صاحب نے اپنی کم مائیگی یا عناد کی وجہ سے ترجمہ یا تفسیر کے جس مقام پر اعتراضات کئے ہیں، وہاں حضرت مولانا سعیدی صاحب نے بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے کہ یہ ترجمہ و تفسیر گو کہ معتزلہ کے مذہب کے موافق نہیں، لیکن اہل سُنّت و جماعت کی تفاسیر کا خلاصہ اور نچوڑ ہے جسے چیلنج نہیں کیا جا سکتا۔ پھر لُطف یہ ہے کہ توضیح البیان جس طرح تنقید کا بہترین شاہکار ہے، اسی طرح زبان و ادب کا بہترین مُرقع ہے۔

تحریکِ پاکستان کے عظیم قائد

محدّثِ اعظم ہند مولانا سید محمد محدّث کچھوچھوی قدس سرہ العزیز

قیامِ پاکستان، مسلمانوں کے لئے اللہ تعالیٰ کا عظیم انعام تھا۔ اسلام کے نام پر قائم ہونے والی سب سے بڑی اسلامی سلطنت کے قیام نے پوری دُنیا کو حیرت میں ڈال دیا۔ دراصل تمام قوم اس مطالبے پر متفق ہوگئی تھی کہ مسلمانوں کے لئے الگ ایک خطہ زمین متعین کیا جائے۔ جہاں قانونِ اسلام کی حکمرانی ہو اور مسلمان آزادانہ خدا اور رسول کے احکام کے مطابق زندگی بسر کرسکیں۔ افسوس، ۴۰ سال کا عرصہ گزرنے کے باوجود آج تک اسلامائزیشن کا سلسلہ مکمل نہ ہوسکا۔ ہمارا مشرقی بازو کٹ گیا، مگر ہمیں احساس نہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا بڑا سبب یہ ہے کہ ہم نے اس سے کیا ہوا وعدہ پورا نہیں کیا۔ اس سے بڑا کفرانِ نعمت کیا ہوگا؟ کہ ہم مملکت خداداد پاکستان میں اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتوں سے مستفید ہو رہے ہیں اور اس سے کئے ہوئے وعدے کو پورا کرنے کے لئے تیار نہیں، بلکہ بعض عاقبت نا اندیش تو پاکستان کے توڑنے کی باتیں کر رہے ہیں اور بعض لوگ غیر اسلامی نظام نافذ کرنے پر تلے بیٹھے ہیں۔

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے بعد امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ وہ نمایاں ترین شخصیت ہیں، جنہوں نے علی الاعلان دو قومی نظریئے کا پرچار کیا، اور قیامِ پاکستان کا راستہ ہموار کیا۔ یہی وہ راستہ تھا جس کی طرف علامہ اقبال نے راہنمائی کی اور قائدِ اعظم نے اسی راستہ پر چل کر پاکستان کی منزل کو پالیا۔

تحریکِ پاکستان کے حق میں رائے عامہ کو ہموار کرنے میں امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہم مسلک علماء اور مشائخ اہل سنت نے بڑا کردار ادا کیا۔ آل انڈیا سُنی کانفرنس، اہل سُنت و جماعت کی وہ نمائندہ جماعت تھی، جس نے

اپنی تمام تر توانائی، تحریکِ پاکستان کی حمایت کے لئے صرف کر دی۔ ۱۹۴۶ء میں منعقد ہونے والی سُنّی کانفرنس، بنارس کا اجلاس تو اس تحریک کے لئے سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس جماعت کے سرپرست امیرِ ملت حضرت پیر سیّد جماعت علی شاہ محدث علی پوری اور محدثِ اعظم ہند مولانا علامہ سیّد محمد محدّث کچھوچھوی اور اس کی رُوحِ رواں صدر الافاضل مولانا علامہ سیّد محمد نعیم الدّین مراد آبادی (قدست اسرارہم) تھے۔

ہمارے بعض احباب شکایت کرتے ہیں کہ تاریخی اور نصابی کتابوں میں ملّتِ اسلامیہ کے ان محسنوں کی دینی، ملی اور پاکستان کے لئے کی جانے والی خدمات کو ان کے شایانِ شان پیش نہیں کیا جاتا ہے، حالانکہ یہ کام خود ہمارے کرنے کا تھا۔ یاد رکھئے جو قوم اپنے لئے کچھ نہیں کر سکتی، اسے دوسروں سے شکایت کرنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ حضرت محدّثِ اعظم ہند کچھوچھوی قدس سرہٗ کے بے شمار مریدین اور خود اُن کے خانوادے کے اصحابِ علم اگر ان کی خدماتِ جلیلہ کو تاریخ کے اوراق میں محفوظ کرنے کی کوشش نہیں کرتے اور اگر اہلِ سنّت و جماعت اس طرف متوجہ نہیں ہوتے، تو دوسروں کو کیا پڑی ہے کہ وہ اُن پر کام کریں۔

حضرت محدّثِ اعظم ہند مولانا سیّد محمد محدّث کچھوچھوی رحمہ اللہ تعالیٰ کو اللہ تعالیٰ نے حُسن و جمال اور فضل و کمال کا پیکرِ جمیل بنایا تھا۔ وجاہت کا یہ عالم تھا کہ سینکڑوں علماء و مشائخ کے اجتماع میں وہی میرِ محفل دکھائی دیتے تھے، گفتگو فرماتے تو یُوں معلوم ہوتا کہ ان کے ہونٹ پھول اور موتی برسا رہے ہیں۔ وہ بلاشبہ اپنے دَور کے سحبان تھے — خطاب شروع کرتے تو مجمع پر سناٹا چھا جاتا۔ ہر شخص سراپا گوش بن کر محویت میں ڈوب جاتا۔ آپ کا مدلل بیان ایک سیلِ رواں تھا جو سامعین کو اپنے ساتھ بہا لے جاتا اور ان کے دل و دماغ کو قائل کئے بغیر نہ چھوڑتا۔ وہ عقیدے کے سچّے اور دُھن کے پکّے تھے۔ انہوں نے اپنے بزرگوں کی ہدایت اور راہنمائی سے جو راستہ منتخب کیا، اس کے لئے اپنی تمام توانائی صرف کر دی

شاعر بارگاہِ رسالت حضرت مولانا ضیاء القادری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے آپ کی شانِ خطابت کا نقشہ اِن الفاظ میں کھینچا ہے:

"کتابی چہرہ آیاتِ جلالی کا ترجمان، بڑی بڑی کشادہ آنکھیں گنبدِ خضراء کی تجلیات سے معمور، آواز میں ہیبت اور جبروت کے ساتھ ساتھ حلاوت کا انداز بھی، مقفّع و مسجّع، فصیح و بلیغ خُطبہ پڑھ کر مجمع کو مخاطب کر رہا ہے۔ اگر آیاتِ قرآنی کی تفسیر کی طرف متوجہ ہوتا ہے، تو حقائق و معارف کا قلزم زخّار، دل نشیں فقرات اور ایمان افروز الفاظ میں طوفان خیز معلوم ہوتا ہے۔ اگر احادیثِ نبوی کی شرح و وضاحت پر مائل ہوتا ہے، تو رُشد و ہدایت کی سُنہری بدلیاں، بارانِ رحمت میں مصروف نظر آتی ہیں۔ اگر فضائل و محامد کی جانب دماغ راغب ہوتا ہے، تو بے شمار مسائلِ علم و عرفان حل ہو جاتے ہیں، مجمع ہے کہ وجد آفریں انداز میں جھوم رہا ہے، سُبحان اللہ و صلّی اللہ! کے نعروں سے فضا گونج رہی ہے، حاضرین پر کیف طاری ہے، ایمان تازے ہو رہے ہیں، دلوں سے سیاہی خود بخود دُور ہوتی جاتی ہے۔" [1]

حضرت محدّثِ اعظم ہند کی ولادت باسعادت ۱۵ ذیقعدہ بروز بدھ ۱۳۱۱ھ قصبہ جائس، رائے بریلی میں ہوئی۔ آپ جیلانی اور سمنانی سادات کا مرقع تھے، آپ کے مورثِ اعلیٰ محبوبِ یزدانی حضرت مخدوم سُلطان سیّد اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرّہٗ ہیں، جن کا مزار پُر انوار کچھوچھہ شریف ضلع فیض آباد میں ہے۔ دُوسری طرف آپ کو محبوبِ سبحانی حضرت شیخ سیّد عبدالقادر جیلانی قدس سرّہٗ

---

[1] ضیاء القادری، مولانا: ابتدائیہ فرش پر عرش، طبع بمبئی، ص ۲

کی اولادِ امجاد ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔

والدہ ماجدہ نے چھ ماہ میں قاعدۂ بغدادی اور تیسواں پارہ ختم کرا دیا۔ باقی انتیس پارے انتیس دن میں پڑھ کر پانچ سال کی عمر میں قرآن پاک ختم کر لیا۔ سکول میں دو جماعتیں پڑھنے پائے تھے کہ والد ماجد حضرت مولانا سید نذر اشرف رحمہ اللہ تعالیٰ نے سکول سے اٹھا لیا اور خود عربی، فارسی کی تعلیم دینا شروع کر دی۔ ابتدائی تعلیم سے لے کر کافیہ تک کتابیں خود پڑھائیں۔ مزید تعلیم کے لئے مدرسہ نظامیہ، فرنگی محل، لکھنؤ میں داخل کرا دیا۔ وہاں سے مولوی اور مولانا کی سندیں حاصل کیں۔ علی گڑھ میں حضرت مولانا مفتی لطف اللہ علی گڑھی سے شرح تجرید، افق المبین اور شرح مطالع پڑھیں۔ استاذِ گرامی نے سند عنایت کی، تو اس میں نام کے ساتھ علامہ تحریر فرمایا۔ پیلی بھیت میں حضرت مولانا وصی احمد محدّثِ سورتی رحمہ اللہ تعالیٰ سے صحاح ستہ، مؤطا اور شرح معانی الآثار پڑھ کر سندِ حدیث حاصل کی۔ اس کے بعد بریلی شریف، امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ کے پاس حاضر ہوئے اور فتویٰ نویسی کی تربیت حاصل کی۔ پھر آستانہ عالیہ قادریہ، بدایوں تشریف لے گئے اور حضرت مولانا شاہ مطیع الرسول عبد المقتدر بدایونی رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی سندِ حدیث حاصل کی۔ سترہ سال کی عمر میں جبکہ ابھی داڑھی بھی نہیں اُتری تھی، تمام مروجہ علوم کی تحصیل سے فارغ ہو کر مسندِ تدریس پر فائز ہو گئے۔ دہلی میں مدرسۃ الحدیث قائم کیا اور کئی سال تک درسِ حدیث دیا[1] اسی لئے آپ محدّث کچھوچھوی کے لقب سے مشہور ہوئے

اپنے نانا حضرت محبوبِ سُبحانی شاہ علی حسین اشرفی قدس سرہٗ کے ایماء پر اپنے ماموں عارفِ ربانی حضرت مولانا شاہ احمد اشرف رحمہ اللہ تعالیٰ کے دستِ اقدس پر بیعت ہوئے اور چند سال ریاضت و مجاہدہ میں مصروف رہے، یہاں تک

---

[1] ضیاء القادری، مولانا: ابتدائیہ فرش بر عرش، ص ۴-۳

کہ تمام سلاسل میں خلافت حاصل کی اور وہ بھی مدینہ منورہ مواجہہ عالیہ میں [1]
حضرت محدثِ اعظم ہند قدس سرہٗ فرماتے ہیں ؎

احمدِ حق نما دیا، اشرف باخدا دیا
مجھ کو میرے کریم نے پیر بہت بڑا دیا [2]

حضرت محدث کچھوچھوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے وعظ و تبلیغ اور رُشد و ہدایت کے میدان میں قدم رکھا، تو اس سلسلے میں انتھک جدّوجہد کی۔ پانچ ہزار غیر مسلم آپ کے ہاتھوں پر مشرف باسلام ہوئے، لاکھوں افراد نے بیعت کی، چار دفعہ حج و زیارت کی سعادت سے مشرف ہوئے۔ [3]

سرکارِ دو عالم، رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت و عقیدت تو اُن کے رگ و پے میں سرایت کئے ہوئے تھی ــــــ فرش پر عرش کا انتساب ملاحظہ ہو:

"مجھے تہدیہ اور تبریک کے لئے کہا جاتا ہے ــــــ تو یہ سب کچھ اس آقائے دو جہاں (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے نامِ پاک پر ہے، جس کی سچی اور والہانہ وفاداری کا نام اسلام ہے۔"
(ابو المحامد سید محمد اشرفی جیلانی)

کئی زائرین جب مدینہ منورہ سے رخصت ہوتے ہیں، تو سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر الوداع کہتے ہوئے روانہ ہوتے ہیں، لیکن محدثِ اعظم ہند قدس سرہٗ حج کا احرام باندھ کر بارگاہِ ناز میں حاضر ہوتے ہیں تو یوں گویا ہوتے ہیں ؎

---

[1] ضیاء القادری، مولانا: ابتدائیہ فرش پر عرش ص ۵ - ۴
[2] محمد محدث کچھوچھوی، سید: فرش پر عرش ص ۱۵
[3] محمود احمد قادری، شاہ: تذکرہ علماء اہل سنت (کانپور، انڈیا) ص ۲۳۵

بُلا وا آرہا ہے کعبہ و عرفات سے میرا | تیرے قدموں پہ چمکی آج قسمت میرے سجدہ کی
مدینہ مجھ سے چھوٹا تھا نہ چھوٹا ہے نہ چھوٹے گا | رچی ہے میری رگ رگ میں تجلی ماہِ طیبہ کی
تمہارا حکم مجھ کو لے چلا ہے خانۂ کعبہ | یہ حج کیا ہے؟ اطاعت ہے شہنشاہِ مدینہ کی
تمہارے سامنے لبیک کہتا ہوں ترے رب سے | بحمد اللہ عزت بڑھ گئی ہے میرے نعرہ کی
جُدا تم کو سمجھنا، اس پہ رونا، اے معاذ اللہ! | سمجھتا ہوں اسے توہین میں اپنے عقیدہ کی
مدینہ سے شہنشاہِ مدینہ کی معیت میں | چلا ہوں رُخ بکعبہ کر کے نیت حج و عمرہ کی

تری ہمنامی، سید کا سہارا ہے مرے مولا
کہ ہے معلوم پابندی، تمہاری اپنے ذمہ کی [1]

ایک دُوسری نعت کے چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎

جو نہیں اسیرِ زُلفِ نبی | حرّیت اُس کی کیا؟ حکومت کیا؟
دُشمنِ دیں پہ بھیجیے لعنت | اُن کے گستاخ کی مروّت کیا؟
بِک گئے جس کے ہاتھ بِک ہی گئے | یہ نہیں ہے تو رسم بیعت کیا؟
ہے درِ یار کا یہی کوچہ | ورنہ فرمائیے شریعت کیا؟
مَیں سمجھتا نہیں ہوں بے اُن کے | قوم کیا، مُلک کیا ہے، مِلّت کیا؟
اُن کے دشمن سے میل ہے تو ترا | دین کیا؟ دین کی حمیت کیا؟
اہلِ سُنّت کے سامنے آئے | تھانوی کی مجال و ہمت کیا؟
نام تک میں ترے وہابی دیکھ | آئے تینوں حروفِ علت کیا؟

اہلِ حق کی زباں ہے سیف اللہ
تیغ کو کاٹنے میں غیرت کیا؟ [2]

---

[1] محمد محدّث کچھوچھوی، سیّد: فرش پر عرش ص ۲۶۹
[2] ایضاً، " " ص ۱۳-۱۲

ایک دفعہ ایک صاحب علم سے بات ہو رہی تھی کہ حضرت محدثِ اعظم کا کلام بڑا از در دار ہے، وہ کہنے لگے کہ شعر تو پھر شعر ہے، وہ تو نثر میں بھی شاعری کرتے تھے۔

سُلطان الہند حضرت خواجہ معین الدّین چشتی اجمیری قدس سرہ العزیز کی بارگاہ میں استغاثہ کے چند اشعار ملاحظہ ہوں، جن میں درد و سوز بھی ہے اور روانی اپنے عروج پر ہے ؎

وَلی الہند، سُلطانِ ولایت چشت کے رَاجا
سخاوجُود کے فضل و عطا کے فیض کے دریا
مرے مولا، مِرے آقا، مِرے حامی، میرے آتا
کھڑا ہے در پہ خالی ہاتھ پھیلائے ترا منگتا

شہنشاہا معینا دستگیرا مُرشدا خواجہ
طفیل رحمۃٌ للعالمیں چشمِ کرم برما

تعالیٰ اللہ! کیا ہیں خوبیاں حُسنِ شمائل کی
زمانے میں مچی ہے دھوم پاکیزہ خصائل کی
ذرا سُن لیجئے کچھ داستاں اک دل کے گھائل کی
خبر لے اے کریم ابنِ کریم اب اپنے سائل کی

شہنشاہا معینا دستگیرا مُرشدا خواجہ
طفیل رحمۃٌ للعالمیں چشمِ کرم برما

حوادث کی تغیر آفرینی ہوگئی بے حد
کمالے را زوال و ہر زوالے را کمال آمد
بہت کاٹی شب فرقت اسے کر دیجئے اَب ردّ
نکل اے آفتابِ حُسنِ سرمد از پئے احمد

شہنشاہا معینا، دستگیرا مرشدا خواجہ
طفیل رحمۃٌ للعالمیں چشمِ کرم برما [۱]

حضرت محدثِ اعظم علیہ الرحمہ تحصیلِ علوم کے بعد فتوٰی نویسی کی تربیت حاصل کرنے کے لئے اپنے دَور کے فقیہ المثال مفتی، اعلیٰ حضرت امامِ اہل سنّت مولانا شاہ احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ محدّث صاحب نے انہیں کیسا پایا؟ خود اُن کی زبانی سنیئے:

[۱] محمد محدّث کچھوچھوی، سیّد: فرش پر عرش ص ۳۸

"آج میں آپ کو جگ بیتی، بلکہ آپ بیتی سُنا رہا ہوں کہ جب تکمیل درسِ نظامی و تکمیلِ درسِ حدیث کے بعد میرے مربیوں نے کارِ انتہا کے لئے اعلیٰحضرت کے حوالہ کیا - زندگی کی یہی گھڑیاں میرے لئے سرمایۂ حیات ہوگئیں اور میں محسوس کرنے لگا کہ آج تک جو کچھ پڑھا تھا، وہ کچھ نہ تھا اور اب ایک دریائے علم کے ساحل کو پالیا ہے۔ علم کو راسخ فرمانا اور ایمان کو رگ و پے میں اتار دینا اور صحیح علم دے کر نفس کا تزکیہ فرما دینا، یہ وہ کرامت تھی، جو ہر ہر منٹ پر صادر ہوتی رہتی تھی۔" [1]

یہ وہ تأثرات ہیں جو حضرت محدّثِ اعظم ہند نے شوال ۱۳۷۹ھ میں بمقام ناگپور یومِ ولادت امام احمد رضا کے اجلاس میں بیان فرمائے - اسی موقع پر فرمایا:

"تیرھویں صدی کی یہ واحد شخصیت تھی، جو ختمِ صدی سے پہلے علم و فضل کا آفتابِ فضل و کمال ہو کر اسلامیات کی تبلیغ میں عرب و عجم پر چھا گئی اور چودھویں صدی کے شروع ہی میں پورے عالمِ اسلامی میں اس کو حق و صداقت کا منارۂ نور سمجھا جانے لگا - میری طرح سے سارے حل و حرم کو اس کا اعتراف ہے کہ اس فضل و کمال کی گہرائی اور اس علمِ راسخ کے کوہِ بلند کو آج تک کوئی نہ پا سکا۔" [2] (یعنی معاصرین میں سے)

حضرت محدّثِ اعظم قدس سرہٗ نے گوناگوں مصروفیات کے باوجود تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی جاری رکھا - ۳۵ رسائل و کتب زیورِ طبع سے آراستہ ہو گئے، تقریباً اتنے ہی رسائل وہ تھے جو طبع نہ ہو سکے۔ تقریباً ہر فن کی کسی نہ کسی کتاب پر حواشی لکھے - آپ کے کلام کا مجموعہ فرش بر عرش کے نام سے طبع ہو چکا ہے جو نعتیہ کلام

---

[1] عبد النبی کوکب، قاضی: مقالاتِ یومِ رضا (طبع لاہور) ج ۱، ص ۳۸

[2] ایضاً، ص ۳۵

اور مناقب پر مشتمل ہے۔ عام طور پر کلام اُردو میں ہے۔ کہیں کہیں فارسی اور ہندی کلام بھی پڑھنے کو مل جاتا ہے، کہیں کہیں عربی اشعار بھی مل جاتے ہیں۔ قرآن پاک کا ترجمہ لکھا، تفسیر بھی شروع کی تھی، لیکن چند پاروں پر ہی کام کیا تھا کہ وقتِ رحلت آ گیا۔ امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ترجمہ کا ابتدائی حصّہ دیکھ کر فرمایا:

"شہزادے! اُردو میں قرآن لکھ رہے ہو؟" [۱]

آپ کی مطبوعہ تصانیف میں تقوی القلوب بھی ہے، جس میں آپ نے نجدیوں کے حرمین شریفین میں مظالم کا تذکرہ کیا ہے اور نجدی نواز ہندوستانی علماء کا عالمانہ انداز میں محاسبہ کیا ہے۔

متحدہ پاک و ہند میں اہلِ سُنّت کی دو جماعتوں کا بھرپور کردار رہا ہے:

(۱) جماعت رضائے مصطفےٰ۔ (۲) آل انڈیا سُنّی کانفرنس۔

حضرت محدّثِ اعظم ہند اوّل الذکر جماعت کے صدر رہے اور ۱۳۶۵ھ میں بالاتفاق آل انڈیا سُنّی کانفرنس کے صدر منتخب ہوئے۔ [۲]

حضرت محدّثِ اعظم ہند، ملّتِ اسلامیہ کا سچا درد رکھنے والے قائد تھے۔ تحریکِ پاکستان کے صفِ اوّل کے قائدین میں نہایت نمایاں مقام رکھتے تھے۔ نظریۂ پاکستان کو عوام و خواص تک پہنچانے کے لئے دُور دراز کے سفر کیے۔ شہر تو شہر، قصبہ و دیہات میں جا کر مطالبۂ پاکستان کے حق میں زمین ہموار کی۔

آل انڈیا سُنّی کانفرنس، بنارس کا اجلاس تحریکِ پاکستان کے لئے سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ اجلاس ۲۷ تا ۳۰ اپریل ۱۹۴۶ء فاطمان باغ، بنارس میں منعقد ہوا، جس میں دو ہزار علماء و مشائخ اور ساٹھ ہزار سے زیادہ عوام النّاس نے

---

[۱] محمد اعظم نورانی، مولانا: محدّثِ اعظم کچھوچھوی اور تحریکِ پاکستان (رضا اکیڈمی لاہور) ص ۱۸

[۲] محمد صادق قصوری، میاں: اکابر تحریکِ پاکستان (نوری کتب خانہ، لاہور) ج ۱، ص ۲۰۹

شرکت کی۔ مجلس کے صدر کی حیثیت سے حضرت محدّثِ اعظم نے خطبۂ صدارت دیا، جو فصاحت و بلاغت کا شاہکار ہے، اس میں نہ صرف قومی بیماریوں کی تشخیص کی گئی ہے بلکہ اُن کا علاج بھی تجویز کیا گیا ہے۔ درج ذیل سطور میں اس خطبہ کے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں ۔

"میرے دینی رہنماؤ!! میں نے عرض داشت میں ابھی ابھی پاکستان کا لفظ استعمال کیا ہے اور پہلے بھی کئی جگہ پاکستان کا لفظ آچکا ہے ملک میں اس لفظ کا استعمال روز مرہ بن گیا ہے۔ در و دیوار پر پاکستان زندہ باد، تجاویز کی زبان میں پاکستان ہمارا حق ہے۔ نعروں کی گونج میں پاکِستان لے کے رہیں گے۔ مسجدوں میں، خانقاہوں میں، بازاروں میں، ویرانوں میں لفظ پاکستان لہرا رہا ہے۔ اس لفظ کو پنجاب کا یونینسٹ لیڈر بھی استعمال کرتا ہے اور ملک بھر میں ہر لیگی بھی بولتا ہے اور ہم سُنّیوں کا بھی یہی محاورہ ہو گیا اور جو لفظ مختلف ذہنیتوں کے استعمال میں ہو، اس کے معنی مشکوک ہو جاتے ہیں۔ جب تک بولنے والا اُس کو واضح طور پر نہ بتا دے۔ یونینسٹ کا پاکستان وہ ہوگا، جس کی مشینری سردار جوگندر سنگھ کے ہاتھ میں ہوگی۔ لیگ کے پاکستان کے متعلق دوسری قومیں چیختی ہیں کہ اب تک اس نے پاکِستان کے معنی نہ بتائے اور جو بتائے وہ اُلٹے پلٹے ایک دُوسرے سے لڑتے بتائے۔ اگر یہ صحیح ہے تو لیگ کا ہائی کمانڈ اس کا ذمّہ دار ہے لیکن جن سُنّیوں نے لیگ کے اس پیغام کو قبول کیا ہے اور جس یقین پر اس مسئلہ میں لیگ کی تائید کرتے پھرتے ہیں، وہ صرف اس قدر ہے کہ ہندوستان کے ایک حصّہ پر اسلام کی، قرآن کی آزاد حکومت ہو،

جس میں غیر مسلم ذمیوں کے جان و مال، عزت و آبرو کو حسبِ حکم شرع امن دیا جائے۔ اُن کو اُن کے معاملات کو اُن کے دین پر چھوڑ دیا جائے، وہ جانیں، اُن کا دھرم جانے۔ ان کو اَتمّوا الیھم عھد ھم سُنا دیا جائے اور بجائے جنگ و جدل کے صُلح و امن کا اِعلان کر دیا جائے۔ ہر انسان اپنے پُر امن ہونے پر مطمئن ہو جائے۔ اگر سُنیّوں کے اس سمجھی ہوئی تعریف کے سوا لیگ نے کوئی دوسرا راستہ اختیار کیا، تو کوئی سُنّی قبول نہیں کرے گا۔" [۱]

آل انڈیا سُنّی کانفرنس کے مطلوب، پاکستان کا نقشہ کھینچتے ہوئے فرماتے ہیں:

"آل انڈیا سُنّی کانفرنس کا پاکستان ایک ایسی خود مختار آزاد حکومت ہے جس میں شریعتِ اسلامیہ کے مطابق فقہی اصول پر کسی قوم کی نہیں، بلکہ اسلام کی حکومت ہو جس کو مختصر طور پر یوں کہیئے کہ خلافتِ راشدہ کا نمونہ ہو۔ ہماری آرزو ہے کہ اسی وقت ساری زمین پاکستان ہو جائے۔ لیکن اگر عالمِ اسباب میں رفتہ رفتہ، درجہ بدرجہ، حِصّہ بحِصّہ تھوڑا تھوڑا کر کے پاکستان بنتا جائے، تو اُس کو بنایا جائے، کسی حِصّہ زمین کو پاکستان بنانا، اس کے سوا دوسرے حِصّہ کے ناپاک رہنے پر رضامندی نہیں ہے، بلکہ عالمِ اسباب میں حکمت تدریج ہے۔" [۲]

۲۹ / اپریل ۱۹۴۶ء کو آل انڈیا سُنّی کانفرنس، بنارس میں مطالبۂ پاکستان کی حمایت میں درج ذیل قرارداد پاس کی گئی:

آل انڈیا سُنّی کانفرنس کا یہ اجلاس مطالبۂ پاکستان کی پُر زور

---

[۱] محمد جلال الدین قادری، مولانا: خطبات آل انڈیا سُنّی کانفرنس (طبع لاہور) ص ۲۷۶ - ۲۷۵

[۲] ایضاً : ص ۲۷۷

حمایت کرتا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ علماء و مشائخ اہل سنت، اسلامی حکومت کے قیام کی تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے ہر امکانی قربانی کے واسطے تیار ہیں اور یہ اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ ایک ایسی حکومت قائم کریں، جو قرآنِ کریم اور حدیثِ نبویہ کی روشنی میں فقہی اصول کے مطابق ہو۔"[1]

۱۶ رجب المرجب، ۳ دسمبر ۱۳۸۳ھ/ ۱۹۶۳ء، بروز پیر ملتِ اسلامیہ کے محسن، تحریکِ پاکستان کے عظیم قائد، حضرت مولانا سید محمد محدث کچھوچھوی قدس سرہ العزیز دارِ فانی سے رحلت فرما گئے[2] اور اپنے پیچھے لاکھوں عقیدتمندوں کے علاوہ دو صاحبزادیاں اور چار صاحبزادے سوگوار چھوڑ گئے۔

صاحبزادوں میں سے حضرت علامہ سید محمد مدنی میاں مدظلہ اور حضرت علامہ سید محمد ہاشمی میاں مدظلہ بین الاقوامی خطیب اور پیرِ طریقت ہیں۔ ہندوستان اور بیرونِ ہند وعظ و تبلیغ اور دعوت و ارشاد کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں۔

---

[1] محمد جلال الدین قادری، مولانا: خطبات آل انڈیا سُنی کانفرنس، ص ۸۳،

[2] محمد صادق قصوری، میاں: اکابر تحریکِ پاکستان، ج ۱، ص ۱۳

فاضلِ یگانہ مُناظرِ اسلام مولانا محمد اشرف سیالوی مدظلہ

اُستاذ العلماء، عُمدۃ الاذکیاء، مولانا علامہ ابُوالحسنات محمد اشرف سیالوی مدظلہ العالی شیخ الحدیث دارالعلوم ضیاء شمس الاسلام، سیال شریف (سرگودھا) موجودہ دَور کے متبحر عالم و فاضل اور تحریر و تقریر، تدریس و مناظرہ میں یدِطُولیٰ رکھتے ہیں۔ حافظہ اس غضب کا ہے کہ طویل عربی اور فارسی عبارتیں بلا تکلف پڑھ دیتے ہیں۔ اخلاقِ جمیلہ میں اپنی مثال آپ ہیں۔

آپ ۱۳۵۹ھ / ۱۹۴۰ء میں ضلع جھنگ کے ایک دیہات غوثوالہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والدِ ماجد جناب فتح محمد صاحب مدظلہ نہایت نیک سیرت بزرگ ہیں۔ قصبہ بڑانہ میں مڈل تک تعلیم حاصل کر کے جامعہ محمدی شریف (جھنگ) میں داخل ہوئے اور مولانا حافظ محمد شفیق سے ایک سال میں ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ بعد ازاں ڈیڑھ سال سیال شریف (سرگودھا) میں مولانا صوفی حامد علی مدظلہ العالی اور مولانا محمد عبداللہ جھنگوی رحمہ اللہ تعالیٰ سے کافیہ اور شرح تہذیب وغیرہ کتب پڑھیں۔ اسی دوران تین ماہ پپلاں (میانوالی) میں رہ کر مولانا سید احمد اور مولانا محمد حسین شوق سے استفادہ کیا۔ چھ ماہ مرولہ شریف (سرگودھا) میں حضرت مولانا غلام سدید الدین مدظلہ (سجادہ نشین)[1] سے قطبی تصدیقات سے آخر تک اور شرح جامی مرفوعات سے حال کی بحث تک پڑھی۔ بعد ازاں چھ ماہ میں مولانا سلطان اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ (چیچھڑ شریف، سرگودھا) سے شرح جامی پڑھی۔ پھر ماہ ربیع الاول شریف (۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۷ء) میں اُستاذ العلماء، ملک المدرسین حضرت مولانا الحاج عطا محمد چشتی مدظلہ العالی کی خدمت میں حاضر ہو کر چھ ماہ گولڑہ شریف، دو سال سیال شریف

---

[1] افسوس کہ حضرت ۱۷ رجب، ۲۳ فروری ۱۴۰۹ھ / ۱۹۸۹ء کو رحلت فرما گئے۔

اور ایک سال دار العلوم امدادیہ مظہریہ، بندیال شریف (سرگودھا) میں رہ کر تمام کتب درسیہ کی تکمیل کی۔ رمضان المبارک (۱۳۸۰ھ/ ۱۹۶۱ء) میں حضرت شیخ القرآن مولانا محمد عبد الغفور ہزاروی قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہو کر دورۂ قرآن پاک میں شریک ہوئے۔ اسی سال ماہِ شوال میں حضرت محدثِ اعظم پاکستان مولانا محمد سردار احمد قدس سرہ کی خدمت میں جامعہ رضویہ، (فیصل آباد) حاضر ہو کر درسِ حدیث لیا اور سندِ فراغت حاصل کی۔

ماہِ شوال (۱۳۸۱ھ/ ۱۹۶۲ء) میں تدریس کا آغاز کیا۔ دو سال سیال شریف، دو سال جامعہ نعیمیہ (لاہور) پانچ سال سلانوالی، ایک سال رکن الاسلام (حیدرآباد) میں پڑھاتے رہے۔ ۱۹۷۱ء سے سیال شریف کے عظیم الشان دار العلوم میں شیخ الحدیث ہیں۔ آپ کے تلامذہ کا حلقہ خاصا وسیع ہے۔

مسئلۂ سماعِ موتیٰ پر مبسوط کتاب جلاء الصدور لکھ چکے ہیں۔ سورۂ کوثر کی تفسیر پیشِ نظر ہے، جس کے مطالعہ سے مصنف کے تبحر علمی کا پتا چلتا ہے۔

رُوحانی طور پر سلسلۂ عالیہ چشتیہ کے مشہور فاضل بزرگ شیخ الاسلام حضرت خواجہ الحاج محمد قمر الدین دامت برکاتہم العالیہ[1] سجادہ نشین سیال شریف سے بیعت ہیں، اور اپنے شیخ سے والہانہ عقیدت رکھتے ہیں۔

۳۰ جولائی ۱۹۷۵ء — محمد عبد الحکیم شرف قادری

ابتدائیہ، کوثر الخیرات، مکتبہ قادریہ، لاہور

---

[1] افسوس کہ حضرت شیخ الاسلام ۲۰ جولائی ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ء کو ایکسیڈنٹ ہونے سے جامِ شہادت نوش فرما گئے۔ ۱۲ شرف قادری

حضرت مترجم مدظلہ (شواہد الحق علامہ نبہانی کے مترجم)

اِس کتاب کا ترجمہ فاضل محقق، رئیس الاذکیاء، نابغۂ عصر مولانا علامہ محمد اشرف سیالوی مدظلہ، شیخ الحدیث دارالعلوم ضیاء شمس الاسلام، سیال شریف نے کیا ہے۔ حضرتِ علامہ، استاذ الاساتذہ ملک المدرسین مولانا علامہ عطا محمد چشتی گولڑوی مدظلہ العالی کے شاگرد رشید اور شہید تحریکِ آزادی، خاتم الحکماء علامہ فضل حق خیر آبادی رحمہ اللہ تعالیٰ کے سلسلہ عالیہ کے ممتاز فاضل ہیں۔ وہ موجودہ دور میں اُمتِ مُسلمہ کے لئے قدرتِ ربانی کا عظیم عطیہ ہیں۔ وہ بیک وقت متعدد اوصافِ جمیلہ کے حامل ہیں۔ وہ عالمِ ربانی بھی ہیں اور عبقری محقق بھی، مدِ مقابل پر چھا جانے والے مناظر بھی ہیں اور دلائل کی فراوانی سے سامعین کے دل و دماغ کو متاثر کرنے والے خطیب بھی، وہ کتبِ درسیہ کا گہرا ادراک رکھنے والے مدرس بھی ہیں اور کثیر التصانیف مصنف بھی، وہ جس موضوع پر لکھتے ہیں، اُن کا قلم سیال کہیں رُکنے کا نام نہیں لیتا۔ زبانِ عربی پر اس قدر عبور رکھتے ہیں کہ اُردو سے زیادہ روانی کے ساتھ عربی میں لکھتے ہیں۔ بجا طور کہا جا سکتا ہے کہ مصنف نبہانی ایسا ہو تو مترجم سیالوی ایسا ہی ہونا چاہیے۔

فرید بک سٹال، لاہور کے مالکان جناب سید اعجاز احمد اور جناب ڈاکٹر منیر احمد صاحبان کی خوش قسمتی ہے کہ وہ دینی لٹریچر کی اشاعت میں ہمہ تن مصروف ہیں اور اب شواہد الحق ایسی جلیل القدر کتاب کا ترجمہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں دُنیا و آخرت میں اس کارِ خیر کا اجرِ عظیم عطا فرمائے۔

۱۳ر جنوری ۱۹۸۸ء — محمد عبد الحکیم شرف قادری

از مقدمہ اُردو ترجمہ شواہد الحق للنبہانی، فرید بک سٹال، لاہور

۲۷ اگست ۱۹۷۹ء کو بنگلہ نول والہ ضلع جھنگ میں حضرت شیخ الحدیث مولانا علامہ محمد اشرف سیالوی مدظلہٗ کا مولوی حق نواز جھنگوی سے سات گھنٹے تک تاریخی مناظرہ ہوا، جس میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کو فتحِ مبین حاصل ہوئی۔ مناظرے کی رُوئداد مناظرہ جھنگ کے نام سے چھپ چکی ہے۔

منصفین نے متفقہ فیصلہ دیتے ہوئے لکھا:

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

آج مؤرخہ $\frac{8}{79}$ ۲۷ کو بمقام بنگلہ نول والہ تحصیل جھنگ مولانا حق نواز صاحب عالم دیوبندی اور مولانا محمد اشرف سیالوی صاحب عالم بریلوی کے مابین مناظرہ منعقد ہوا، جس کا موضوع یہ تھا:

"دیوبندی مناظر یہ ثابت کرے گا کہ علمائے بریلی کی عبارات جو اُن کی کتبِ معتبرہ میں موجود ہیں، گستاخی اور توہینِ انبیاء پر مبنی ہیں، جبکہ بریلوی مناظر یہ ثابت کرے گا کہ علمائے دیوبند کی عبارات، جو اُن کی کتبِ معتبرہ میں موجود ہیں، گستاخی اور توہینِ انبیاء پر مبنی ہیں۔"

مناظرہ مذکورہ میں دیوبندی مکتبِ فکر کی جانب سے مولانا منظور احمد صاحب چینیوٹی اور بریلوی مکتبِ فکر کی جانب سے مولانا عبدالرشید صاحب رضوی نے صدرِ مناظرہ کے فرائض انجام دیئے۔

ہم منصفین بالاتفاق فیصلہ کرتے ہیں اور اس مناظرہ میں مولانا محمد اشرف صاحب سیالوی، بریلوی مناظر کو اُن کے نسبتاً وزنی استدلال کی بناء پر کامیاب قرار دیتے ہیں۔ مورخہ ۲۷-۸-۷۹

غلام باری ٹیچر گورنمنٹ ہائی سکول ریل بازار، جھنگ صدر — پروفیسر تقی الدین انجم — محمد منظور خاں ایڈووکیٹ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آج مورخہ 27-8-79 کو بمقام شعلہ نول والہ متصل جھنگ مولانا حق نواز صاحب عالم دیوبندی
مولانا محمد اشرف سیالوی صاحب عالم بریلوی کے مابین مناظرہ منعقد ہوا۔ جس کا موضوع یہ تھا
"دیوبندی مناظر یہ ثابت کریگا کہ علمائے بریلی کی عبارات جو انکی کتب معتبرہ میں
موجود ہیں گستاخی اور توہین انبیاء پر مبنی ہیں۔ جبکہ بریلوی مناظر یہ ثابت کریگا
کہ علمائے دیوبند کی عبارات جو اہل دیوبند کی کتب معتبرہ میں موجود ہیں گستاخی اور توہین انبیاء پر مبنی ہیں"
مناظرہ مذکورہ میں دیوبندی مکتب فکر کی جانب سے مولانا حق نواز صاحب اور مولانا منظور احمد صاحب چنیوٹی اور بریلوی مکتب فکر
کی جانب سے مولانا عبد الرشید صاحب رضوی نے صدر مناظرہ کے فرائض انجام دئیے۔
ہم منصفین بالاتفاق فیصلہ کرتے ہیں اور اس مناظرہ میں مولانا محمد اشرف صاحب سیالوی
بریلوی مناظر کو انکی شستگی زبان، استدلال کی بنا پر کامیاب قرار دیتے ہیں۔ مورخہ 27-8-78

محمد منظور خان ایڈووکیٹ

نذیر ... الدین انجم

لعل الدین انجم

غلام باری ... پرنسپل
سکول ... جھنگ صدر

غلام باری ...

[illegible signature]

درج ذیل سطور میں حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے نام تین اہم مکتوب پیش کیے جاتے ہیں :

(۱) غزالی زماں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ کا مکتوبِ گرامی

عمدۃ العلماء، زبدۃ الفضلاء حضرت علامہ محمد اشرف صاحب سیالوی
شیخ الحدیث ! دامت برکاتہم العالیہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ تعالیٰ وبرکاتہ، مزاجِ اقدس !

مدرسہ انوار العلوم کے طلباء جشن میلادِ اقدس میں حضرت کی تشریف آوری کے دل سے خواہاں ہیں۔ اس سے پہلے بھی حضرت ان کی دلجوئی فرماتے رہے ہیں۔ ازراہِ کرم ! اب بھی طلباء نوازی فرمائیں۔ شکریہ !

والسلام ! فقیر ناکارہ احمد سعید کاظمی

۱۶ر نومبر ۱۹۸۵ء

(۲) مفسرِ قرآن حضرت علامہ پیر محمد کرم شاہ الازہری مدظلہ کا درد وسوز میں ڈوبا ہوا اور اہلِ سنت وجماعت کو جھنجھوڑتے والا مکتوبِ گرامی :

ذوالمجد الاثیل والفضل الغزیر حضرت علامہ شیخ الحدیث صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ !

آپ نے بڑا کرم فرمایا، بھیرہ میں قدم رنجہ فرما کر اپنے حکیمانہ مواعظ سے ہماری کشتِ ایمان کو سیراب کیا۔ مصروفیت کی وجہ سے میں خدمت میں حاضر نہ ہو سکا۔ ورنہ بہت سی باتیں کرنا تھیں اور بہت سے مشورے کرنے تھے۔

آج ایک ضروری کام کے لئے یہ چند سطور رقم کر رہا ہوں۔

ہمارے اہل سنت کی محرومیوں کا دائرہ بڑا وسیع اور فہرست بڑی طویل ہے، لیکن سب سے زیادہ تکلیف دہ امر یہ ہے کہ عوام اہل سنت بلکہ خواص اہل سنت کو

بھی اپنے عقائد کا صحیح علم نہیں۔ ہم میں سے اکثر کو یہ بھی خبر نہیں کہ کون سے ایسے عقائد ہیں، جن پر ایمان و کفر کا دار و مدار ہے۔ کون سے ایسے عقائد ہیں، جن کا شمار مندوبات یا مباحات میں ہوتا ہے، اس سے طرح طرح کی غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں ــــ بڑے بڑے علماء جب تقریر کرتے ہیں، تو وہ بھی اس امتیاز کو ملحوظِ خاطر نہیں رکھتے۔

ہماری ہمعصر پود نے بزرگوں کے ساتھ حسنِ عقیدت کی بناء جوں توں کر کے وقت گزار لیا، لیکن آنے والی نسل کا معاملہ بڑا مختلف ہے۔ جب تک ہم بچّوں، بچیوں کو اپنے عقائد کے بارے میں واضح طور پر اور مدلل طور پر نہیں بتائیں گے، اور اپنے صحیح نظریات کو ان کے لوحِ قلب پر نقش نہیں کریں گے، وہ الحاد و بے دینی کے سیلاب کا مقابلہ کرنا تو بڑی دُور کی بات ہے، مختلف فرقوں کے اٹھائے ہوئے شکوک و شبہات کا شکار ہو کر رہ جائیں گے۔

میں نے اس بارے میں بہت سوچا ہے، لیکن سچ عرض کر رہا ہوں، آپ کی ذات کے بغیر کہیں دل مطمئن نہیں ہوتا کہ افراط و تفریط سے دامن بچاتے ہوئے اہل سنّت کے معتقدات کو آسان اور دلنشین اسلوب اور مدلل طور پر بیان کر سکے، جس پر ہم اور ہماری آنے والی نسلیں یقین کے ساتھ قائم رہ سکیں۔

مجھے جناب کی مصروفیات کا بخوبی علم ہے لیکن یہ موضوع بھی ہر کسی کے بس کی بات نہیں، اگر جناب اپنی نادر صلاحیتوں اور اپنے قیمتی وقت کے کچھ لمحات کو اس کام کے لئے وقف کر دیں، تو اہل سُنّت ایک بہت محرومی سے بچ جائیں گے۔ کم از کم اپنے عقیدے کے بارے میں تو وہ کسی شک و شبہ میں مبتلا نہ رہیں گے۔

دین کے قصرِ رفیع کی بنیاد اگر مضبوطی سے قائم ہو گئی تو عمارت بنانے والے کتنے آگے آئیں گے۔ امید ہے میری ان گزارشات کو توجہ کے لائق سمجھیں گے، اس کے بارے میں کوئی منظم اور مربوط لائحہ عمل مرتب کر کے اس پر عمل پیرا ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ جناب کو صحتِ کاملہ عاجلہ اور عمر دراز عطا فرماتے اور آپ کے فیوضات و برکات سے ملک و ملت فیض یاب ہوتی رہے۔

والسلام!

مخلص خادم: محمد کرم شاہ

(۳) سُلطان الواعظین حضرت مولانا ابو النور محمد بشیر کوٹلی لوہاراں (سیالکوٹ) کا پُر لُطف مکتوبِ گرامی:

حضرت مولانا المکرم! دامت برکاتکم العالیہ

وعلیکم السلام! گرامی نامہ ملا، پڑھ کر لُطف آیا۔ آپ میری غلط فہمی کہہ لیجیے، میں اسے آپ کی فاضلانہ تقریر کی کرامت سمجھتا ہوں۔ آپ کا جملہ عطیہ میں کافی برکت ہو چکی تھی" کرامت ہی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ برکت کرامت ہی کی بدولت ہو سکتی ہے۔ برکت سے غلط فہمی کو کیا نسبت؟ مولانا!

"میں بھُولا نہیں، بھُلایا گیا ہوں"

یہ حقیقت ہے کہ آپ کی تقریر بارہ روزہ محفلوں میں اشرف التقاریر تھی، ایسے فاضلانہ بیان کے پیشِ نظر تیرہ سو کیا چیز ہے؟ کچھ بھی نہیں۔ اچھا ہوا کہ مجھے غلط فہمی ہوئی۔ خود ہوئی یا کسی کی کرامت سے ہوئی۔ جو ہوا بہت اچھا ہوا۔ یہ میری امانت نہیں، بلکہ حق بحقدار رسید۔

مَیں آپ کا دِلی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے ساہیوال کی تاریخ بدلوا دی، جزاکم اللہ احسن الجزاء۔ عرس شریف میں آپ کی تقریر کا سارا قصبہ منتظر ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ مجھ پر ضرور کرم فرمائیں گے اور ہم سب کو اپنے ایمان افروز بیان سے مُستفید فرمائیں گے۔ والسلام!

ابو النور محمد بشیر
کوٹلی لوہاراں

۱۰/۸۹/۱۳

مناظرِ اسلام حضرت مولانا محمد عمر اچھروی رحمہ اللہ تعالیٰ

حق و باطل کی کشمکش ہمیشہ سے جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گی۔ سہولت پسند طبیعتیں اور شمعِ ہر محفل بننے کی خواہش رکھنے والے حضرات کہتے ہیں کہ سب حق پر ہیں، جتنے بھی فرقے ہیں، اصولی طور پر ان میں کوئی اختلاف نہیں ہے، ہاں بعض فروعی مسائل میں اختلاف ہے، جن کی حیثیت تعبیر کے اختلاف سے زیادہ نہیں ہے، لیکن ہر دور میں ایسے مردانِ حق آگاہ کی کمی نہیں رہی جو کسی ترغیب اور تحریص کا شکار ہوئے بغیر، برملا باطل کی سرکوبی اور حق کی حمایت کرتے رہے ہیں، ایسے فرخندہ صفت رجالِ اسلام میں سے مناظرِ اعظم مولانا محمد عمر صدیقی اچھروی رحمہ اللہ تعالیٰ تھے۔ مناظرہ کے میدان میں اُن کی خداداد صلاحیتوں کا یہ عالم تھا کہ وہ فرمایا کرتے تھے: جہاں کہیں کسی بھی فرقے اور کسی بھی دین سے تعلق رکھنے والا مناظرے کا چیلنج دے، فقیر کو وہاں بلا لیا جائے، فقیر اس کے ساتھ مناظرہ کرے گا۔" اور اللہ تعالیٰ کا اُن پر خاص کرم تھا کہ وہ ہر میدان میں کامیاب و کامران رہے، کوئی مناظر اُن کے سامنے نہیں ٹھہر سکا۔

مناظرِ اسلام مولانا محمد عمر اچھروی ۱۳۱۹ھ / ۱۹۰۱ء میں قصور شہر کے قریبی گاؤں شیر و کانہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کا تعلق حضرت خواجہ غلام محی الدین قصوری دائم الحضوری قدس سرہٗ کے صدیقی خاندان سے تھا۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد مولانا محمد امین صدیقی قصوری قدس سرہٗ سے حاصل کی۔ مزید تعلیم کے لئے ہندوستان کے مختلف علماء کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ دار العلوم رحمانیہ، دہلی میں بھی پڑھتے رہے اور وہیں سے سندِ فراغت حاصل کی

آپ کے اکثر و بیشتر اساتذہ دیوبندی، وہابی، مکتبِ فکر سے تعلق رکھتے تھے۔ اس کے باوجود آپ کا راسخ العقیدہ سنّی حنفی ہونا عجیب سا لگتا ہے۔ دراصل آپ کے والد ماجد، حضرت عارف باللہ میاں شیر محمد شرقپوری قدّس سرّہ کے مرید تھے اور آپ کو بھی بچپن میں ان کے دستِ حق پرست پر بیعت ہونے کا شرف حاصل تھا۔ اس پہلو پر غور کیا جائے، تو تعجب خود بخود ختم ہو جاتا ہے، کیونکہ ولیٔ کامل کے دامن سے وابستگی آدمی کو بے راہ روی سے بچانے میں بڑا کردار ادا کرتی ہے۔

علومِ دینیہ کی تحصیل کے بعد آپ نے علمِ طب بھی پڑھا اور کچھ عرصہ علاج معالجہ بھی کرتے رہے، لیکن اللہ تعالیٰ کو منظور یہ تھا کہ آپ عقیدے اور ایمان کی بیماریوں کا علاج کریں اور جس پامردی سے آپ نے اعتقادی اور ایمانی بیماریوں کا علاج کیا، وہ آپ ہی کا حصّہ تھا۔ ابتداءً قصور کے مضافات میں بارہ سال تک ستوکی میں جامع مسجد کی خطابت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ اس مسجد کے ساتھ ہی قائم مدرسہ میں علومِ دینیہ کی تدریس بھی فرماتے رہے۔ پھر آپ لاہور تشریف لے آئے اور جامع مسجد عطاریں طویل عرصہ تک خطابت کے فرائض انجام دیتے رہے دس بارہ سال تک شیخوپورہ اور ایک عرصہ تک قصور میں خطبۂ جمعہ دیتے رہے۔

حضرت میاں شیر محمد شرقپوری اور ان کے سجادہ نشین حضرت ثانی صاحب قدّس سرہما کے وصال کے بعد، حضرت میاں صاحب شرقپوری کے خلیفہ حضرت سید محمد اسماعیل شاہ معروف بہ حضرت کرماں والہ سے رُوحانی فیوض و برکات کا استفادہ کیا اور ان ہی کے فرمان پر حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری، قدّس سرّہ کی جامع مسجد میں جمعہ کا خطبہ دینا شروع کیا۔ سولہ سال تک مسلسل اس مسجد میں جمعہ پڑھاتے رہے۔

مولانا کا خطاب ٹھیٹھ پنجابی زبان میں ہوتا تھا اور دل نشین اتنا کہ سامعین

گھنٹوں سُنتے، مگر کیا مجال کہ دلچسپی میں کمی واقع ہو۔ قرآنِ پاک کی آیات کریمہ بڑی کثرت سے اور برمحل تلاوت فرماتے اور لہجہ اتنا دلکش ہوتا کہ سننے والے جھُوم جھُوم جاتے، اُن کی گفتگو بڑی مؤثر اور سوز و گداز پر مشتمل ہوتی تھی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمتِ شان اس والہانہ انداز میں بیان کرتے کہ سامعین کے ایمان منور ہو جاتے، ان کے قال کو حال کی پشت پناہی حاصل تھی۔ عبادت و ریاضت اور شب بیداری تو اُن کی گھٹی میں شامل تھی، ہر روز پانچ سیپارے تلاوت کرتے، لباس نہایت سادہ زیب تن فرماتے، تن تنہا سفر کرتے اور خدام اور معتقدین کا ہجوم ساتھ لے کر چلنے کا تکلف نہیں کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں اولادِ صالح عطا فرمائی۔ آپ کے صاحبزادوں میں سے مولانا حافظ سلطان باہو صدیقی، مولانا عبدالوہاب صدیقی ہیں ـــــ مولانا حافظ سُلطان باہو صدیقی مدظلہ ۱۹۷۴ء سے جامع مسجد غوثیہ، جنازہ گاہ۔ ۵۱ لٹن روڈ مزنگ، لاہور میں خطابت کے فرائض انجام دے رہے ہیں، اسی مسجد میں ہر سال تراویح میں قرآن پاک بھی خود ہی سُناتے ہیں ــ اسی دوران مسجد کو شہید کر کے اس کا سنگ بنیاد اپنے ہاتھ سے رکھا اور آج یہ مسجد لاہور کی بڑی اور حسین مساجد میں شمار ہوتی ہے۔ مسجد کے خوبصورت مینار دُور سے نظر آتے ہیں، درمیان میں سبز گنبد ہے جو واضح طور پر دکھائی دیتا ہے۔ احباب کے اصرار پر ایک انجمن بنائی گئی، جس کا نام مولانا کی نسبت سے انجمن سُلطانیہ رکھا گیا۔

مولانا حافظ سُلطان باہو صدیقی مدظلہ صفِ علماء میں اس اعتبار سے بھی ممتاز مقام رکھتے ہیں کہ انہوں نے اپنے تمام صاحبزادوں کو قرآن پاک کا حافظ اور عالمِ دین بنایا ہے۔ انہوں نے کبھی اس نقطۂ نظر سے نہیں سوچا کہ بچوں کو لکھا پڑھا کر دُنیا کمانے کے لئے کہیں ملازم کرا دیا جائے، ورنہ عموماً دیکھا گیا ہے کہ علماء اپنے صاحبزادوں کو دینی تعلیم کی بجائے

دُنیا کی تعلیم کی طرف لگا دیتے ہیں۔

تصانیف

مناظرِ اسلام مولانا محمد عمر اچھروی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کثیر مشاغل کے باوجود تصانیف کا بڑا ذخیرہ یادگار چھوڑا ہے۔ چند تصانیف کے نام یہ ہیں:

۱۔ مقیاسِ حنفیت: اس میں بتایا گیا ہے کہ اصلی حنفی کون؟ اور جعلی حنفی کون؟

۲۔ مقیاسِ وہابیت: غیر مقلدین کا اصلی رنگ روپ بے نقاب کیا ہے

۳۔ مقیاسِ خلافت: (دو جلد) مسئلۂ خلافت کی تحقیق اور روافض کا رد

۴۔ مقیاسِ نبوّت: (تین جلد) ردِّ مرزائیت

۵۔ مقیاسِ صلوٰۃ: نماز کا مسنون طریقہ کیا ہے؟ اس ضمن میں، غیر مقلدین کے دلائل کا ردّ

۶۔ مقیاسِ مناظرہ: غیر مقلّدین سے کئے گئے مناظروں کی تفصیل

۷۔ مقیاسِ نور: نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے نُور کا ثبوت (قرآن و حدیث سے)

۲۲ دسمبر ۱۳۹۱ھ / ۱۹۷۱ء کو مناظرِ اسلام مولانا محمد عمر صدیقی اچھروی قدس سرہ کا وصال ہوا۔ آپ کی رحلت سے دُنیائے تبلیغ و مناظرہ میں بہت بڑا خلا پیدا ہو گیا۔ خدا کرے کہ آپ کے فرزندانِ ارجمند اپنی تمام تر صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر اس خلاء کو پُر کر دیں۔

۶ ربیع الاوّل ۱۴۰۸ھ
۳۰ اکتوبر ۱۹۸۷ء

محمد عبد الحکیم شرف قادری

رہبرِ شریعت پیرِ طریقت حضرت پیر محمد فاضل (رحمہ اللہ تعالیٰ) (ڈھانگری شریف)

اور مشائخ ڈھانگری شریف، آزاد کشمیر

ہر مسلمان پر لازم ہے کہ نہ صرف اللہ تعالیٰ اور اُس کے حبیب مکرّم شفیع معظم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے احکام اور تعلیمات پر عمل پیرا ہو، بلکہ خدا و رسول جلّ جلالہٗ وصلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے احکام و فرامین دوسروں تک بھی پہنچائے۔ حضور نبی اکرم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی تعلیم و تربیت کا یہ اعجاز ہے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم قرآن و حدیث کی تعلیمات کے عالم بھی تھے، اُن پر عامل بھی تھے اور اُن کے مبلّغ بھی تھے جُوں جُوں زمانہ نبوّت سے دُوری پیدا ہوتی گئی، علم، عمل اور تبلیغ میں کمی پیدا ہوتی گئی اور یہی اس اُمّت کے زوال کا نقطۂ آغاز تھا۔

بعد کے ادوار میں ہر طبقے کے مختلف افراد صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے قدم بقدم چلتے رہے، ان میں سلاطین بھی تھے، مجاہدین بھی، تاجر بھی تھے اور اہلِ حرفہ بھی، علماء کرام بھی تھے اور اولیاء عظام بھی، غرض یہ کہ ہر شعبۂ زندگی سے تعلّق رکھنے والے حضرات نے اپنی بساط کے مطابق یہ فریضہ انجام دیا۔ سب سے زیادہ مؤثر کام ائمۂ مجتہدین اور اولیاء کرام کا تھا۔ ائمۂ مجتہدین نے خداداد اجتہادی صلاحیتوں سے کام لے کر کتاب و سُنّت کے اعتقادی اور عملی احکام مرتب اور مدوّن انداز میں دُنیا کے سامنے پیش کیے، جن پر آج دُنیا کے تمام مُسلمان عمل پیرا ہیں۔ اولیاء کرام نہ صرف شریعت اسلامیہ کے اعتقادی اور عملی احکام کا علم رکھتے تھے اور ان پر عمل پیرا تھے، بلکہ حضور نبی اکرم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے

اخلاقِ عالیہ سے متصف اور بلند مرتبہ رُوحانی اور قلبی احوال کے حامل بھی تھے۔ مزید برآں یہ کہ وہ ماہرِ نفسیات بھی تھے، وہ جانتے تھے کہ تبلیغِ دین کا مؤثر ترین پیرایہ کیا ہے؟ وہ عوام و خواص کو صرف احکام و مسائل سے ہی روشناس نہیں کراتے تھے، بلکہ انہیں کیف اور گداز سے بھی آشنا کرتے تھے، حلاوتِ ایمان کی لذّت عطا کرتے اور اعمالِ صالحہ کی چاشنی سے بہرہ ور فرماتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ خلقِ خدا کشاں کشاں اُن کی خدمت میں حاضر ہوتی، ایمان و عمل اور جہاد و مجاہدہ کی دَولتِ گراں مایہ حاصل کر کے صراطِ مُستقیم پر گامزن ہو جاتی۔

طریقت کے مشہور سلاسل قادری، چشتی، نقشبندی، سہروردی اور دیگر سلاسل کا آپس میں اوراد و اشغال اور وضع قطع میں اختلاف محض ثانوی حیثیت رکھتا ہے۔ اصل مقصد سب کا یہی ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ اور حضور نبی اکرم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر کامیابی کی عظیم شاہراہ پر گامزن ہو جائے اور دُنیا و آخرت کی فلاح و بہبود حاصل کر لے۔ اولیاء کرام کا خصوصی وصف بے لوث اور ہمہ گیر محبت ہے، ان کی محبّت کی اثر انگیزی کا یہ عالم ہے کہ جو شخص اُن کے دامِ محبّت کا اسیر ہو گیا، وہ کافر تھا تو مسلمان ہو گیا اور فسق و فجور میں مبتلا تھا، تو تقوی و طہارت کا پیکرِ جمیل بن گیا۔ ان کے انفاسِ مبارکہ کی یہ کرامت ہے کہ پتھر دل لوگ، اشکِ سحر گاہی سے وضو کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، دریائے معصیت میں غوطہ زن افراد، متّقیوں کے امام بن جاتے ہیں ؎

آنانکہ خاک را بنظرِ کیمیا کنند
سگ را ولی کنند و مگس را ہما کنند

اولیاء کرام کے بارے میں سرکارِ دو عالم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے: هُمُ الْقَوْمُ لَا یَشْقٰی جَلِیْسُهُمْ۔ "یہ وہ لوگ ہیں جن کا ہم نشین بدبخت نہیں ہوتا۔"

ان کے احوال و آثار اور ارشادات کا مطالعہ، دلوں کا زنگ دُور کرنے کے لئے اکسیر کا درجہ رکھتا ہے۔ ان کے ذکر سے رحمتِ الٰہیہ کی بارش ہوتی ہے۔ تَتَنَزَّلُ الرَّحْمَةُ عِنْدَ ذِكْرِ الصَّالِحِيْنَ بزرگانِ دین کا مقولہ ہے، اور کیوں نہ ہو؟ صالحین کرام نے اپنی زندگیاں ربِ کریم جل شانہ، کی رضا کے حصول کے لئے وقف کر رکھی ہیں، شب و روز ان پر رحمتِ باری تعالیٰ نچھاور ہو رہی ہے، اُن کے طفیل اُن کے دامن سے وابستگان بھی فیض یاب ہوتے ہیں۔

ع وَلِلْاَرْضِ مِنْ كَاْسِ الْكِرَامِ نَصِيْبٌ

عرب کے سخاوت کیش جب پینے پلانے میں مصروف ہوتے تو کچھ حصّہ زمین پر بھی انڈیل دیتے تھے۔ اللہ اللہ! اسخیائے عرب، اللہ والوں کی سخاوت کو کہاں پہنچ سکتے ہیں؟ اُن کی سخاوت میں نمود و نمائش نہیں، شہرت اور چرچا مقصود نہیں، ان کے پیشِ نظر صرف للّٰہیت اور خلقِ خدا کی بھلائی ہے، پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ ان کے درِ دولت پر حاضر ہونے والا ان کے خوان ہائے نعمت سے محروم رہے؟

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں متقین کے اوصافِ حمیدہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

۱ - وہ غیب پر ایمان لاتے ہیں۔

۲ - نماز قائم کرتے ہیں۔

۳ - اور ہمارے دیئے ہوتے رزق میں سے خرچ کرتے ہیں۔

۴ - (اے حبیب صلّی اللہ تعالیٰ علیک وسلّم!) جو آپ پر نازل کیا گیا اور آپ سے پہلے نازل کیا گیا، اس پر ایمان لاتے ہیں۔

اِن اوصاف کے بیان کے بعد ارشاد فرمایا:

اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○

"یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی کامیابی پانے والے ہیں"

اُولٰٓئِکَ کا اشارہ متقین کی ذوات کی طرف ہے، جو صفاتِ مذکورہ کے ساتھ موصوف ہیں۔ گویا یہ اسمِ اشارہ مشتق کے حکم میں ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ دُنیا میں کامیابی کا راز اوصاف مذکورہ کے اپنانے میں مضمر ہے اور اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ایمان ہو یا عمل، اُس وقت تک مقبول نہیں ہے، جب تک اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اخلاص پر مبنی نہ ہو، اخلاص زینۂ قبولیت ہے، اخلاص جتنا زیادہ ہوگا قبولیت اتنی ہی زیادہ ہوگی۔

حضرت محبوبِ سُبحانی شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"جو آخرت کا طالب ہو، اُسے دُنیا سے بے نیاز ہو جانا چاہیئے اور جو اللہ تعالیٰ کا طالب ہو، اُسے آخرت سے بے تعلق ہو جانا چاہیئے، انسان کو چاہیے کہ دُنیا کو آخرت کے لئے اور آخرت کو اپنے رب کے لئے چھوڑ دے جب تک اس کے دل میں دُنیا کی کوئی خواہش اور لذّت باقی رہے گی، دُنیا کی اشیاء مثلاً کھانے، پینے، پہننے، نکاح، رہائش اور سواری کی چیزوں، حکومت و اقتدار، فنونِ علمیہ میں مقام حاصل کرنے، پانچ عبادتوں سے زیادہ فقہ کے مسائل، حدیث کی روایت، قرآن پاک کے مختلف قراءتوں کے ساتھ پڑھنے، نحو، لُغت، فصاحت، غربت کے ازالے، دولت کے حصول، مصیبت کے جانے اور عافیت کے حاصل ہونے، مختصر یہ کہ نقصان کے دُور ہونے اور فائدے کے حاصل ہونے سے راحت حاصل کرے، تو وہ صحیح زاہد نہیں ہے۔[1]

حضور سیّدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہر وہ چیز جو خواہش نفس کے مطابق ہو اور نفس اس سے لطف اندوز ہو، وہ دُنیا کا حصّہ ہے اور جب تک ہر ایسی چیز

[1] عبدالقادر جیلانی، غوثِ اعظم، سیّد: فتوح الغیب عربی بر حاشیہ قلائد الجواہر (طبع مصر)، ص ۹۶-۹۷۔

کو کھرچ کر دل سے نکال نہ دیا جائے، اُس وقت تک دل غم و آلام سے رہائی نہیں پا سکتا، اگر دل کو دُنیا کی محبت سے مکمّل طور پر پاک صاف کر لے، تو اسے غموں اور پریشانیوں سے نجات مل جائے گی اور اُس کا دل اللہ تعالیٰ کی محبت اور اُنس سے لبریز ہو جائے گا۔

امامِ ربّانی حضرت مجدّد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"نجاتِ ابدی حاصل کرنے کے لئے انسان کے لئے ضروری ہے کہ تین چیزیں حاصل کرے: (۱) علم (۲) عمل (۳) اخلاص۔

علم کی دو قسمیں ہیں: (۱) وہ علم جس کا مقصد عمل ہے۔ یہ علم، فقہ سے حاصل ہوتا ہے۔ (۲) وہ علم جس کا مقصد صرف دل کا یقین اور عقیدہ ہے، اس کی تفصیل اہلِ سُنّت کے صحیح عقائد کے مطابق علمِ کلام میں بیان کی گئی ہے اور یہی فرقۂ ناجیہ (نجات پانے والی جماعت) ہے ان بزرگوں کی پیروی کے بغیر نجات کا تصوّر نہیں کیا جا سکتا۔ اگر بال برابر بھی مخالفت ہو تو خطرہ ہی خطرہ ہے۔ یہ بات صحیح کشف اور صریح الہام سے بھی یقین کی حد تک پہنچی ہوئی ہے اور اس کے خلاف کا احتمال نہیں ہے۔

. . . . مختصر یہ کہ علم و عمل شریعت سے حاصل ہے اور اخلاص، علم و عمل کے لئے رُوح کی حیثیت رکھتا ہے، اس کا حاصل کرنا صوفیہ کے راستے پر چلنے سے وابستہ ہے، جب تک سیر الی اللہ طے نہ کرے اور سیر فی اللہ کے مرتبے پر فائز نہ ہو، حقیقتِ اخلاص سے دُور ہے، اور مخلصین کے کمالات سے عاری ہے،

. . . . . اولیاء اللہ جو کچھ کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے لئے کرتے ہیں، اپنے نفس کے لئے نہیں کرتے، کیونکہ وہ اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کی رضا

کے لیے قربان کر چکے ہیں۔" لے

آج کچھ لوگ اس قسم کا پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ اتباعِ شریعت کی چنداں ضرورت نہیں ہے، آدمی کا دل ذاکر ہونا چاہیے، پھر چاہے آپ شوق سے اپنے اہل و عیال کے ساتھ بیٹھ کر وی سی آر پر فلم دیکھتے رہیں، آپ کا کچھ نقصان نہیں ہوگا۔ یہی وہ جدید تصوف ہے، جو بے راہ روی اور گمراہی کا راستہ کھول رہا ہے۔

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ایک ایمان افروز مکتوب پڑھئے، اور دیکھئے کہ صحیح تصوف کے ترجمان کیا کہتے ہیں؟ فرماتے ہیں:

"کل قیامت کے دن شریعت کے بارے میں پوچھیں گے، تصوف کے بارے میں نہیں پوچھیں گے۔ جنت میں داخلہ اور دوزخ سے بچاؤ، شریعت کی پیروی سے وابستہ ہے۔ انبیاء صلوات اللہ وتسلیماتہ علیہم کائنات کے بہترین افراد ہیں، انہوں نے احکامِ شرعیہ کی دعوت دی ہے ان ہی پر نجات کا دارومدار ہے۔ ان اکابر کی بعثت کا مقصود احکامِ شریعت کی تبلیغ ہی ہے۔ پس سب سے بڑی نیکی شریعت کو رائج کرنے اور اس کے کسی بھی حکم کو زندہ کرنے کی کوشش ہے۔ خصوصاً ایسے زمانے میں جب شعائرِ اسلام منہدم ہو چکے ہوں۔ کروڑوں روپے (زر) اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنا، شریعت کے ایک مسئلے کو رائج کرنے کے برابر نہیں ہے، کیونکہ شرعی مسئلے کی ترویج میں انبیاء کرام کی اقتدا ہے، جو تمام مخلوقات سے بڑی ہستیاں ہیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہم وسلم)

اس کے بعد خود ایک سوال قائم کر کے اس کا جواب دیتے ہیں:

لے احمد سرہندی، امام ربانی شیخ: مکتوبات فارسی (طبع لاہور) دفتر اول، حصہ دوم ص ۴۱۔۳۸

سوال : ماسوی اللہ تعالیٰ کی محبت میں گرفتار طالب علم اس صوفی سے کیسے بہتر ہے ؟ جو ماسوٰی کی محبت سے آزاد ہے ۔

جواب : یہ سوال کرنے والا ابھی بات کی حقیقت تک نہیں پہنچا، طالب علم ماسوی اللہ کے تعلق میں گرفتار ہونے کے باوجود مخلوقات کی نجات کا سبب ہے، کیونکہ وہ شرعی احکام کی تبلیغ کر رہا ہے، اگرچہ وہ خود اس سے (پوری طرح) نفع حاصل نہیں کرتا ۔ صوفی نے ماسوٰی کی گرفتاری سے رہائی کے باوجود صرف اپنے آپ کو رہا کرایا ہے، مخلوقات کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رکھتا ۔۔ اور یہ طے شدہ حقیقت ہے کہ جس شخص کے ساتھ بہت سے لوگوں کی نجات وابستہ ہو وہ اُس شخص سے بہتر ہے، جو صرف اپنی نجات پر اکتفا کر بیٹھا ہو ۔ [۱]

یہی بات حضرت شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک حکایت کے ضمن میں بیان کی ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ ایک درویش، صوفیہ کی خانقاہ سے نکل کر دار العلوم میں داخل ہو گیا، میں نے اُس سے وجہ پوچھی، تو اُس نے جواب دیا :

گفت او گلیم خویش بدر می برد ز موج
ویں جُہد می کند کہ بگیرد غریق را

"اُس نے کہا کہ صوفی اپنی گودڑی کو دریا کی موجوں سے بچا رہا ہے، اور یہ عالمِ دین کوشش کر رہا ہے کہ ڈوبنے والے کو پکڑے۔"

خلاصہ یہ ہے کہ پہلے شریعت مبارکہ کے ضروری مسائل کا علم حاصل کرنا چاہیے، پھر تصوف و سلوک کی منزلیں طے کر کے حقیقت تک پہنچنے کی کوشش کی جائے۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ شریعت، طریقت اور حقیقت کا باہمی تعلق یُوں بیان کرتے ہیں :

۱۔ احمد سرہندی، امام ربانی، شیخ : مکتوبات فارسی، دفتر اوّل، حصہ دوم، ص ۲۴-۲۵

زبان سے جھوٹ نہ بولنا شریعت ہے، دل سے جھوٹ کے خیال کی نفی کرنا طریقت و حقیقت ہے، اگر یہ نفی تکلف اور کوشش سے ہے تو یہ طریقت ہے اور اگر تکلف کے بغیر یہ کیفیت حاصل ہے تو یہ حقیقت ہے، پس درحقیقت باطن (یعنی طریقت و حقیقت) ظاہر (یعنی شریعت) کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے والا ہے۔'' [۱]

تذکرۂ مشائخ ڈھانگری شریف، آزاد کشمیر

پیشِ نظر کتاب آزاد کشمیر کے مشہور روحانی مرکز ڈھنگروٹ شریف (مشہور بہ ڈھانگری شریف) کے مشائخِ طریقت کے احوال و آثار پر مشتمل ہے، اولیاء کاملین اور اربابِ معرفت کی خدمت میں عقیدت و محبت کے ساتھ حاضری سے سکونِ قلب میسر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیبِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت دل میں موجزن ہوجاتی ہے اور اتباعِ شریعت کا ذوق و شوق حاصل ہوتا ہے۔ مختصر یہ کہ انسان مقامِ انسانیت پر فائز ہوجاتا ہے، اولیاء اللہ کی رحلت کے بعد ان کا فیض جاری و ساری رہتا ہے۔ ان کے تذکروں کے مطالعہ سے بھی یہ فوائد حاصل کیے جاسکتے ہیں۔ ڈھانگری شریف (آزاد کشمیر) کے مشائخِ طریقت کا روحانی اور علمی فیض صرف آزاد کشمیر اور پاکستان تک محدود نہیں، بلکہ دیگر ممالک تک بھی پہنچ رہا ہے۔

حضرت خواجہ حافظ محمد حیات رحمہ اللہ تعالیٰ

اس دربار شریف کے مورثِ اعلیٰ حضرت حافظ محمد حیات رحمہ اللہ تعالیٰ

[۱] احمد سرہندی، امامِ ربانی، شیخ: مکتوبات: دفتر اول، حصہ دوم، ص ۳

سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کے عظیم پیشوا تھے۔ ۱۸۵۷ء سے پہلے آپ کی ولادت ہوئی۔ ابتدائی تعلیم گھر میں ہی حاصل کی۔ پھر حضرت حافظ کرم دین رحمہ اللہ تعالیٰ ساگری شریف کی خدمت میں حاضر ہو کر علوم دینیہ حاصل کیے اور اُن کی تکمیل کی۔ حضرت خواجہ محمد بخش رحمہ اللہ تعالیٰ، باولی شریف، خلیفۂ مجاز حضرت خواجہ نور محمد تیراہی رحمہ اللہ تعالیٰ، چُورہ شریف کے دستِ اقدس پر سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ میں بیعت ہوئے، اور مرشدِ گرامی کی توجہ اور تربیت سے سلوک کی منزلیں طے کرنے کے بعد خلافت و اجازت سے مشرف ہوئے۔ ۱۰ فروری ۱۸۹۵ء کو آپ کے مُرشدِ گرامی کا وصال ہوا، کچھ عرصہ کے بعد حضرت پیر سیّد محمد نیک عالم رحمہ اللہ تعالیٰ گوڑہا سیّداں شریف نے بھی آپ کو سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کی خلافت عنایت فرمائی۔

آپ کی تمام زندگی قرآن و حدیث اور علوم دینیہ کی تدریس و تعلیم، ذکر و فکر اور خلقِ خدا کی راہنمائی میں بسر ہوئی۔ آپ کی صحبت اور توجہ کی برکت سے بے نمازی نہ صرف نمازی بن جاتے، بلکہ عابدِ شب زندہ دار اور تہجد گزار بن جاتے۔ آپ کا حلقۂ ذکر نمازِ عشاء کے بعد شروع ہو کر تہجد کی نماز تک جاری رہتا۔ آپ کی رُوحانیت اور توجہ کی تپش کا یہ اثر ہوتا کہ سخت سردی کے باوجود حاضرین پسینہ پسینہ ہو جاتے۔ آپ اپنے مریدین کو اتباعِ شریعت و سُنّت کی سخت تاکید فرماتے تھے۔

حضرت خواجہ حافظ محمد حیات رحمہ اللہ تعالیٰ کے مریدین اور خلفاء کا حلقہ بڑا وسیع ہے۔ حضرت مولانا قاضی محمد سُلطان عالم رحمہ اللہ تعالیٰ، کالا دیو، جہلم، آپ کے خلیفۂ اجل تھے، جن کے صاحبزادے حضرت خواجہ محمد صادق مدظلہ العالی (کوٹلی، آزاد کشمیر) ہیں۔ راقم نے حضرت خواجہ محمد صادق مدظلہ کی زیارت کی ہے۔ اُن کی محیّر العقول کرامت یہ ہے کہ انہوں نے بیسیوں عالی شان مسجدیں تعمیر کروائی ہیں، ان میں قرآن پاک اور علوم دینیہ کی تعلیم کے مدارس قائم کیے ہیں۔ کوٹلی شہر کے ہر مرکزی مقام پر آپ کی

تعمیر کردہ مساجد موجود ہیں، جن کا شکوہ اور حسنِ انتظام دیکھنے کے لائق ہے۔ باعثِ حیرت یہ امر ہے کہ ان مساجد اور مدارس کی تعمیر اور انتظام کے لئے نہ تو چندے کی اپیل ہے اور نہ ہی کوئی اہتمام ہے۔

کئی سال سے حضرت خواجہ محمد صادق مدظلہٗ کسی سے ملاقات نہیں کرتے۔ نماز کے وقت مسجد میں تشریف لاتے ہیں، تو کیا مجال کہ کوئی شخص آگے بڑھ کر مصافحہ کرے۔ نماز کے لئے جس خاموشی سے آتے ہیں، اُسی خاموشی سے واپس چلے جاتے ہیں۔ زائرین خادمِ خاص ہی کے ذریعے ان سے گفتگو کرتے ہیں اور ہدایات حاصل کرتے ہیں۔ اس عظمت و جلالت اور گوشہ نشینی کے باوجود ڈھانگری شریف کے موجودہ جواں سال سجادہ نشین حضرت علامہ صاحبزادہ محمد عتیق الرحمٰن مدظلہٗ یا اُن کے بڑے بھائی حضرت صاحبزادہ محمد حبیب الرحمٰن (انگلینڈ) جب کبھی حضرت کے آستانے پر چلے جائیں، تو اُن کی تعظیم و تکریم اور خدمت میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتے، اس نسبت کی بناء پر کہ یہ ہمارے والد ماجد کے پیر و مرشد حضرت خواجہ محمد حیات رحمہ اللہ تعالیٰ کے پرپوتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ باکمال اربابِ طریقت ہی ان نسبتوں کا اس قدر احترام کر سکتے ہیں۔

تذکرہ ہو رہا تھا حضرت خواجہ حافظ محمد حیات رحمہ اللہ تعالیٰ کے خلفاء کا۔ ان کے خلفاء میں حضرت میاں حسین علی خاں، کس باڑاں، حضرت میاں صوفی حشمت علی، جوڈھال، حضرت میاں حسین علی، حضرت میاں سائیں ستار محمد چھتروہ، حضرت میاں خوشی محمد، پرہیڑ، حضرت میاں باغ علی، ڈومال، اور حضرت میاں شاہ محمد، فتح پور رحمہم اللہ تعالیٰ کے نام زیادہ معروف ہیں۔

حضرت خواجہ حافظ محمد حیات رحمہ اللہ تعالیٰ کا وصال ۳ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ/ ۱۹۱۶ء کو ہوا، مزار شریف ڈھنگروٹ شریف (آزاد کشمیر) میں ہے۔

حضرت خواجہ حافظ محمد علی رحمہ اللہ تعالیٰ

حضرت خواجہ حافظ محمد حیات رحمہ اللہ تعالیٰ کے چار صاحبزادے تھے اور چاروں ہی صاحبِ اجازت تھے، لیکن آپ کی نظرِ خاص حضرت خواجہ حافظ محمد علی رحمہ اللہ تعالیٰ پر تھی۔ نوعمری میں ہی اُنہیں حضرت خواجہ محمد خان عالم رحمہ اللہ تعالیٰ باولی شریف کے خلیفۂ مجاز حضرت پیر سید لطف علی شاہ رحمہ اللہ تعالیٰ رواتر شریف کے ہاتھ پر بیعت کرا دیا، بعد ازاں انہیں خود مدارجِ سلوک طے کرائے اور سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کی خلافت عنایت کی۔ پھر ایک غیبی اشارہ کی بنا پر انہیں حضرت قاضی سلطان محمود رحمہ اللہ تعالیٰ، آوان شریف کی خدمت میں بھیج دیا۔ حضرت خواجہ حافظ محمد علی رحمہ اللہ تعالیٰ نے طویل عرصہ ان کی خدمت میں گزارا، لنگر اور دربار شریف کی دل و جان سے خدمت کی، اور سلسلۂ عالیہ قادریہ کا فیض حاصل کیا۔

کسی شخص کے دریافت کرنے پر حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان کا تعارف ان الفاظ سے کرایا:

"ہمارے متعلقین میں حافظ محمد علی ہی وہ یکتائے زمانہ شخص ہیں جنہوں نے کئی سالوں سے ہمارے پاس دنیا کی کوئی بات نہیں کی، صرف ذکرِ خدا اور یادِ الٰہی میں مصروف رہے اور مزید بھی اسی راہ کا پوچھا۔"

اسی طرح حضرت خواجہ حافظ محمد علی رحمہ اللہ تعالیٰ نقشبندی اور قادری فیوض و برکات کے جامع ہوئے اور کثیر التعداد مخلوقِ خدا کو فیض یاب فرما کر ۶ ربیع الثانی، ۱۵ اگست ۱۳۸۲ھ / ۱۹۶۲ء کو دارِ فانی سے رحلت فرمائی، آپ کا مزارِ اقدس فیض پور شریف میں بنا۔ جب تین سال بعد یہ جگہ منگلا ڈیم میں آگئی، تو آپ کا جسدِ مبارک اس جگہ سے نکالا گیا جو بالکل صحیح سلامت تھا۔ ہزاروں افراد نے آپ کی زیارت کی۔ دوسری بار آپ کا مزار شریف ڈھانگری شریف میں بنا۔

یادگارِ اسلاف حضرت مولانا پیر محمّد فاضل رحمہ اللہ تعالیٰ

آپ کی ولادت باسعادت ۱۳۳۴ھ / ۱۹۱۵ء میں ہوئی، ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد حضرت خواجہ حافظ محمد علی رحمہ اللہ تعالیٰ سے حاصل کی ۔ والد ماجد کے فرمان کے مطابق مرکزِ علم و عشق جامعہ رضویہ منظرِ اسلام، بریلی میں علوم دینیہ کی تکمیل کر کے حضرت محدّثِ اعظم پاکستان مولانا محمد سردار احمد چشتی قادری رحمہ اللہ تعالیٰ سے درسِ حدیث لے کر ۱۳۵۹ھ میں سندِ فراغت حاصل کی ــــــ واپس آئے تو آپ کے جدّ امجد نے آپ کے والد ماجد کو خواب میں ارشاد فرمایا کہ اپنے بیٹے کو باطنی سلوک طے کروا کر اُنہیں خلافت دیں ــــ چنانچہ حکم کی تعمیل کی گئی۔

حضرت خواجہ محمد فاضل رحمہ اللہ تعالیٰ شریعت و طریقت، نقشبندیت و قادریت اور علم و عمل کے جامع تھے، تمام زندگی درس و تدریس اور رشد و ہدایت میں صرف کی قرآن پاک، حدیث، تفسیر، فقہ اور دیگر علوم دینیہ آخری ایام تک پڑھاتے رہے، انہوں نے اپنی زندگی میں علمِ ظاہر و باطن کے دریا بہا دیئے اور تشنگانِ شریعت و طریقت کو خُوب خُوب سیراب کیا۔

منبعِ علم و عرفان بریلی شریف کے دار العلوم منظرِ اسلام یا مظہرِ اسلام کے فیض یافتگان میں ایک خاص وصف یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ وہ اپنے اساتذہ کے حد درجہ عقیدت مند ہوتے تھے، خصوصاً حضرت مفتیِ اعظم ہند مولانا محمد مصطفٰے رضا خاں اور امام احمد رضا بریلوی رحمہما اللہ تعالیٰ کے شیدائی ہوتے تھے ۔ یہ صرف قصّۂ پارینہ ہی نہیں ہے بحمدہٖ تعالیٰ آج بھی وہی کیفیت باقی ہے حضرت خواجہ محمد فاضل رحمہ اللہ تعالیٰ کی بھی یہی کیفیت تھی ۔ جب بھی وہ امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا نام لیتے تو کہتے: رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے چہرے پر بشاشت کی لہر دوڑ جاتی، ان کے فتوے کو بطور سند پیش کرتے تھے، اور کیا مجال کہ ان کے سامنے کوئی اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے خلاف لب کشائی کرتا۔

۱۵ مئی ۱۹۹۱ء کو علم و عرفان کا یہ آفتاب دُنیا سے روپوش ہوگیا۔ کثیر التعداد علماء و مشائخ اور ہزاروں عقیدت مندوں نے نماز جنازہ میں شرکت کی۔ آپ کا مزار شریف بھی ڈھانگری شریف میں ہے جہاں ایک دفعہ حاضر ہونے کا راقم کو اتفاق ہوا ہے۔

دَورِ حاضر کے سجادہ نشین

آپ کے دو صاحبزادے ہیں جو اپنے والد ماجد کا مظہر اور عکسِ جمیل ہیں۔ بڑے صاحبزادے حضرت علامہ صاحبزادہ محمد حبیب الرحمٰن زید مجدہٗ فاضل جامعہ نعیمیہ، لاہور، انگلینڈ میں ایک عظیم مرکز حیات العلوم صفۃ الاسلام بریڈ فورڈ کے مہتمم ہیں۔ یورپ کے کئی دینی مراکز اور مساجد میں آپ کی نگرانی میں تبلیغِ اسلام کا کام ہو رہا ہے۔

دوسرے صاحبزادے حضرت علامہ صاحبزادہ محمد عتیق الرحمٰن زید لطفہٗ ڈھانگری شریف میں اپنے والد ماجد کے سجادہ نشین ہیں، پہلے جمعیۃ العلماء پاکستان کے پلیٹ فارم سے سیاست میں حصہ لیتے تھے، والدگرامی کی رحلت کے بعد ان کے طریقے کے مطابق اپنے آپ کو رشد و ہدایت کے لئے مختص کر دیا ہے۔ الحمد للہ! انہوں نے اپنے آباؤ اجداد کی روشن کی ہوئی علم و معرفت کی شمع کی لو کو ماند نہیں پڑنے دیا۔ دینِ متین اور مسلکِ اہل سُنّت و جماعت کا سچا درد رکھتے ہیں اور کلمۂ حق کہنے میں انہیں کوئی تامّل نہیں ہوتا۔

صاحبزادہ صاحب کا حلقۂ اثر بڑا وسیع ہے، آپ جمعیت علماء جمّوں و کشمیر کے صدر، کشمیر سُنّی جہاد کونسل کے امیر، جماعتِ اہل سُنّت پاکستان کی سُپریم کونسل کے ممبر اور اسلام کی سربلندی کے لئے جذبۂ جہاد سے سرشار ہیں۔ زیادہ تر وقت ڈھانگری شریف میں گزارتے ہیں۔ جمعہ، عیدین، گیارہویں شریف، سالانہ اعراس مبارک اور میلاد شریف کے اجتماعات قابلِ دید ہوتے ہیں۔

ڈھانگری شریف میں سالانہ عُرس مبارک کا سلسلہ ۱۸۹۶ء کو شروع ہوا تھا، اس سال

یکم اپریل ۱۹۹۶ء کو صاحبزادہ صاحب کی سرپرستی میں شان و شوکت کے ساتھ عرس ہوا، اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس سرزمین پر عرس شریف منعقد کرتے کرتے ایک صدی گزر چکی ہے اور یہ دوسری صدی کا پہلا عرس تھا۔ ؎

پیشِ نظر کتاب میں ڈھانگری شریف کے اربابِ علم و معرفت مشائخ کا تفصیلی اور دلآویز تذکرہ ہے۔ ان کے معمولاتِ شب و روز، محافلِ ذکر و فکر، ارشادات و نظریات کا ذکرِ جمیل ہے، جو قارئین کو کسی اور ہی دُنیا میں لے جائے گا، انشاء اللہ تعالیٰ العزیز پیرِ طریقت، رہبرِ شریعت حضرت پیر خواجہ محمد فاضل رحمہ اللہ تعالیٰ کے مُریدِ خاص جناب صوفی طالب حسین نے اسے ترتیب دیا اور جناب پروفیسر محمد افضل جوہر (راولپنڈی) نے اس پر نظرِ ثانی کی حضرت سجادہ نشین ڈھانگری شریف کی سرپرستی میں اس کی اشاعت کی جارہی ہے، اللہ تعالیٰ اسے عوام و خواص کے لئے فائدہ مند بنائے۔

آخر میں حضرت سجادہ نشین ڈھانگری شریف کی خدمت میں گزارش ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت بڑا بلند مقام عطا فرمایا ہے، آپ اپنی خداداد صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر ڈھانگری شریف میں عظیم الشان دارالعلوم قائم کریں اور ایک عالی شان مکتبہ قائم کریں، تاکہ علم و عشق اور رشد و ہدایت کی تقسیم کا کام تیز تر ہو سکے۔

وَمَا ذَالِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ

۱۰ ذوالحجۃ ۱۴۱۶ھ
۲۹ اپریل ۱۹۹۶ء

محمد عبدالحکیم شرف قادری

؎ ڈھانگری شریف کے مشائخ کے اکثر و بیشتر حالات جناب صوفی طالب حسین کے مقالہ اعلیٰ حضرت خواجہ محمد حیات رحمہ اللہ تعالیٰ ڈھنگروٹ شریف" سے ماخوذ ہیں۔ یہ مقالہ "نوائے وقت" راولپنڈی / اسلام آباد میں یکم اپریل ۶۶ ۱۹ء کو شائع ہوا، البتہ حضرت خواجہ محمد صادق مد ظلہ کے بارے میں چند کلمات راقم نے اپنے مشاہدے اور علم کے مطابق لکھے ہیں ۱۲ شرف قادری

ادیبِ شہیر مولانا علامہ محمد منشا تابش قصوری مدظلہ العالی

موطا امام محمد کا ترجمہ پاک و ہند کی معروف علمی اور تحریکی شخصیت مولانا علامہ محمد منشا تابش قصوری زید لطفہ، نے کیا ہے، جو اپنی گوناگوں صفات کی بناء پر جواں سال علماء و فضلاء میں یکتا حیثیت کے حامل ہیں۔ وہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں شعبۂ فارسی کے متخصص مدرس بھی ہیں اور مقبولِ عام خطیب بھی ہیں، جبکہ یہ دونوں صفات بہت کم علماء میں جمع ہوتی ہیں، وہ صاحبِ طرز ادیب بھی ہیں اور شاعر بھی ہیں۔ قدرت نے انہیں حاضر دماغی اور لطیف حسِ مزاح کا وافر حصہ عطا کیا ہے۔ جس محفل میں موجود ہوں، اُسے کشتِ زعفران بنا دینے کا ملکہ رکھتے ہیں۔ جب سے انہوں نے فارسی کلاس کو پڑھانا شروع کیا ہے اس وقت سے طلباء کی تعداد میں سال بسال اضافہ ہی ہوا ہے۔ یہاں تک کہ اُن کی کلاس کی تعداد اَسی نوّے تک پہنچ جاتی ہے۔ وہ جامعہ کے واحد اُستاد ہیں، جن کے شاگرد فارسی کے شعبے سے لے کر دورۂ حدیث تک ہر کلاس میں موجود ہوتے ہیں۔ طلباء، احباب، اساتذہ اور منتظمین سب کے ہاں مقبول بلکہ محبوب ہیں۔

غالباً ۱۹۷۰ء میں ماہنامہ ضیائے حرم میں مولانا محمد منشا تابش قصوری کی ارسال کردہ شہیدِ جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء مولانا کفایت علی کافی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ایک نعت شائع ہوئی۔ ارسال کنندہ کی حیثیت سے ان کا ایڈریس بھی تحریر تھا، خطیب جامع مسجد فردوس ٹینریز، مریدکے، ضلع شیخوپورہ۔ راقم ان دنوں جامعہ اسلامیہ رحمانیہ، ہری پور میں مدرس تھا اور بطلِ حریت حضرت علامہ فضلِ حق خیرآبادی رحمہ اللہ تعالیٰ کی سوانح حیات اور جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء

میں ان کے مجاہدانہ اور سرفروشانہ کارناموں پر مشتمل کتاب باغی ہندوستان کی تلاش میں تھا، سوچا کیوں نہ ان سے رابطہ کیا جائے۔ ممکن ہے ان کے توسط سے اس کتاب کا سراغ مل جائے، انہیں عریضہ ارسال کیا اور درخواست کی کہ اس کتاب کی تلاش میں امداد کریں۔ انہوں نے لاہور کی تقریباً تمام قابلِ ذکر لائبریریاں چھان ڈالیں اور آخر کار الفلاح بلڈنگ کی لائبریری سے کتاب ڈھونڈھ نکالی، لیکن مشکل یہ پیش آئی کہ لائبریرین کتاب دینے پر کسی صورت میں تیار نہ ہوا۔ بعدازاں یہ کتاب جناب محمد عالم مختار حق کے ذاتی کتب خانے میں مل گئی اور انہوں نے ازراہِ عنایت اشاعت کے لئے دے دی ـــــ یہ تھا مولانا تابش صاحب کے ساتھ پہلا تعارف، الحمدللہ! اس دن سے لے کر آج تک ان کے ساتھ برادرانہ تعلقات قائم ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے کرم سے امید ہے کہ آئندہ بھی بدستور قائم رہیں گے۔

۱۹۷۴ء میں راقم جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور میں تدریسی خدمات پر مامور ہوا، تو حضرت مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی، ناظمِ اعلیٰ جامعہ نظامیہ رضویہ و تنظیم المدارس، مولانا محمد منشا تابش قصوری، مولانا محمد جعفر قادری اور راقم نے مل کر مکتبہ قادریہ کا آغاز کیا، ہم چاروں افراد ماہانہ پچاس روپے جمع کرتے اور جب کچھ رقم جمع ہو جاتی، تو کوئی رسالہ یا کتاب شائع کر دیتے۔ یہ اشتراک اور تعاون سالہا سال جاری رہا اور متعدد اہمیت کی حامل کتابیں مثلاً باغی ہندوستان، یادِ اعلیٰ حضرت، اغثنی یا رسول اللہ، تذکرہ اکابرِ اہل سنت، تعارف علماء اہل سنت، مرآۃ التصانیف، نغمۂ توحید، اور تاریخ نا دلیاں وغیرہ شائع ہوئیں۔ اس دور میں مولانا محمد منشا تابش قصوری ہفتے میں ایک دو مرتبہ مریدکے سے لاہور آتے اور بعض اوقات رات بھی مکتبہ قادریہ میں قیام کرتے۔ کسی کتاب کی تصحیح کی جاتی، کسی کی کاپیاں جوڑی جاتیں، آئندہ شائع کی جانے والی کتابوں کے بارے میں صلاح

مشورہ ہوتا، سرگرمی اور فعالیت کے اعتبار سے وہ دَور مکتبہ قادریہ کا زریں دَور تھا، کاش کہ وہ دوبارہ لوٹ آئے۔

تقریباً چوتھائی صدی کا یہ عرصۂ رفاقت کسی انسان کا مزاج سمجھنے کے لئے کم نہیں ہے۔ میں نے انہیں سراپا اخلاص وللّٰہیت، جفاکش، وفاکیش، پاک نظر اور پیکرِ استغناء پایا، اللہ تعالیٰ اور اُس کے حبیبِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت ان کے رگ و پے میں سرایت کئے ہوئے ہے۔ مُلک وملت کا گہرا درد رکھتے ہیں۔ بیدار مغز اور زبردست قوتِ فیصلہ کے مالک ہیں۔

مولانا محمد منشا تابش قصوری ابن میاں اللہ دین ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۴ء کو موضع ہری ہر، ضلع قصور میں پیدا ہوئے۔ والدہ ماجدہ دینی ذوق رکھنے والی عبادت گزار خاتون تھیں۔ عام طور پر پنجابی زبان میں لکھی ہوئی دینی کتابیں پڑھتی رہتیں۔ والد ماجد کو قرآن پاک کا ایک پارہ یاد تھا۔ قرآن پاک گھر میں پڑھنے کے بعد ہائی سکول، گنڈا سنگھ والا میں داخلہ لیا۔ جمعہ کے دن بھائی صاحب کے ساتھ قصور جاتے، مناظرِ اسلام مولانا محمد عمر اچھروی اور مولانا علامہ محمد شریف نوری قصوری رحمہما اللہ تعالیٰ کی تقریریں سُن کر دینِ متین کی محبت دِل میں پیدا ہوئی اور چھ سال کی عمر میں اپنے گاؤں میں پہلا جلسہ کروایا۔ ساتویں جماعت میں تھے کہ دل میں علمِ دین حاصل کرنے کا شوق پیدا ہوا اور ہر وقت اپنے ہی ایک مصرع کا وظیفہ کرنے لگے ؏

بھانویں فیل ہونواں، بھانویں پاس ہونواں ڈیرہ درس دے وچہ جالانوناں ایں

چنانچہ میٹرک پاس کرنے کے بعد، ۱۹۵۷ء میں خود ہی دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیرپور جاکر داخلہ لے لیا اور ۱۹۶۳ء میں فارغ ہوگئے۔ تاہم دستار بندی ۱۹۶۵ء میں ہوئی۔ حضرت مولانا ضیاء القادری نے اس موقع پر طویل نظم لکھی، جس کے مقطع سے

تاریخِ فراغت نکالی ؎

منشائے محمد کو منشائے خدا سمجھا
تاریخ ضیاء کہیے "ابرارِ شریعت آ"
۱۳۸۵ھ

اس عرصے میں حضرت فقیہ اعظم مولانا محمد نور اللہ نعیمی قادری، مہتمم دار العلوم حنفیہ فریدیہ، بصیر پور، حضرت علامہ مولانا ابو الضیاء محمد باقر نوری صدر المدرسین اور مولانا ابو الفضل محمد نصر اللہ نوری رحمہم اللہ تعالیٰ سے اکتساب علم و فیض کیا۔

علامہ تابش قصوری نئے نئے دار العلوم میں داخل ہوئے تھے۔ محلے سے طلبہ باری باری روٹیاں لے کر آتے تھے، ایک دن ان کی باری بھی آگئی۔ مولانا محمد محسن قصوری نے حکم دیا کہ آج تم روٹیاں لاؤ گے۔ انہوں نے صاف کہہ دیا کہ میں یہ کام نہیں کرسکتا۔ معاملہ حضرت فقیہ اعظم تک پہنچا۔ انہوں نے بلا کر پوچھا کہ تم محلے سے روٹی لینے کیوں نہیں جاتے؟ مولانا نے کہا: جناب! میں ارائیں خاندان کا فرد ہوں، مجھے میرے والدین نے مانگنے کا طریقہ نہیں سکھایا۔ حضرت فقیہ اعظم نے فرمایا: میں بھی ارائیں خاندان سے تعلق رکھتا ہوں، تمہیں مستثنیٰ کیا جاتا ہے۔

علامہ تابش قصوری اپنی رنگا رنگ خوبیوں اور اساتذہ کے ساتھ والہانہ محبت و عقیدت کی بناء پر اساتذہ کی آنکھوں کا تارا تھے۔ حضرت فقیہ اعظم بھی انہیں بڑی محبت اور قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ علم کی لگن کا یہ عالم تھا کہ تمام عرصۂ تعلیم میں صرف سترہ چھٹیاں کیں۔ ایک دفعہ علالت کی بناء پر رخصت لے کر گھر چلے گئے۔ کچھ دنوں بعد حضرت فقیہ اعظم نے گرامی نامہ ارسال فرمایا، اور اس میں تحریر کیا کہ میں انتظار میں تھا کہ تم جلد آجاؤ گے، کیونکہ ع

دیدنِ روئے عزیزاں روئے جاں تازہ کند

اللہ اللہ! کیا اساتذہ تھے، جو اپنے شاگردوں کو حقیقی اولاد والی محبت عطا کرتے تھے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ شاگرد بھی اساتذہ پر جان چھڑکتے تھے اور اساتذہ کے مشن کے لئے اپنی تمام توانائیاں صَرف کر دیتے تھے۔ حضرت فقیہِ اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ ۱۳ر اپریل ۱۹۶۶ء کے تحریر کردہ مکتوب میں لکھتے ہیں:

عزیز القدر منشا ئے مَن سلّمہٗ ربہٗ ذُوالمِنَن

• ۱۶ر دسمبر ۱۹۶۴ء کو ایک مکتوب میں تحریر فرمایا:

فرزندِ عزیز مولانا محمّد منشاء صاحب سلّمہ ربّہٗ تعالیٰ

وعلیکم السّلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!   مزاج گرامی!

آج جبکہ فقیر آپ کے لئے سراپا انتظار تھا، چوہدری محمد امین صاحب آپ کا خط لے کر آ گئے، بڑی تکلیف ہوئی اور دلی دُعا ہو رہی ہے کہ آپ جلد از جلد صحتِ کاملہ حاصل کر کے خیریت سے آملیں۔ میں آپ کو صرف ایک طالب علم ہی تصور نہیں کرتا، بلکہ خصوصی فرزند ارجمند جانتا ہوں اور اہلِ محبّت کا قول ہے ع

دیدنِ رُوئے عزیزاں رُوئے جاں تازہ کُند

۲۲ر فروری ۱۹۶۳ء کے مکتوب میں یہ دُعائیہ کلمات بھی پڑھنے کے لائق ہیں:

اور ساتھ ہی دُعا کرتا ہوں کہ اللہ ربّ العالمین تمہیں اپنا خصوصی منظور بنائے اور بارگاہِ سیّد المحبوبین صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم میں خصوصی منظوری اور خاص الخاص حاضری بخشے، جو منشاء عشاقِ حقیقیہ کا عین مطلوب ہے۔

والدین، اساتذہ اور بزرگوں کی دُعاؤں کا اثر ہے کہ ۱۹۷۳ء میں حج و زیارت کی سعادت حاصل ہوئی۔ ۱۹۷۹ء میں والدہ ماجدہ کے ہمراہ والد ماجد

کی طرف سے حج بدل کیا اور ۱۹۶۴ء میں حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی طرف سے حج ادا کرنے کی سعادت حاصل کر چکے ہیں، اللہ تعالیٰ قبول و منظور فرمائے۔ ۱۹۷۳ء میں مسجد نبوی میں حضرت فقیہ اعظم سے بخاری شریف کا دوبارہ درس لیا، اور سند حاصل کی۔ مدینہ منورہ میں حضرت شیخ الاسلام مولانا ضیاء الدین مدنی خلیفہ امام احمد رضا بریلوی قدس سرہما سے دلائل الخیرات کی اجازت حاصل کی — ۱۹۷۱ء میں حضرت شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین سیالوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے دستِ مبارک پر بیعت ہوتے۔

علامہ تابش قصوری شعر و سخن کا عمدہ ذوق رکھتے ہیں۔ تیسری جماعت سے شعر کہنے لگے۔ شاعر آستانہ حضرت مولانا ضیاء القادری رحمہ اللہ تعالیٰ سے شرفِ تلمذ رکھتے ہیں اور ایک سو سے زیادہ نعتیں اور بزرگانِ دین کے مناقب لکھ چکے ہیں، ان کے مضامین اور کلام پاک و ہند کے مقتدر جرائد میں شائع ہوتے رہے ہیں اور اب بھی بحمد اللہ تعالیٰ یہ سلسلہ جاری ہے۔

زمانہ طالب علمی سے لے کر آج تک پاک و ہند کی مشہور شخصیات کے ساتھ ان کی مراسلت جاری ہے۔ دارالعلوم فیض الرسول، براؤں شریف، ہندوستان کا مقتدر دینی ادارہ ہے۔ علامہ تابش قصوری نے تجویز دی تھی کہ اس ادارے کی طرف سے ماہنامہ فیض الرسول جاری ہونا چاہیے، جسے انتظامیہ نے منظور کیا، اور آج بھی ماہنامہ فیض الرسول، دین و مسلک کی گراں قدر خدمات انجام دے رہا ہے۔ اس کے علاوہ پاکستانی مطبوعات ہندوستان کے دوستوں کو بھجوا کر ان کی اشاعت کی ترغیب دیتے رہے اور ہندوستان کے علماء اہل سنّت کی مطبوعات منگوا کر پاکستانی اداروں کو فراہم کرتے رہے۔ اس طرح پاک و ہند میں اشاعتی سطح پر ایک انقلاب بپا ہو گیا۔ رئیس التحریر علامہ ارشد القادری مدظلہ کی شہرہ آفاق تصنیف زلزلہ

کی پاکستان میں بھی اشاعت کا سہرا ان کے سر ہے۔

علامہ تابش قصوری ایک عرصہ تک مرکزی مجلسِ رضا، لاہور کے ساتھ کتابوں کی تیاری اور تصحیح کے سلسلے میں تعاون کرتے رہے ــــ ان دنوں رضا اکیڈمی، لاہور کی رُوحِ رواں ہیں ـ یاد رہے کہ رضا اکیڈمی، لاہور، مختصر عرصے میں اسّی سے زیادہ کتابیں عربی، انگریزی اور اُردو میں شائع کر چکی ہے۔

علامہ تابش قصوری ۱۹۸۳ء سے جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور کے شعبۂ فارسی کے استاد اور شعبۂ نشر و اشاعت کے ناظم ہیں ــــ حضرت مولانا ضیاء الدین احمد مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ نے وصال سے تین سال قبل جامع مظفریہ مُریدکے میں خطابت کے منصب پر مقرر فرمایا۔ مریدکے میں مکتبہ اشرفیہ قائم کیا ہوا ہے جو دینی اور مسلکی لٹریچر کی اشاعت و تقسیم میں اہم کردار ادا کر رہا ہے۔ دارالعلوم حنفیہ فریدیہ، بصیر پور کا ایک شعبہ انجمن حزب الرحمٰن ہے، جس کی طرف سے ماہنامہ نور الحبیب شائع ہوتا ہے، ابتداءً مولانا محمد شریف نوری قصوری رحمہ اللہ تعالیٰ اس کے ناظمِ اعلیٰ اور علامہ تابش قصوری نائب ناظمِ اعلیٰ تھے ـ علامہ نوری کے وصال کے بعد ناظمِ اعلیٰ مقرر ہوئے اور آج بھی اس انجمن کے ناظمِ اعلیٰ ہیں، اس کے علاوہ نہ جانے کتنے اداروں اور کتنے مشائخ کے ساتھ وابستہ ہیں۔ اور فی سبیل اللہ خدمات انجام دے رہے ہیں ـ ریڈیو پاکستان، لاہور سے آٹھ دس تقریریں کر چکے ہیں ـ

علامہ تابش قصوری کی متعدد تصانیف زیورِ طبع سے آراستہ ہو چکی ہیں، بعض کے تو کئی کئی ایڈیشن چھپ چکے ہیں ـ ان کی تالیفات کے نام یہ ہیں:

(۱) اغثنی یارسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) (۲) ترجمہ مؤطا امام محمد (۳) دعوت فکر اُردو، (اس کا عربی ترجمہ بھی چھپ چکا ہے)

(۴) محمد نور (۵) جامعہ نظامیہ رضویہ کا تاریخی جائزہ ،
(۶) جامعہ نظامیہ رضویہ کا تحریک نظامِ مصطفےٰ میں کردار،
(۷) میلاد النبی کا انقلاب آفریں پیغام (۸) نذرانۂ عقیدت بحضور فقیہ اعظم،
(۹) گلزارِ رحمانی (۱۰) انوار الصیام (۱۱) راہِ عمل (۱۲) گنج شکر،
(۱۳) روحانی حکایات (۱۴) تذکرۃ الصدیق (۱۵) مطالب القرآن،
قرآنی آیات کی مختلف موضوعات کے اعتبار سے مبسوط فہرست جو
کنزالایمان کے ساتھ چاند کمپنی، لاہور نے شائع کی۔

علامہ تابش قصوری کے دو ہونہار صاحبزادے ہیں: (۱) محمد محمود احمد،
جس کا تاریخی نام، پروفیسر محمد ایوب قادری نے حافظ قصوری (۱۳۹۵ھ)،
تجویز کیا (۲) حافظ محمد مسعود اشرف قصوری، دونوں صاحبزادے تحصیلِ علم
میں مصروف ہیں، دو ہی صاحبزادیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو صحت و
سعادت کے ساتھ سلامت رکھے۔ (آمین!)

۱۸/ شعبان المعظم ۱۴۱۴ھ
۳۱/ جنوری: ۱۹۹۴ء

محمد عبدالحکیم شرف قادری

مقدمہ موطا امام محمد مترجم، شائع کردہ فرید بک سٹال، اردو بازار لاہور

فاضل متبحر مولانا علامہ سید محمد ہاشم فاضل شمسی رحمہ اللہ تعالیٰ

علوم عقلیہ ونقلیہ کے جلیل القدر فاضل علامہ سید محمد ہاشم فاضل شمسی ابن سید محمد قاسم ۹ رمضان المبارک، ۲ اگست ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۴ء کو محلہ چاند پورہ، موضع کاندھا، بہار، ہندوستان میں پیدا ہوئے۔ آپ کے جدامجد خواجہ سید محمد واجد حسین رحمہ اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام سید منظور نبی، عرف محمد ہاشم رکھا۔ آپ کا سلسلۂ نسب سیدنا مودود چشتی رحمہ اللہ تعالیٰ کے واسطہ سے سیدنا امام علی نقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔

ابتدائی تعلیم گھر میں ہی حاصل کی، پھر مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ، پٹنہ میں داخل ہوئے، جہاں آپ کے چچا مولانا سید معین الدین آخری درجے کی کتابیں پڑھتے تھے علامہ شمسی اپنی کلاس کے ممتاز طلباء میں شمار کئے جاتے تھے۔ مدرسہ شمس الہدیٰ کا نصاب تعلیم پندرہ سال پر محیط تھا، جسے فاضل شمسی نے گیارہ سال میں مکمل کر لیا۔ پھر پٹنہ یونیورسٹی سے بی۔ اے کیا۔

ابتداءً مدرسہ اسلامیہ، اورنگ آباد ضلع گیا، بہار میں عربی ادب اور حدیث کے اُستاذ مقرر ہوئے۔ ۱۹۳۶ء میں مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ، پٹنہ میں تفسیر و حدیث کی تدریس کی مسند پر فائز ہوئے۔ ۱۹۴۰ء میں مشہور زمانہ خدا بخش اورینٹل لائبریری، پٹنہ میں ماہر مخطوطات اور ریسرچ کیٹلاگ کی حیثیت سے مقرر ہوئے۔ ۱۹۴۴ء سے ۱۹۴۷ء تک رائل ایشیاٹک سوسائٹی، کلکتہ میں اسی عہدے پر مامور ہوئے۔ اسی دوران رشتۂ ازدواج سے منسلک ہوئے۔

۱۹۴۷ء میں ہجرت کر کے پاکستان آگئے اور حیدرآباد سندھ میں پراونشل لائبریری اور میوزیم کی بنیاد رکھی اور ۱۹۶۹ء تک اس سے وابستہ رہے۔ اسی عرصہ میں حکومت پاکستان کی طرف سے جامعہ اسلامیہ، بہاولپور میں شیخ التصوف کی حیثیت سے

مقرر کئے گئے، ابھی چھ ماہ ہی گزرے تھے کہ حکومت سندھ نے آپ کو واپس لائبریری میں بلوالیا، کیونکہ لائبریری کے انتظامی معاملات بہت دگرگوں ہو رہے تھے۔ دسمبر ۱۹۶۹ء میں آپ نے لائبریری سے ریٹائرمنٹ لے لی۔ ۸۱-۱۹۸۰ء میں گورنر سندھ نے آپ کو سندھ یونیورسٹی اور سنڈیکیٹ کا ممبر نامزد کیا۔

۱۹۵۹ء میں فاضل شمسی ریڈیو پاکستان، حیدر آباد سے وابستہ ہوئے جہاں آپ نے محفلِ درسِ قرآن کا سلسلہ شروع کیا اور پانچ پاروں کی تفسیر پیش کی۔ لائبریری سے سبکدوش ہونے کے بعد مفتی اعظم سندھ حضرت مولانا علامہ مفتی محمد خلیل خاں برکاتی رحمہ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے مدرسہ دارالعلوم احسن البرکات، حیدرآباد میں بحیثیت شیخ الحدیث لے گئے، جہاں آپ نے چار سال تک درسِ حدیث دیا۔ بعدازاں علیمیہ انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز (المرکز الاسلامی) کراچی تشریف لے گئے اور آخر دم تک اسی ادارے سے وابستہ رہے۔ راقم الحروف ایک دفعہ المرکز الاسلامی میں آپ کی زیارت کے لئے حاضر ہوا۔ آپ نے ایسی بزرگانہ شفقت سے نوازا کہ آج تک اس کا اثر دل میں محسوس ہوتا ہے۔ گھر میں اس وقت آپ تنہا تھے، خود چائے بنا کر لائے اور مہمان نوازی کا گہرا نقش دل پر ثبت فرما گئے۔

حضرت علامہ فاضل شمسی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے دور کے یگانہ روزگار فاضل تھے۔ قرآن و حدیث کا انہوں نے بہت ہی عمیق نظر سے مطالعہ کیا تھا۔ اندازِ بیان منطقی اور معقولی تھا۔ تحریر و تقریر پر کامل دسترس رکھتے تھے۔ ان کا خطاب فاضلانہ اور علمی نکات پر مشتمل ہوتا تھا۔ اہل علم تو ان کی گفتگو سے مسحور ہوتے ہی تھے۔ عوام الناس بھی ان کے خطاب سے فیض یاب ہوتے تھے۔ تحریر میں بھی منطقی استدلال سے کام لیتے اور عقلی دلائل کے ساتھ سلسلۂ کلام اس طرح آگے بڑھاتے کہ قاری پر محویت طاری ہو جاتی، مسلّمہ اصول و قواعد کو بنیاد بنا کر گفتگو کرتے اور دورانِ کلام بہت کم

کسی آیت یا حدیث یا کسی کتاب کا حوالہ دیتے، کہیں ضرورت محسوس کرتے تو آیت یا حدیث کا مختصر سے مختصر حصّہ نقل کرتے یا اشارہ کر دیتے کہ فلاں آیت کا مطالعہ کیجیے۔ اوّل سے آخر تک مربوط اور مسلسل گفتگو کرتے۔ کیا مجال کہ کسی جگہ جھول محسوس ہو یا غیر ضروری تفصیل سے واسطہ پڑے۔

امامِ اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقلید کے مسئلے پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اعمال میں تقلیدِ امام واجب ہے، کیونکہ عملیات میں توضیح و تبیین حدیثوں سے ہوتی ہے۔ سُنّت، وحی کی ایک اہم اور ضروری قسم ہے، مگر روایاتِ سنّت، معجزانہ کلمات میں ہم تک نہیں پہنچیں اور نہ ان کو فصاحت و بلاغت کی وجہ سے ہم منکرین کے سامنے چیلنج اور تحدّی کے طور پر پیش کر سکتے ہیں۔

روایتوں کے نقد و جرح میں سند کو بڑا دخل ہے، اور کسی حدیث کے ردّ و قبول کے لیے راویوں کا اپنا مقام و مرتبہ کسوٹی کی حیثیت رکھتا ہے۔ افضل الائمہ سیّدنا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ دوسرے تمام ائمہ اور جامعین حدیث سے پہلے تھے۔ عقل جائز رکھتی ہے اور روایتیں تصدیق کرتی ہیں کہ جو حدیثیں بیک دو واسطہ صحابی تک پہنچیں، اصح الحسن ہوں، وسائط کے اضافے اور تعدد رواۃ کی وجہ محدّثین کے نزدیک سابقہ معیار پر نہ رہیں، لہٰذا ہم امامِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تمام فتاوٰی اور اصول کو دل و جان سے قبول کرتے ہیں اور مابعد کے مجتہدین و محدثین کے بیانات کو ان کے فیصلوں پر حاکم نہیں بناتے، کیونکہ زمانۂ نبوّت سے قربِ عہد نے ان کا پلّہ خیر و راستی کی طرف

جھکا دیا ہے اور کُلُّنَا عِیَالُ اَبِیْ حَنِیْفَةَ (ہم سب امام ابو حنیفہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے بال بچے ہیں) ہمارا نقطۂ نظر بھی ہے اور مسلک بھی [1]

حضرت آدم علیہ السّلام کو فرشتوں نے اور حضرت یوسف علیہ السّلام کو اُن کے بھائیوں نے سجدہ کیا۔ ان واقعات سے سجدۂ تعظیمی کے جواز پر استدلال کرنیوالوں کو جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

"جو لوگ شریعتِ اسلامیہ اور اُمتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا صلوات اللہ و سلامہ کے مقام و مرتبہ سے واقف نہیں ہیں، وہی حضرات گزشتہ اُمتوں کے واقعات کو اپنے لئے دلیل بنا سکتے ہیں۔ یہ یاد رکھئے کہ گزشتہ انبیأ علیہم السّلام کو اللہ رب العزّت سے جو دین کی تعلیم ملتی تھی، وہ دو قسم کی تھی۔ ایک ان کی اپنی ذات کے لئے جو کامل و مکمل ہوتی تھی اور دوسری تعلیم ان کی اُمت کے لئے جو مقتضیاتِ زمانہ کے لحاظ سے تو کافی و وافی، لیکن اصل حقیقت دین کے اعتبار سے نامکمل۔ چنانچہ بنی نوع انسان کو کامل و مکمل دین اور تمام و کمالِ نعمت صرف سیّدنا و مولانا محمد رسُولُ اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی وساطت سے حاصل ہوئے۔

حضورِ اکرم علیہ الصلوٰۃ والسّلام سے پہلے تمام نعمت اور کمالِ دین صرف انبیاء علیہم السّلام کے لئے مخصوص تھا، اُن کی اُمتیں اس بُلندی پر فائز نہ تھیں اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ کے مقدّس اعلان میں لَکُمْ اور عَلَیْکُمْ کی قیدِ خطاب حقیقتِ حال کی وضاحت کے لئے کافی ہے اور جب اسی نعمت کا خطاب سابقین انبیأ علیہم السّلام کی طرف ہوتا ہے تو ارشاد ہے: وَکَذٰلِكَ یَجْتَبِیْكَ رَبُّكَ

---

[1] محمد ہاشم فاضل شمسی، سید: تنشیط الاذہان (طبع حیدر آباد) ص ۴-۳

وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَأْوِيلِ الْاَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَا اَتَمَّهَا عَلٰى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ، چنانچہ تمام نعمت پر فائز سیدنا یوسفؑ سیدنا ابراہیم اور سیدنا اسحٰق علیہم السلام بھی ہیں، اس میں ان کی اُمتیں شریک نہیں ہیں۔

حدیثوں سے بھی اس نقطۂ نظر کی تائید ہوتی ہے، مثلاً حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وضو و نماز کے متعلق عملی تفصیل بتا کر فرمایا کہ یہی طریقہ میرا ہے اور مجھ سے پہلے انبیاء کرام علیہم السلام کا، گویا تمام انبیاء سلف نہ صرف عقائد میں سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ایک راہ پر تھے بلکہ اعمال و عبادات میں بھی کوئی فرق نہ تھا......اسی کی طرف قرآن کا اشارہ ہے: اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ یعنی تمام انبیاء ایک ہی راستہ پر ہیں، اسی پر آپ بھی چلیں، آپ کے پیچھے آپ کی اُمت، یہ معنی نہیں کہ آپ اگلے پیغمبروں کی اطاعت و اتباع کریں۔" [۱]

مولوی اشرف علی تھانوی نے حفظ الایمان میں تین مسائل پر گفتگو کی تھی:

(۱) سجدہ تعظیمی (۲) طواف قبور اور (۳) علمِ غیب۔

حضرت فاضل شمسی قدس سرہٗ نے رسالہ تنشیط الاذہان میں ان تینوں مسائل پر گفتگو کی ہے اور حفظ الایمان پر مناظرانہ انداز میں نہیں، بلکہ خالص علمی اور تحقیقی انداز میں تنقید کی ہے۔

فاضل شمسی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی گفتگو کا انداز متعین کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ اصل مسئلہ (علمِ غیب) کو اپنی دینی بصیرت اور

---

[۱] محمد ہاشم فاضل شمسی، سید: تنشیط الاذہان، ص ۱۱-۱۰

قرآن و سُنّت کی مدد سے حل کریں اور استدلال میں جو لغزشیں دوسروں سے ہوئیں اور ہماری نگاہ وہاں تک پہنچ گئی ہے، ان غلطیوں کو طالبِ حق کی حیثیت سے ظاہر کر دیں۔ اس سے دوسروں کو یہ فائدہ پہنچ سکتا ہے کہ نزاعی مسائل میں اعتدال کی راہ معلوم ہو جائے گی۔ یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ اہم مسائل میں بھی لب و لہجہ کے تشدّد سے کس طرح اجتناب کیا جا سکتا ہے، ہماری یہ تحریر ایک مثال کی حیثیت رکھتی ہے۔" ؎۱

تنقید کا انداز بھی ملاحظہ ہو، طوافِ قبور کے عنوان کے تحت فرماتے ہیں:

اِس مسئلہ کے سلسلہ میں مولانا نے نقطۂ اوّل ہی سے قلم کو غلط سمت دوڑایا ہے اور آخر تک یہ توسنِ بے لگام اسی راہ پہ دوڑتا چلا گیا، اور تھک ہار کر جہاں رکا، تو معلوم ہوا کہ ساری دوا دوش (دَوڑ دھوپ) کے نتیجہ میں بھی منزل غلط مِلی، حدیث سے استدلال بھی غلط، شاہ ولی اللہ کے ارشاد کی توضیح بھی غلط اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ بھی بے محل، فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ کے ذریعے نقص غلط، کرامت و استدراج کی بحث فضول اور قول الجمیل سے کشف و قائع کا حوالہ بے کار وغیرہ وغیرہ ؎۲

افسوس کہ حضرت فاضل شمسی کی دوسری تصانیف اس وقت پیش نظر نہیں ہیں، ورنہ ان کے بھی کچھ اقتباسات ہدیۂ قارئین کئے جاتے۔

فاضل شمسی تحریر و تقریر دونوں میں صاحبِ کمال تھے —— درج ذیل

؎۱ محمد ہاشم فاضل شمسی، سیّد: تنشیط الاذہان، ص ۲۲

؎۲ ایضاً: ص ۱۷

رسائل آپ سے یادگار ہیں:

(۱) تنشیط الاذہان یعنی تنقید حفظ الایمان (۲) انوارِ حدیث (۳) توحید یا تثلیث (۴) اسلام میں دستور کی تلاش (۵) قرآن اور الہامی فیصلے (۶) اسلام آخری اور ابدی پیغامِ ہدایت (۷) صلوٰۃ و سلام (دو حصّے) (۸) عالمگیر نبوّت (۹) وثیقۂ خلافت (۱۰) ایصالِ ثواب (۱۱) اسلام میں نظامِ اطاعت (۱۲) سکون کا راستہ (۱۳) اقلیت و اکثریت (۱۴) فلسفۂ نماز (۱۵) شیطان کے فریب (۱۶) بیمار قوم اور اُس کا علاج (۱۷) جہاد و قتال (۱۸) اسلام ایک عملی مذہب ہے (۱۹) تلاشِ حق (۲۰) گناہ و تقدیر (۲۱) رُوسی راکٹ قرآن کی نظر میں، (۲۲) عیدِ قربان اور مسلمان۔

اس کے علاوہ جدید انداز میں قرآن پاک کی تفسیر بھی لکھی، جس میں عقلی دلائل سے بحث کی گئی۔ ابتدائی پانچ پاروں کی تفسیر آپ کی زندگی میں زیرِ طبع تھی۔ حضرت فاضل شمسی قدس سرہٗ نظامِ مصطفےٰ کے نفاذ اور مقامِ مصطفےٰ کے تحفظ کے لئے زبان و قلم کے ذریعے تا زیست کوشاں رہے، آپ کے بہت سے شاگرد، مختلف مدارس میں مدرّس ہیں۔

یکتائے روزگار فاضل مولانا سیّد محمد ہاشم فاضل شمسی یکم محرم، ۱۵/ اگست ۱۴۰۹ھ/ ۱۹۸۸ء بروز پیر، طویل علالت کے بعد کراچی میں رحلت فرما گئے اور حیدر آباد میں آپ کو سپردِ لحد کیا گیا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ [1]

---

[1] نوٹ: تنشیط الاذہان کے اقتباسات اور کچھ ذاتی تاثرات کے علاوہ معلومات اور حالاتِ زندگی جناب سیّد منیر احمد، حیدر آباد، سندھ کے قلمی مقالہ سے ماخوذ ہیں، جس کے لئے راقم ان کا شکر گزار ہے۔ ۱۲ شرف قادری

یگانۂ روزگار خطاط حافظ محمد یوسف سدیدی رحمہ اللہ تعالیٰ

اللہ تعالیٰ نے حضرتِ انسان کو فطری طور پر حُسن کا گرویدہ بنایا ہے۔ حُسن چاہے جاندار کا ہو یا بے جان کا، اپنے اندر بے پناہ کشش رکھتا ہے۔ غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ کشش اور جاذبیت دراصل صنّاعِ حقیقی کے قلمِ قدرت کا کرشمہ ہے۔ انسان جس خوبصورت چیز کو دیکھتا ہے، اُسے حاصل کرنے کے لئے بیتاب ہو جاتا ہے اور اگر وہ چیز ناقابلِ حصول ہو تو وہ چاہتا ہے کہ اس کا عکس ہی محفوظ کر لے، یہی شوق اسے مصوّری کی طرف لے گیا۔ دینِ اسلام میں چونکہ جاندار اشیاء کی تصویر بنانا ممنوع ہے، اس لئے مسلمانوں نے خوبصورت عمارتیں، بے جان اشیاء کی تصویریں، اور فنِ خطاطی کے حسین شہ پارے تیار کر کے اپنے ذوقِ جمال کی آبیاری کی۔

فنِ خطاطی، وہ فنِ لطیف ہے، جس کے فروغ میں سب سے زیادہ قرآن پاک کا حصّہ ہے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانے سے کر آج تک لاکھوں خوش قسمت افراد نے کلامِ پاک کی خدمت کر کے دُنیا و آخرت کی سعادتیں حاصل کی ہیں اور رہتی دُنیا تک فیروز بختی حاصل کرتے رہیں گے۔

حافظ محمد یوسف سدیدی بھی ایسے ہی خوش بخت حضرات میں سے تھے، انہوں نے ناقدری کے دَور میں فنِ خطاطی کو بلندیوں کی معراج تک پہنچایا اور جس رسم الخط کی طرف متوجہ ہوئے، اس میں مہارتِ تامہ حاصل کی۔

پروفیسر غلام نظام الدین مرولوی لکھتے ہیں:

سدیدی صاحب نے خطاطی کی کسی صنف کو مُسخّر کئے بغیر نہیں چھوڑا، سدیدی صاحب خطِ کوفی، ثلث، ریحان، گلزار، رقاع، طغرٰی،

شکستہ، دیوانی، توأم، معکوس اور ناخن وغیرہ اسی سہولت سے لکھتے ہیں، جس طرح نستعلیق اور نسخ بلا تکلف لکھتے ہیں، انگریزی بھی عمدہ لکھتے ہیں — فوٹو، ڈیزائن اور حاشیے بھی بناتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ جلی نگاری، خفی نگاری، متوسط قلم اور قطعہ نویسی میں بھی وہ منفرد ہیں —
اُن کی خفی نگاری کا یہ عالم ہے کہ انہوں نے چاول کے ایک دانے پر پوری سُورۂ فاتحہ لکھ ڈالی — لے

اس مہارت کے باوجود انہیں قرآنی رسم الخط کے ساتھ عشق کی حد تک لگاؤ تھا، یہی وجہ ہے کہ وہ خطِ نسخ بڑی دلچسپی اور محبّت سے لکھا کرتے تھے۔ اکثر و بیشتر کاتبوں کے برعکس اُنہیں مواد کی سیٹنگ کا حیرت انگیز تجربہ تھا، اُن کے فنہ پارے دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ فنِّ خطّاطی کے شہر یارہ ہی نہیں تھے، بلکہ بہت بڑے آرٹسٹ بھی تھے، ایک ایک لفظ اس طرح سیٹ کرتے کہ ہر لفظ اپنی جگہ جڑا ہوا نگینہ معلوم ہوتا تھا۔ اُن کے قلم کے کسی بھی شہکار کو دیکھ لیجئے، دلکشی اور رعنائی کا اعلیٰ نمونہ ہوگا، نوک پلک دیکھئے، نقطوں کا محل وقوع، دائرے اور کش کو دیکھئے، سطروں کا باہمی فاصلہ دیکھئے، ہر جگہ اُن کا فن بلندیوں کی انتہا کو چھُوتا ہوا دکھائی دے گا۔ ان کی خطّاطی میں بانکپن اس بَلا کا ہے کہ دیکھنے والا محو ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ حکیم اہل سنّت حکیم محمّد موسیٰ امرتسری مدظلّہ نے ایک دفعہ فرمایا تھا کہ "حافظ صاحب اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت اور اللہ تعالیٰ کا نور ہیں"۔ بلاشبہ وہ عالمِ اسلام کے یکتائے زمانہ فن کار تھے، ایسے فن کار صدیوں کے بعد ہی پیدا ہوا کرتے ہیں —— بلکہ اُن جیسا صاحبِ کمال اور بے مثال خطّاط پیدا ہونا محال نظر آتا ہے ؏ بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

لے غلام نظام الدین مرولوی، ہو المعظم (اسلامک بک فاؤنڈیشن، لاہور) ص ۳۵۶

حافظ محمد یوسف سدیدی ۱۹۲۷ء میں قصبہ بھون تحصیل چکوال ضلع جہلم میں پیدا ہوئے۔ مڈل تک تعلیم اپنے والد ماجد حاجی غلام محمد سے حاصل کی۔ پندرہ پارے بھی اپنے گھر میں ہی یاد کیے۔ پھر عربی اور فارسی کی ابتدائی تعلیم کھیوڑہ کے ایک مدرسہ میں حاصل کی اور سات پارے بھی حفظ کیے۔ پھر لاہور آکر اپنے دور کے عظیم قاری، مولانا قاری محمد طفیل مدظلہ سے آخری آٹھ پارے حفظ کیے اور کتابت کی ابتدائی مشق کی۔ بعدازاں خطِ نستعلیق منشی محمد شریف لدھیانوی سے سیکھا۔ مسجد وزیر خاں کے خط ثلث میں لکھے ہوئے کتبوں کو دیکھ کر مشق کرتے رہے۔ ۱۹۴۵ء میں دہلی گئے اور دو سال تک منشی محمود خاں سے خط نسخ سیکھتے رہے۔ قیامِ پاکستان کے بعد منشی تاج الدین زریں رقم سے نستعلیق جلی میں راہنمائی حاصل کی۔ پھر انہی کی وساطت سے ۱۹۴۸ء میں روزنامہ امروز، لاہور کے شعبۂ کتابت سے وابستہ ہوگئے۔

حافظ صاحب تمام زندگی خوب سے خوب تر کی تلاش میں رہے۔ فنِ کتابت میں بام عروج تک پہنچنے کے باوجود اساتذۂ فن سے مسلسل کسبِ فیض کرتے رہے۔ ایک دفعہ انہوں نے راقم کو بتایا کہ میں نے مصر کے ایک خطاط محمود مصری سے بھی اصلاح لی ہے۔ ترکی کے عظیم خطاط حامد الآمدی کے خط کو بڑی پسندیدگی سے دیکھتے تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ میرا نام حامد الاحمدی کے شاگردوں میں آجائے، سعودی عرب میں قیام کے دوران ان سے خط و کتابت بھی ہوئی، لیکن ملاقات سے پہلے ہی ان کا انتقال ہوگیا۔

۱۹۶۵ء میں راقم کا تقرر جامعہ نعیمیہ، لاہور میں ہوا، تو حافظ صاحب گڑھی شاہو میں مقیم تھے۔ پہلے پہل وہیں ان سے ملاقات ہوئی۔ پھر جب راقم جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور کے شعبۂ تدریس سے متعلق ہوا تو بارہا امروز کے دفتر میں ان کی زیارت کی۔

خصوصًا جامعہ کی سند لکھوانے کے سلسلے میں کئی دفعہ اُن کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بلاشبہ یہ سند حافظ صاحب کے فن کا شاہکار ہے۔ کئی دفعہ حافظ صاحب جامعہ میں بھی تشریف لائے۔ ان کے صاحبزادے بہارِ مصطفٰے نے قرآن پاک یاد کر لیا، تو منزل کی پختگی کے لئے انہیں جامعہ نظامیہ رضویہ میں داخل کرایا۔

حافظ صاحب کو اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ غلام سدید الدّین مرولوی رحمہ اللہ تعالیٰ سے اس قدر عقیدت و محبت تھی کہ اُن ہی کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ حضرت مرولوی کے مرشدِ طریقت، حضرت شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدّین سیالوی رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی والہانہ عقیدت رکھتے تھے۔ حضرت خواجہ سیالوی نے منطق کی مشہور کتاب قاضی مبارک پر مجاہدِ تحریکِ آزادی علامہ فضلِ حق خیر آبادی کے حاشیہ کی طباعت کا ارادہ کیا، تو یہ کام ڈاکٹر تسخیر عالم کے سپرد کیا۔ ڈاکٹر صاحب کے کہنے پر راقم نے اس پر چودہ صفحے کا مقدمہ عربی زبان میں تحریر کیا۔ اس کی کتابت کے لئے جناب حافظ صاحب سے درخواست کی گئی، تو انہوں نے کسی پس و پیش کے بغیر یہ مقدمہ لکھ دیا۔ یہ حافظ صاحب کے حسنِ عقیدت کا کرشمہ تھا، ورنہ بڑے خوش نویس ٹائیٹل یا جلی سُرخیاں لکھنے پر اکتفا کرتے ہیں اور باریک لکھنے سے گھبراتے ہیں۔

حافظ صاحب اخلاقِ جمیلہ کا حسین پیکر اور تواضع اور انکسار کا مجسّمہ تھے، مہمان نوازی، غریب پروری، غنائے نفس، حسنِ عقیدہ اور جمالِ عقیدت، وہ اوصاف تھے جو اُن کے خمیر میں شامل تھے۔ وہ جتنے بڑے فنکار تھے، چاہتے مال و دولت کے انبار جمع کر لیتے، لیکن وہ نہ تو معاوضہ طے کرتے تھے اور نہ ہی طلب کرتے تھے۔ مساجد اور مزارات کے کتبے فی سبیل اللہ لکھ کر دے دیتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ درویشی میں یہ شاہانہ استغناء حافظ صاحب ہی کا طُرّۂ امتیاز تھا۔

۱۹۴۹ء میں چین کے وزیرِ اعظم چو این لائی پاکستان کے دورے پر آئے، اخبارات دیکھتے ہوئے اُن کی نظر روزنامہ امروز پر پڑی جس کی سُرخیاں چینی رسم الخط میں لکھی ہوئی تھیں۔ انہوں نے چینی اخبار سمجھ کر فوراً اٹھا لیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ تو اُردو اخبار ہے اور حافظ محمد یوسف سدیدی کی فن کارانہ چابک دستی ہے، تو وہ بہت محظوظ ہوئے اور حافظ صاحب سے ملاقات کرنے کے لئے خود روزنامہ امروز کے دفتر میں آئے اور جب انہوں نے انعام پیش کرنا چاہا تو حافظ صاحب نے یہ کہہ کر معذرت کر دی کہ یہ تو میرے فرائضِ منصبی کا ایک حصّہ ہے، جس کا معاوضہ میں روزنامہ امروز سے ہر ماہ وصول کیا کرتا ہوں۔

حافظ صاحب کا دل اللہ تعالیٰ اور اُس کے حبیبِ مکرّم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی محبّت کا ایک گلشن تھا۔ حضور نبی اکرم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کا ذکر کرتے اور سُنتے وقت اُن پر رقّت طاری ہو جاتی تھی۔ ان کی دلی آرزو یہ تھی کہ مسجدِ نبوی میں گنبدِ خضراء کے سائے میں بیٹھ کر قرآن پاک کی کتابت کریں اور فنِ خطاطی کا ایک لافانی شاہکار تیار کریں۔ قسمت نے یاوری کی اور حافظ صاحب سعودی عرب پہنچ گئے۔ قرآن پاک کی کتابت کا آغاز بھی کر دیا، لیکن اس کی تکمیل کی مہلت نہ مل سکی۔ تاہم مسجد نبوی میں قرآنی آیات کے کتبے لکھنے اور غلافِ کعبہ پر فنِ خطاطی کے جوہر دکھانے کا خوب خوب موقع ملا۔ غلافِ کعبہ کے مشرقی حصّہ پر حافظ صاحب کی خطاطی کو سونے کی تاروں سے مزیّن کیا گیا اور اسے اقوامِ متحدّہ کی جنرل اسمبلی کے دروازے پر آویزاں کر دیا گیا۔

کہتے ہیں کہ سعودی عرب کے شاہ فہد بھی ان کے فن سے متاثر ہوئے اور انہیں انعام دینا چاہا تو حافظ صاحب نے یہ کہہ کر معذرت کر دی کہ میری سب سے بڑی آرزو یہ تھی کہ روضۂ اطہر پر حاضری دوں اور امکانی حد تک مسجد نبوی کی تزئین و آرائش میں حصّہ لوں، اللہ تعالیٰ نے میری یہ آرزو پوری فرما دی ہے۔ کیا میں اس سعادت کو زر و جواہر سے بدل دوں؟ بے شک وہ اقبال کے اس شعر کا مصداق تھے ؎

فقیری میں بھی وہ اللہ والے تھے غیور اتنے،
کہ مُنعم کو گدا کے ڈر سے بخشش کا نہ تھا یارا

۱۹۸۴ء میں حافظ صاحب روضۂ اقدس کی زیارت اور عمرہ کی سعادت حاصل کرنے کے بعد ریاض جا رہے تھے کہ ایکسیڈنٹ سے شدید زخمی ہو گئے، یادداشت ختم ہو گئی۔ سعودیہ اور پاکستان کے ہسپتالوں میں زیرِ علاج رہے، مگر افسوس کہ اُن کی یادداشت واپس نہ آسکی اور ۷، محرم الحرام، ۱۲ ستمبر، ۱۴۰۷ھ/۱۹۸۶ء کو آسمانِ خطاطی کا نیّرِ تاباں ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔ اِنّا للہِ وانّا الیہ راجعون۔

دوسرے دن دس بجے گلشنِ راوی گراؤنڈ میں نمازِ جنازہ ادا کی گئی — چونکہ جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور کے ساتھ حافظ صاحب کا گہرا تعلق تھا، اس لئے حافظ بہارِ مصطفےٰ اور جناب صوفی خورشید عالم مخمور سدیدی کی درخواست پر جامعہ کے ناظمِ اعلیٰ مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی مدظلہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور دُعا کے بعد ہمیشہ کے لئے حافظ صاحب کو الوداع کہی۔ شرکاءِ جنازہ میں ایک سے بڑھ کر ایک کتابت و خطاطی کا ماہر اور قدر دان موجود تھا۔ ہر شخص پژمردہ اور مضمحل تھا، خاص طور پر حافظ صاحب کے پیر بھائی، قدیم دوست اور فنِ خطاطی کے مسلّم اُستاد صوفی خورشید عالم مخمور کی بیتابی دیکھی نہیں جاتی تھی۔

ع خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

غلافِ کعبہ، مسجدِ نبوی، مینارِ پاکستان، مزارِ اقبال، مزار قطب الدین ایبک، مزار حضرت پیر سیّد حافظ جماعت علی شاہ محدّثِ علی پوری، مزار حضرت پیر سیّد مہر علی شاہ گولڑوی رحمہم اللہ تعالیٰ، اسی طرح جامعہ اشرفیہ، لاہور، جامع مسجد منصورہ اور بے شمار مقامات پر حافظ صاحب کے قلم نے جادو جگائے ہیں۔ یہ شہ پارے جب تک زندہ رہیں گے، اہلِ نظر حافظ صاحب کو خراجِ عقیدت پیش کرتے رہیں گے۔

تاریخ الإجراء

سند الفراغ من الجامعة النظامية الرضوية ببلدة لاهور

الحمد لله الذي شرح بمعارف عوارف السنة النبوية صدور أوليائه وروّح بنسائم حدائقها الطيبة أرواح أهل وداده وأصفيائه
وأوضح وجوه الشك بكشف النقاب عن وجه اليقين وأظهر وجوه الحق بالعلماء الراسخين الذين هم وكلاء سيد المرسلين ووفقنا
لتعليم الكتاب والسنة وإحياء علوم الدين القويم وهدانا طريق أهل الحق الصراط السوي المستقيم والصلوة والسلام على من بعث بالدين الصحيح
والحق الصريح السنن الخالي عن العلل القادحة والسالم من الطعن في أدلته الراجحة ○ محمد المصطفى المجتبى الحامد الذي
ما ينطق عن الهوى إن هو إلا وحي يوحى وعلى آله وصحبه مؤيدي الدين ومظهري الإيمان وعلى التابعين بالخير والإحسان وعلى علماء أمته في
كل زمان وعلينا بخالص لطفك وجودك وكرمك يا منّان آمين برحمتك يا رب العالمين ○

أما بعد فإن الأخ الصالح النبوي .... بن .... المتوطن .... قد دخل
الجامعة النظامية الرضوية المستحقة التي هي مركز العلوم الإسلامية أقامها الله وأدامها في أثناء .... سنة من الهجرة النبوية على صاحبها
الصلوة والتحية عدد معلومات الله وذرات البرية وقرأ كتب الفنون المتفرقة من العلوم الشرعية العقلية والنقلية ○ وبعد تحصيلها
وكتب حديث الرسول وسلك طريق الوصول فهو عندنا وعند أساتذة الجامعة صالح مقبول أهل .... والآن لما طلب منا الإجازة
أجزناه وكتبنا له هذه الورقة لتكون سندا له وتذكرة اتباع الشيوخ البررة ووصيناه بتقوى الله عز وجل في السر والإعلان والاعتصام
بكتاب الله وسنة نبيه سيد الإنس والجان وحماية مذهب أهل السنة والجماعة بالقلب والأركان ومجانبة أهل البدعة والضلالة ومن أغواه الشيطان
ونوصيه بالتعويل على مسلك السلف الصالحين على ما فصله الشيخ المحقق قدوة المحدثين مولانا الشيخ عبد الحق المحدث الدهلوي وحققه بالتحقيقات الزاهرة
والتدقيقات الباهرة مجدد المائة الحاضرة الإمام أحمد رضا البريلوي قدس سرهما ونرجو منه أن لا ينسانا في دعواته الصالحة بالعفو والعافية في الدين
والدنيا والآخرة وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد المرسلين وآله وصحبه وأولياء ملته وعلماء أمته أجمعين برحمتك يا أرحم الراحمين

الكتب المقروءة بالجامعة

إمضاءات الأساتذة وأراكين الجامعة

سند

جو جامعہ سے فارغ ہونے والے علما کو دی جاتی ہے

سند تحریر کردہ حافظ محمد یوسف سدیدی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

فَقُلۡ تَعَالَوۡا نَدۡعُ اَبۡنَآءَنَا وَاَبۡنَآءَکُمۡ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَکُمۡ وَاَنۡفُسَنَا وَاَنۡفُسَکُمۡ

ثُمَّ نَبۡتَہِلۡ فَنَجۡعَلۡ لَّعۡنَتَ اللّٰہِ عَلَی الۡکٰذِبِیۡنَ

بَلَغَ الۡعُلٰی بِکَمَالِہٖ — کَشَفَ الدُّجٰی بِجَمَالِہٖ

حَسُنَتۡ جَمِیۡعُ خِصَالِہٖ — صَلُّوۡا عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ

یہ نقش مقدس بحصول مفادات
کائنات عالم تیار کیا گیا ہے

تکسیر کنندہ :-

تعویذ کتابت کردہ حافظ محمد یوسف سدیدی

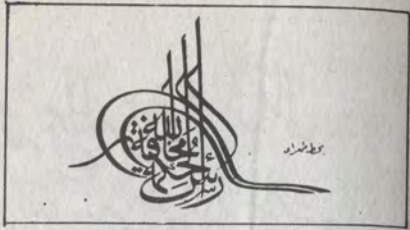

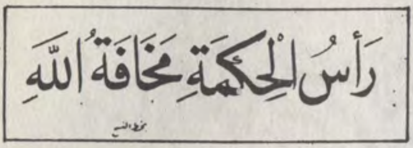

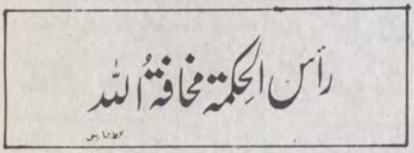

حافظ صاحب مرحوم ہفت قلم کا اعجازِ فن

چینی رسم الخط میں امروز کی چند سرخیاں

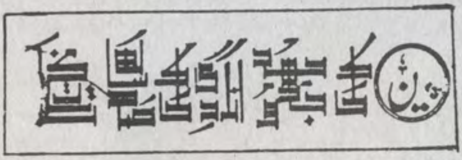
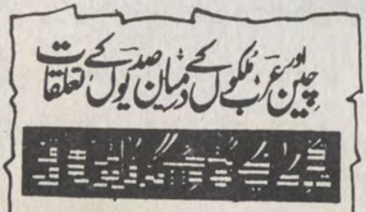

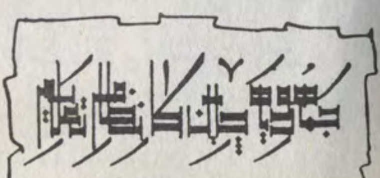

اُستاذ العلماء حضرت مولانا محمد مہر الدین رحمہ اللہ تعالیٰ

یگانۂ روزگار علامۃ الدہر مولانا محمد مہر الدین مذہباً حنفی مسلکاً سُنّی مشرباً نقشبندی اور تلمذاً بریلوی تھے۔ آپ کی ولادت باسعادت زمیندار راجپوت گھرانے میں سن ۱۹۰۱ء میں بمقام نخاصہ ضلع امرتسر، ننھیال کے ہاں ہوئی۔ ابھی سال سوا سال کی عمر تھی کہ والدہ ماجدہ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ آپ کے آباؤ اجداد سو سال قبل دوآبہ ضلع جالندھر سے نقلِ مکانی کر کے موضع جمال پور ضلع لاہور چلے گئے تھے جو لاہور سے نارووال جاتے ہوئے شمال مشرق میں ۵ امیل کے فاصلے پر واقع ہے۔ موضع لبان والا کے سکول میں چار جماعت ہی پڑھنے پائے تھے کہ ۱۹۰۹ء میں والد ماجد چوہدری روشن دین صاحب ابن چوہدری بہاول خان صاحب رحمہما اللہ تعالیٰ کا انتقال ہو گیا اس لئے پڑھائی کا سلسلہ مزید آگے نہ بڑھ سکا۔ بھائیوں کے ساتھ مل کر کاشتکاری میں مصروف ہو گئے۔ انہی کی نگرانی میں قرآن مجید ناظرہ پڑھنا شروع کیا۔ ایک سیپارہ پڑھا تھا کہ بڑے بھائی چوہدری فضل دین صاحب بھی انتقال کر گئے۔ اب ایک بھائی اور بہنوئی کے ہمراہ زمینداری کا سلسلہ چلنے لگا۔ ۱۸ سال کی عمر تک یہی صورتِ حال رہی، پھر دو سال تک محکمہ راشن سے منسلک رہے اور یوں عمر عزیز کے بیس ۲۰ سال گزر گئے۔

وہ شخص جسے کسی عظیم مقصد کے لئے پیدا کیا گیا تھا، آخر وہ کس طرح ساری عمر ان دُنیاوی دھندوں میں لگا رہتا، روح بیقرار، دِل مضطرب تھا کہ کسی نہ کسی طرح منبع علم و حکمت قرآن مجید کے مطالب و معانی تک رسائی حاصل کی جائے۔ آخر یہ اشتیاق اس حد تک بڑھا کہ ۱۹۲۹ء میں ملازمت کو خیرباد کہہ کر سیدھے مرجع چشت اہل بہشت حضرت خواجہ

معین الدین چشتی اجمیری قدس سرہ کے دربارِ اقدس میں اجمیر شریف پہنچ گئے۔ وہاں دو تین دن تک رہے، لیکن وہاں کی زبان سے چنداں واقفیت نہ ہونے کی وجہ سے لاہور واپس چلے گئے اور حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمہ اللہ تعالیٰ کے مزارِ اقدس پر حاضری دی، جہاں حضرت خواجہ اجمیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے چلہ کشی کی تھی۔ فاتحہ خوانی سے فارغ ہوئے، تو ایک بزرگ سیرت شخصیت پر نظر پڑی، یہ حضرت مولانا صوفی غلام رسول صاحب بلند پایہ بزرگ موضع موچھل ضلع امرتسر کے رہنے والے تھے، جو تبلیغی دورے پر تھے اور چند بچے تعلیم حاصل کرنے کے لئے ان کے ہمراہ رہتے تھے، ان سے ملاقات کی اور ماجرا بیان کیا، تو انہوں نے پڑھانے پر رضامندی کا اظہار کیا، اس طرح ان کی ہمرکابی کا شرف حاصل ہوا، ۱۰ ماہ کے عرصے میں سات سیپاروں کا ترجمہ پڑھ لیا، چونکہ مولانا کو پڑھائی کا حد سے زیادہ شوق تھا اسی لئے دن رات اسی میں صرف کرنا چاہتے تھے، لیکن استادِ محترم تاکید کے ساتھ زیادہ پڑھنے سے منع کرتے تھے، کیونکہ اُن کے ایک شاگرد مولوی امام الدین صاحب محنت کی زیادتی کی وجہ سے ذہنی توازن کھو بیٹھے تھے۔ مولانا کو پڑھائی کی ایسی لگن تھی جو کسی کروٹ آرام نہ لینے دیتی تھی۔ جب دیکھتے کہ اُستادِ مکرم محوِ خواب ہیں، تو اُٹھ کر مسجد میں چلے جاتے اور سبق یاد کرنے میں مصروف ہوجاتے۔

ایک دفعہ خویش و اقارب سے ملنے گھر آئے، تو جی میں آیا کہ اس طرح پڑھنے کے لئے تو مدّت درکار ہے، اس لئے کسی اور جگہ جانا چاہیئے تاکہ جلد از جلد گوہرِ مقصود حاصل کیا جائے۔ انہی دنوں ضلع گوجرانوالہ میں ایک مدرسے کا پتا چلا، سوچا کہ وہیں چلنا چاہیئے۔ ہوسکتا ہے دلی مراد پوری ہو۔ وہاں جا کر انکشاف ہوا کہ یہ تو غیر مقلد ہیں، اس لئے دوسرے دن ہی وہاں سے چل دیئے اور جامع مسجد کھوجیاں والی میں جا پہنچے، وہاں پورے ذوق و شوق سے پڑھنے کا موقع ملا اور چار پانچ ماہ

میں قرآن مجید کا ترجمہ پورا پڑھ لیا۔ ان دنوں وہاں مولوی عبدالعزیز جامع مسجد کے خطیب تھے۔ ترجمۂ قرآن مجید کی تکمیل کرنے کے بعد درسیات کی ابتدا کی۔ صرف بہائی وغیرہ کتابیں شروع کیں اور اس قدر دلچسپی اور انہماک سے اسباق جاری رکھے کہ مولانا کی ابتداء کے وقت جو طلبہ سکندرنامہ، فصول اکبری وغیرہ پڑھتے تھے، مختصر سے وقت میں ان تک جا پہنچے۔

کچھ عرصہ کے بعد مولانا مہرالدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ مولوی سراج احمد، سید احمد علی، اور مولوی فضل کریم صاحبان ایک جماعت کی صورت میں جامعہ نعمانیہ لاہور پہنچ گئے، امتحان دیا، اچھے نمبروں میں کامیابی حاصل کر کے داخلہ لے لیا، لیکن جلد ہی یہ احساس پیدا ہوگیا کہ پڑھائی کے لئے شہری فضا چنداں سازگار نہیں ہوتی، اس لئے کسی دیہاتی ماحول کے مدرسے میں جانا چاہیے۔ چنانچہ نگاہِ انتخاب اس وقت لاہور سے تین میل دُور اچھرے کے مدرسے پر پڑی، جو اَب بھی جامعہ فتحیہ کے نام سے قائم ہے۔ اچھرے کے مدرسے میں زرادی، زنجانی، فصول اکبری اور ترکیب پڑھی، ہدایۃ النحو شروع کی تھی کہ سال ختم ہوگیا۔

یہاں یہ طریقہ رائج تھا کہ بڑے اسباق اساتذہ پڑھاتے اور چھوٹے اسباق طلبہ کے ذمّے ہوتے۔ طلباء اپنی تعلیمی مصروفیات کی وجہ سے پوری توجّہ نہ دے سکتے تھے اور یہ بات مولانا کے لئے بارِ خاطر بنی رہتی۔ چاروں ساتھیوں نے مشورہ کیا کہ کسی ایسی جگہ چلنا چاہیے، جہاں اساتذہ پڑھاتے ہوں۔ اسی تلاش میں مدرسہ کرمیہ جالندھر پہنچ گئے، وہاں مولوی محمد عبداللہ صاحب ہوشیارپوری صدر مدرّس، اور مولوی احمد بخش صاحب نائب مدرّس تھے، ان سے ایک سال کے عرصہ میں کافیہ، قدوری وغیرہ کتب پڑھیں۔ اگلے سال یہ سوچ کر پھر اچھرے چلے آئے کہ اب تو اساتذہ ہی ہمیں اسباق پڑھائیں گے۔ ان دنوں وہاں مولوی ابراہیم صاحب

مولوی محمد چراغ صاحب اور مولوی حبیب شاہ صاحب خطیب مصری شاہ مدرس تھے۔ اس سال شرح وقایہ، ہدایہ اولین وغیرہ کتب پڑھیں کہ اتنے میں دیوبندی بریلوی، اختلاف کھڑا ہوا، چونکہ میاں قمرالدین صاحب مہتمم مدرسہ منشی برکت علی، حاجی جان محمد وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ سب سُنّی تھے، اس لئے اس اختلاف کے دوران مولوی محمد چراغ وہاں سے چلے آئے۔ ان کے بعد استاذ الاساتذہ مولانا مہر محمد صاحب تلمیذ مولانا غلام محمد صاحب گھوٹوی شیخ الجامعہ بہاول پور کی خدمات حاصل کی گئیں۔ ان سے دورۂ حدیث کے علاوہ باقی کتب مثلاً ملاحسن، حمداللہ، مختصر المعانی، مطول، خیالی، صدرا، شمس بازغہ وغیرہ پڑھیں۔ اس طرح قرآن مجید کی کشش اور فیض و برکت سے کتب درسیہ پڑھنے کی سعادت میسر آئی۔

دورۂ حدیث پڑھنے کے لئے امام المحدثین مولانا سید دیدار علی شاہ الوری، بانی مرکزی دارالعلوم حزب الاحناف لاہور اور ان کے صاحبزادے مرشدی حضرت علامہ مولانا ابوالبرکات سید احمد قادری (قدس سرہما) شیخ الحدیث والتفسیر حزب الاحناف لاہور کی خدمت میں زانوئے تلمذ تہ کیا اور ۱۳۴۶ھ/ ۱۹۲۶ء کو سندِ فراغت حاصل کی۔ صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین صاحب مرادآبادی رحمہ اللہ تعالیٰ صاحبِ تفسیر خزائن العرفان سے بھی سند حاصل کرنے کا شرف حاصل ہوا۔

دارالعلوم حزب الاحناف ہی میں مولانا حبیب شاہ صاحب سے کتب طب موجز، قانونِ شیخ اور قانونچہ طب کا درس لیا اور ۱۹۵۴ء میں دارالعلوم طب جدید مشرقی شاہدرہ لاہور سے امتحان دے کر افتخار الاطباء کی سند حاصل کی۔ ۱۹۳۱ء میں آپ مدرسہ اسلامیہ، اب مدرسہ حفظ القرآن، ہرسہ کوٹ ضلع لائل پور میں مدرس تھے کہ امیرِ طریقت حضرت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری قدس سرہ دورے پر تشریف لائے، تو اس موقع سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے مولانا مہر دین صاحب عارف کامل کے

دستِ حق پرست پر بیعت ہو گئے۔ کس قدر عظیم تائیدِ ایزدی تھی کہ زمیندار گھرانے کا ایک نوجوان اب شریعت و طریقت کا فضل و شرف حاصل کر کے سُنّتِ نبویہ کا بہترین ترجمان اور مسلکِ اہلِ سنّت کا بلند پایہ مبلّغ بن گیا۔ کس کے تصوّر میں تھا کہ زمینداری وغیرہ میں مصروف یہ نوجوان علم و فضل کا رفیع القدر مسند نشین بنے گا۔ آپ کی تدریسی اور تبلیغی زندگی کا دَور بہت طویل ہے۔ آپ ایک سال ہرسہ کوٹ، لائل پور، تین سال جامعہ نعمانیہ، لاہور، دو سال مسجد شکر خاں احمد آباد۔ یوپی، دس گیارہ سال حزب الاحناف، لاہور میں فرائض تدریس انجام دیتے رہے۔

۱۹۴۶ء میں جامعہ نعمانیہ لاہور تشریف لائے، اس وقت حضرت مولانا تاج الدین صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ حیات تھے اور مدرسے کے منتظم تھے۔ تین سال یہاں رہنے کے بعد جامع مسجد شیخوپورہ بسلسلۂ خطابت تشریف لائے۔ تین سال وہاں رہنے کے بعد لاہور تشریف لے آئے اور تقریباً آٹھ سال تک مسجد دائی انگہ میں خطیب رہے۔ بعد ازاں جامعہ نعمانیہ، لاہور کے منتظمین نے ایک بار پھر آپ کی خدمات حاصل کر لیں۔ چار سال تک وہاں پڑھاتے رہے۔ مولانا کی دلی خواہش تھی کہ ایسے اسباب و ذرائع حاصل کیے جائیں، جن سے مدرسے کی ترقی اور عروج کو مدد ملے، لیکن انتظامیہ نے پس و پیش سے کام لیا، تو مولانا دل برداشتہ ہو گئے اور شاہ عالم مارکیٹ لاہور کے نزدیک نیویں مسجد نیا بازار میں مدرسہ غوثیہ ثانیہ قائم کیا، بے سر و سامانی کے عالم میں بھی مولانا کی علمی قابلیت و لیاقت کی کشش تھی کہ طلباء کی اچھی خاصی تعداد جمع ہو گئی، جن میں اکثر و بیشتر آخری کتابیں پڑھنے والے طلباء تھے۔ ۴ سال تک نہایت کٹھن اور ہمّت شکن حالات کا مقابلہ کیا۔ بعد ازاں مدرسہ کی بہتری کی خاطر اسے کراؤن چوک گڑھی شاہو کی جامع مسجد میں منتقل کر دیا۔ وہاں حالات اور بھی زیادہ ناساز گار ہو گئے، جن کی بناء پر مدرسہ سے دستبردار ہونا پڑا۔

پھر ایک سال تک برکات العلوم مغلپورہ، لاہور، اور ایک سال جامعہ حنفیہ قصور پڑھاتے رہے۔ اس اثناء میں چونکہ آپ مستقل طور پر مصری شاہ قیام پذیر ہو گئے تھے اس لئے اپنے گھر میں ہی سلسلۂ تدریس شروع فرمایا۔

ظاہر ہے اتنے طویل عرصہ میں بیشمار علمائے نے آپ سے استفادہ کیا ہوگا۔ خوفِ طوالت کے پیش نظر آپ کے صرف چند تلامذہ کے ناموں کا ذکر کیا جاتا ہے:

۱۔ سلطان الواعظین مولانا محمد بشیر صاحب، کوٹلی لوہاراں، سیالکوٹ
۲۔ خطیبِ پاکستان مولانا غلام الدین رحمہ اللہ تعالیٰ، انجمن شیڈ، لاہور
۳۔ مولانا محمود احمد رضوی، شارح بخاری، مدیر رضوان، لاہور
۴۔ مولانا محمد عبداللہ صاحب، مہتمم جامعہ حنفیہ، قصور
۵۔ مولانا العلامہ محمد عبدالقیوم ہزاروی، ناظم اعلیٰ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور
۶۔ مولانا العلامہ محمد عالم صاحب، سیالکوٹ۔
۷۔ مولانا انوار الاسلام صاحب، ناظم مکتبہ حامدیہ، لاہور
۸۔ مشہور و معروف مؤرخ صاحبزادہ علامہ اقبال احمد صاحب فاروقی اور
۹۔ مولانا باغ علی نسیم، ناظمانِ مکتبہ نبویہ، لاہور
۱۰۔ مولانا مظفر اقبال صاحب، لاہور
۱۱۔ مولانا سید مزمل حسین شاہ صاحب، لاہور
۱۲۔ مولانا محمد سعید احمد صاحب نقشبندی، خطیب مسجد داتا صاحب، لاہور،

ان کے علاوہ سندھ، سوات، بنیر وغیرہ کے بے شمار علماء کرام نے آپ سے استفادہ کیا۔

حضرت مولانا مہرالدین نقشبندی جماعتی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تبلیغی اور تدریسی مصروفیات کے باوجود چند ایک نہایت اور قابلِ قدر کتابیں تصنیف فرمائی ہیں،

یہ کچھ کتابوں کے نام یہ ہیں :

۱۔ تسہیل المبانی شرح اردو مختصر المعانی، جسے آپ نے ۱۹۵۵ء میں مکمل کیا۔

۲۔ فیصلہ شرعیہ برحرمتِ تعزیہ، ردِّ شیعہ جس کا موضوع نام سے ظاہر ہے۔

۳۔ حل قطبی، اُردو

۴۔ مسائلِ رمضان

۵۔ الندا۔ بحرف الیاء

(الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسُول اللہ پڑھنے کے جواز پر مختصر مگر مدلل رسالہ)

۶۔ مسائلِ شبِ برائت

۷۔ ردِّ خاکسار

اہلِ سُنّت کے لئے لمحۂ فکریہ؟

مولانا کی تصنیف تسہیل المبانی کی اہمیت کا اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مولوی حامد میاں خطیب پولیس لائن گوجرسنگھ کی روایت ہے کہ ایک مولوی صاحب ہندوستان سے لاہور آئے، تو کہنے لگے کہ میں مولانا مہر دین صاحب فاضلِ دیوبند شارح مختصر معانی سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے کہا : وہ فاضلِ دیوبند تو کجا، انہوں نے تو دارالعلوم دیوبند کی عمارت بھی نہیں دیکھی۔ میں ان سے ذاتی طور پر متعارف ہوں، وہ تو بریلوی ہیں۔ پہلے تو انہیں یقین ہی نہ آیا کہ وہ بریلوی ہیں، لیکن جب میں نے انہیں پورے وثوق سے یقین دلایا کہ وہ بریلوی ہی ہیں۔ تو کہنے لگے : اچھا تو پھر وہ چھپے ہوئے دیوبندی ہوں گے، ورنہ بریلوی ایسا کام نہیں کرسکتے، چنانچہ وہ پتہ دریافت کرکے جامعہ غوثیہ لاثانیہ نیویں مسجد میں پہنچے، اتفاق کی بات کہ مولانا اس وقت تفصیل سے دیوبندیت اور وہابیت کا رد کر رہے تھے،

تب کہیں جاکر ان کا دماغ ٹھکانے آیا۔

مولانا سید غلام جیلانی صاحب صدرالمدرسین مدرسۂ اسلامی عربی اندر کوٹ میرٹھ نے بشیر الکامل شرح مائۃ عامل اور بشیر القاری شرح بخاری میں دیوبندی حضرات کی علمی قابلیت کا فاضلانہ جائزہ پیش کیا۔ دوسری طرف شہید تحریکِ آزادی مولانا فضل حق خیر آبادی، مولانا عبدالحق خیر آبادی، مولانا غلام محمود (پپلاں) مولانا احمد حسن کانپوری، مفتی عنایت احمد کاکوروی، مولانا فضل امام خیر آبادی، امام اہل سنت اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی وغیرہم علمائے اہل سنت رحمہم اللہ تعالیٰ ایسی باکمال ہستیاں ہیں (جن کی تفصیل اس جگہ دشوار ہے) کی تصنیفات میں سے ایک ایک کتاب ایسی ہے جس کا جواب مخالفین آج تک پیش نہیں کر سکے۔

اس کے باوجود مقامِ غور ہے کہ مخالفین کو ایسے خیالات کے اظہار کی گنجائش کیونکر ہوئی، اس کی دو ہی وجہیں ہو سکتی ہیں یا تو وہ عناد کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں، یا اس لئے کہ انہوں نے علمائے اہل سنت وجماعت کی تصنیفات کا مطالعہ ہی نہیں کیا ورنہ ہرگز انہیں اس قسم کے بے بنیاد خیالات کے اظہار کی جرأت نہ ہوتی —

ان حالات کے پیش نظر علماء اہل سنت وجماعت کا فریضہ ہے کہ علماء و اکابرِ اہل سنت کی تصنیفات کی بھرپور اشاعت کریں اور اسلاف کرام کی مساعیٔ جمیلہ کو منظرِ عام پر لائیں۔ موجودہ دور کے فضلاء کرام سے بھی گزارش ہے کہ وہ تحریری میدان میں زیادہ سے زیادہ حصہ لیں تاکہ باطل پرستوں کو راہِ حق وصداقت نظر آجائے اور انہیں راہِ راست کی طرف آنے میں آسانی ہو۔

وَمَا تَوْفِيْقُنَا اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ

صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مُرادآبادی قدس سرہٗ

موجودہ صدی میں اہل سنّت وجماعت کے کئی جلیل القدر اساطین علم وفضل اور صنادید فضیلت ومعرفت گزرے ہیں، جن میں صدر الافاضل، بدر الاماثل سیدی مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی رحمہ اللہ تعالیٰ کا نامِ نامی بہت ہی نمایاں ہے۔

آپ کی ولادتِ مبارک ۲۱ صفر المظفر / یکم جنوری (۱۳۰۰ھ / ۱۸۸۳ء) بروز پیر ہوئی۔ تاریخی نام "غلام مصطفیٰ" (۱۳۰۰ھ) تجویز ہوا۔ آپ کے والد ماجد حضرت مولانا سید محمد معین الدین نزہت (م ۱۳۳۹ھ) اور جدامجد حضرت مولانا سید امین الدین راسخ ابن مولانا سید کریم الدین آرزو اپنے اپنے دور میں اردو اور فارسی کے استاد مانے گئے ہیں۔ آٹھ سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کیا، اردو اور فارسی کی تعلیم والدِ گرامی سے حاصل کی۔ ملا حسن تک درسی کتابیں حضرت مولانا شاہ فضل احمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے پڑھیں۔ بعدازاں استاذ العلماء حضرت مولانا سید محمد گل قدس سرہٗ مہتمم مدرسہ امدادیہ مرادآباد سے درسِ نظامی اور دورۂ حدیث کی تحصیل وتکمیل کی اور ایک سال فتویٰ نویسی کی مشق کے بعد ۱۳۲۰ھ/۱۹۰۲ء میں دستارِ فضیلت حاصل کی۔ اس موقع پر آپ کے والدِ گرامی نے تاریخ کہی ؎

ہے میرے پسر کو طلبا پر وہ تفضل ۔۔۔ سیاروں میں رکھتا ہے جو مریخ فضیلت
نزہتؔ نعیم الدین کو یہ کہہ کے سُنا دے ۔۔۔ دستارِ فضیلت کی ہے تاریخ فضیلت
۱۳۲۰ھ

سلسلۂ عالیہ قادریہ میں استاذِ مکرم حضرت مولانا سید محمد گل قدس سرہ العزیز کے دستِ اقدس پر بیعت ہوئے اور ایک عالم کو فیض یاب فرمایا۔ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز نے بھی خلافت عطا فرمائی۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی محققانہ تصانیف کے مطالعہ سے حضرت صدرؔ الافاضل کے دل میں گہری محبت و عقیدت پیدا ہو گئی تھی۔ ایک دفعہ جودھپور کے ادریس نامی ایک مخالف نے نظام الملک اخبار میں اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے خلاف ایک مضمون لکھا جس میں دل کھول کر دشنام طرازی کا مظاہرہ کیا۔ حضرت صدرالافاضل کو اس مضمون کے دیکھنے سے سخت صدمہ ہوا۔ اسی رات اس کے خلاف ایک مضمون تحریر فرمایا اور نظام الملک اخبار میں شائع کرا دیا۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کو پتا چلا، تو حاجی محمد اشرف شاذلی کو تحریر فرمایا کہ مولانا سید محمد نعیم الدین کو ساتھ لے کر بریلی آئیں۔ اس ملاقات میں حضرت صدرؔ الافاضل، مولانا احمد رضا بریلوی کی شفقت و محبت سے اس قدر متاثر ہوئے کہ کوئی مہینہ بریلی شریف کی حاضری سے خالی نہ جاتا۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کو حضرت صدرؔ الافاضل قدس سرہٗ پر اس قدر اعتماد تھا کہ جہاں کہیں مناظرہ ہوتا، حضرت صدرؔ الافاضل کو بھیجتے۔ آپ کو مناظرہ میں بے پناہ مہارت حاصل تھی۔ عیسائی، آریہ، روافض، خوارج، قادیانی اور غیر مقلدین سے بارہا مناظرے کا اتفاق ہوا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہر میدان میں غلبہ پایا۔

آپ کو مناظرہ میں زبردست کمال حاصل تھا، بڑے سے بڑے مناظر کو چند جملوں میں لاجواب کر دینا آپ کے لئے معمولی سی بات تھی، دورِ طالب علمی میں ایک آریہ سے گفتگو فرمائی۔ اُس نے اعتراض کیا کہ منہ بولا بیٹا حقیقی بیٹا ہوتا ہے اور تمہارے پیغمبر نے اپنے بیٹے زید کی بی بی سے نکاح کر لیا تھا۔ حضرت صدرالافاضل نے دلائلِ عقلیہ سے بیان کیا کہ کسی کو بیٹا کہنے سے اس کی حقیقت نہیں بدلتی۔ حقیقت میں بیٹا وہ ہوتا ہے، جو کسی کے نطفے سے پیدا ہو، لیکن پنڈت نے کہا، میں نہیں مانتا۔ آپ نے فرمایا، میں تمہیں ابھی منوائے دیتا ہوں۔ مجمع کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا؛ یہ پنڈت میرا بیٹا ہے، لہٰذا پنڈت جی کے قول کے مطابق یہ میرے حقیقی بیٹے بن گئے اور حقیقی بیٹے کی بی بی باپ پر حرام

اور اُس کی ماں حلال ہوتی ہے، تو اُن کی ماں مجھ پر حلال ہوگئی۔ پنڈت یہ سن کر بوکھلا گیا اور کہنے لگا تم مجھے گالی دیتے ہو۔ صدر الافاضل نے فرمایا: میرا مدعا ثابت ہوگیا، تو خود اسے گالی تسلیم کرتا ہے، تو معلوم ہوا کہ منہ بولا بیٹا، حقیقت میں بیٹا نہیں ہوتا۔ پنڈت کہنے لگا: پہلے تمہارا مولوی چلا گیا تھا، اب میں چلتا ہوں۔

رامچندر نامی پنڈت سے بریلی شریف میں گفتگو ہوئی تو اُس نے کہا: آپ مجھ سے کیا بحث کریں گے، مجھے تمہاری کتاب (قرآن پاک) کے پندرہ پارے یاد ہیں۔ آپ میرے وید کے صرف پندرہ ورق ہی سُنا دیجیے۔ حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمہ نے فرمایا: پنڈت جی! یہ تو میری کتاب کا اعجاز ہے کہ دشمن کے سینے میں بھی اُتر گئی ہے۔ تمہاری کتاب کا یہ حال ہے کہ خود تمہیں اس کے پندرہ ورق بھی یاد نہیں ہیں۔ اس سے قرآنِ پاک کی صداقت کا پتا چلتا ہے۔ اس پر پنڈت جی بڑے خفیف ہوئے اور جلسہ برخاست کر دیا۔

متھرا اور آگرہ کے نواح میں شردھانند نے جب فتنۂ ارتداد شروع کیا، تو حضرت صدر الافاضل نے اسے مناظرہ کی دعوت دی، جسے اُس نے قبول کر لیا۔ آپ دہلی پہنچے تو وہ بریلی جا پہنچا۔ بریلی سے لکھنؤ، پٹنہ اور پھر کلکتہ جا پہنچا۔ حضرت بھی اُس کا تعاقب کرتے ہوئے کلکتہ جا پہنچے، تو اُس نے مناظرہ کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ غرض جس وقت، جس جگہ کسی مخالف نے دعوتِ مبارزت دی، حضرت صدر الافاضل فوراً تشریف لے گئے۔ مدِ مقابل اوّل تو سامنے آنے کی جرأت ہی نہ کر سکا اور اگر سامنے آیا بھی تو اُسے جلد ہی ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا۔

فنِ خطابت میں کامل دستگاہ حاصل تھی۔ اشعار تحت اللفظ پڑھتے تھے، مگر گفتگو اتنی پُراثر ہوتی کہ مخالفین کو بھی اعترافِ فضیلت کرنا پڑتا۔ حق بیان کرنے میں کسی کو خاطر میں نہ لاتے۔ ۱۳۵۴ھ میں جب سفرِ حج کیا، تو مدینہ طیبہ کے قیام کے دوران ملاحظہ فرمایا کہ جب کوئی عقیدت مند جالی شریف کو بوسہ دینے لگتا تو نجدی سپاہی مَرد

کا ہاتھ پکڑ کر کھینچ لیتے اور عورت کے سینہ پر ہاتھ مار کر پیچھے دھکیل دیتے۔ حضرت نے فوراً نجدی سپاہیوں کو ڈانٹا اور عربی زبان میں فرمایا: اوّل تو نامحرم عورت کو ہاتھ لگانا ویسے ہی ناجائز ہے اور پھر دربارِ رسول علیہ الصّلوٰۃ والسّلام میں اور بھی سخت ناجائز ہے انہوں نے کہا، ہم نے بقصدِ شہوت ہاتھ نہیں لگایا۔ حضرت نے فرمایا اس میں شہوت یا بغیر شہوت کی قید نہیں ہے۔ سپاہی آپ کا تیور دیکھ کر گھبرا گئے۔ چنانچہ قاضی شہر اور کوتوال کو بُلا لیا۔ حضرت نے قاضی سے ایسی مدلّل گفتگو فرمائی کہ اسے تسلیم کرنا پڑا کہ یہ فعل غلطی پر مبنی ہے۔

علومِ دینیہ کی تدریس میں آپ یکتائے روزگار تھے۔ حدیث شریف پڑھاتے، تو یُوں محسوس ہوتا کہ اپنے دَور کے ابن حجر اور ابن ہمام یہی ہیں۔ معقولات کا درس ہوتا تو امام رازی اور مولانا فضلِ حق خیر آبادی کا پرتو معلوم ہوتے، فقہی مسائل حل کرتے تو امام ابوحنیفہ کے تلمیذ دکھائی دیتے۔ اعلیٰ حضرت قدّس سرّہٗ کے بعد سب سے زیادہ استفتاء آپ کے پاس آتے، جن کے شافی جوابات بھجواتے جاتے، جسمانی اور رُوحانی مریض حاضر ہوتے اور خوش خوش واپس لوٹتے۔ علم ہیأت میں کامل دسترس رکھتے تھے۔ آپ کے تیار کرائے ہوئے فلکی کرّے دیکھ کر ماہرین ریاضی آپ کی جلالتِ علمی کو ماننے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

۱۳۲۸ھ میں آپ نے مراد آباد میں مدرسہ انجمن اہل سُنّت وجماعت کی بنیاد رکھی، جس میں معقول و منقول کی تعلیم کا اعلیٰ پیمانے پر انتظام کیا گیا۔ ۱۳۵۲ھ میں حضرت صدر الافاضل کی نسبت سے اس کا نام جامعہ نعیمیہ رکھا گیا۔ حضرت صدر الافاضل اس مدرسہ میں حدیث شریف کے علاوہ دیگر درسی کتب کا بھی درس دیتے تھے۔ جلد ہی یہ مدرسہ پورے برِّصغیر میں عظیم الشان دینی یونیورسٹی کی حیثیت اختیار کر گیا، جہاں سے متحدہ ہندوستان (پاک و ہند) کے علاوہ غیر ممالک کے اہل علم بھی فیض یاب ہوئے۔ آج پاک و ہند کے اکثر مدارس وہ ہیں،

جہاں بالواسطہ یا بلاواسطہ آپ کے فیض یافتہ حضرات گراں قدر دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

حضرت صدرالافاضل قدس سرہ کے پاکستان میں چند مشہور تلامذہ کے نام یہ ہیں:
علامہ ابُوالحسنات سیّد محمد احمد قادری رحمہ اللہ تعالیٰ، علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری رحمہ اللہ تعالیٰ، تاج العلماء مفتی محمد عمر نعیمی رحمہ اللہ تعالیٰ، حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمہ اللہ تعالیٰ، پیر محمد کرم شاہ الازہری مدیر ماہنامہ ضیائے حرم، مولانا مفتی محمد نور اللہ نعیمی، مہتمم مدرسہ حنفیہ فریدیہ، بصیرپور۔ مولانا مفتی محمد حسین نعیمی مہتمم جامعہ نعیمیہ، لاہور، مولانا مفتی محمد امین الدین رحمہ اللہ تعالیٰ رکامونکی، مولانا مفتی غلام معین الدین نعیمی، رحمہ اللہ تعالیٰ، مدیر سوادِ اعظم، لاہور، مولانا غلام فخرالدین گانگوی شیخ الحدیث جامعہ شمس العلوم، میانوالی وغیرہم۔

قُدرتِ ایزدی نے حضرت صدرالافاضل رحمہ اللہ تعالیٰ کو شعر گوئی کا بڑا پاکیزہ ذوق بخشا تھا۔ عربی، فارسی، اور اُردو میں بڑی روانی سے شعر کہتے تھے، بُلند و بالا تخیلات کو اس عمدگی اور خُوبی سے ادا کرتے کہ سُننے والا جھُوم جھُوم جاتے، لیکن آپ نے فکرِ سخن کو پاکیزہ کلام اور نعتِ مُصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کے ساتھ مخصوص رکھا اور مبتذل تغزّل سے آلودہ نہیں ہونے دیا۔ ذیل میں چند اشعار ملاحظہ ہوں، جن میں نُدرتِ خیال کے ساتھ ساتھ بلا کی سلاست پائی جاتی ہے ؎

فصاحت سے کہتے ہیں مُوئے سفید — کہ ہشیار ہو، اب سحر ہو گئی
خُودی سے گزر، چل خدا کی طرف، — کہ عُمرِ گرامی، بسر ہو گئی
غم و خُونِ دل کھاتے پیتے رہے — غریبوں کی اَچھی گزر ہو گئی
نعیمؔ خطا کار مغفور ہو — جو شاہِ جہاں کی نظر ہو گئی

ایک نعت شریف کے چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎

دیکھئے سیمائے انور، دیکھئے رُخ کی بہار | مہرِ تاباں دیکھئے، ماہِ درخشاں دیکھئے
دیکھئے وہ عارض اور وہ زلفِ مشکیں دیکھئے | صُبحِ روشن دیکھئے، شامِ غریباں دیکھئے
جلوہ فرما ہیں جبینِ پاک میں آیاتِ حق | مُصحفِ رُخ دیکھئے، تفسیرِ قرآں دیکھئے
یہ نعیم زار کیسا ہجر میں بے تاب ہے | دیکھئے اس کی طرف، اے شاہِ شاہاں دیکھئے

حضرت صدرالافاضل رحمۃ اللہ تعالیٰ کی قابلِ قدر دینی خدمات زریں حروف میں لکھنے کے قابل ہیں۔ انہوں نے صرف محراب و منبر اور مسندِ تدریس ہی کو زینت نہ بخشی، بلکہ وقت آیا، تو میدان میں آکر اہلِ باطل کی سازشوں کے تار و پود بکھیر کر رکھ دیئے۔ ۱۹۲۰ء میں جب سلطنتِ ترکی کے تحفظ اور حمایت کے لئے خلافت کمیٹی قائم کی گئی تو ہندوؤں کے ساتھ مل کر جدّ و جہد شروع کی تاکہ ترکی کے مقبوضات واپس دلائے جائیں۔ ہنود کے ساتھ راہ و رسم اس حد تک پہنچ گئی کہ ہندو مقتدا اور مسلمانوں کے لیڈر مقتدی بن گئے۔ ہندوؤں کی خوشنودی کی خاطر اسلامی شعائر ترک کر دیئے گئے اور شعائرِ کفر اپنانے میں کوئی باک نہ رہا۔ اس نازک موقع پر صدرالافاضل نے مسلمانوں کی بروقت راہنمائی فرمائی اور واشگاف الفاظ میں فرمایا: جہاں تک اہلِ اسلام کی امداد و اعانت کا تعلق ہے، اس کے فرض ہونے میں کچھ شک نہیں۔ حضرت صدرالافاضل رحمۃ اللہ تعالیٰ کے الفاظ ملاحظہ ہوں، ایک ایک لفظ سے کس قدر درد و کرب کا اظہار ہو رہا ہے، فرماتے ہیں:

"سلطنتِ اسلامیہ کی تباہی و بربادی اور مقاماتِ مقدسہ، بلکہ مقبوضاتِ اسلام کا مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل جانا ہر مسلمان کو اپنی اور اپنے خاندان کی تباہی و بربادی سے زیادہ اور بدرجہا زیادہ شاق اور گراں ہے اور اس صدمہ کا جس قدر بھی درد ہو، کم ہے۔ سلطنتِ اسلامیہ کی اعانت و حمایت، خادم الحرمین کی مدد و نصرت مسلمانوں پر فرض ہے۔"

(حیات صدرالافاضل، ص ۹۹)

لیکن یہ کسی طرح جائز نہیں کہ ہندوؤں کو مقتدا بنایا جائے، اُن کی رضامندی کے لئے شعائرِ کفر اپنا لئے جائیں اور ترکی کی حمایت کے لئے اپنے دین و ایمان کو خیر باد کہہ دیا جائے۔

فرماتے ہیں:

" اگر اتنا ہی ہوتا کہ مسلمان مطالبہ کرتے اور ہندو ان کے ساتھ متفق ہوکر بجا ہے، درست ہے، پکارتے۔ مُسلمان آگے ہوتے اور ہندو ان کے ساتھ ہوکر ان کی موافقت کرتے تو بیجا نہ تھا، لیکن واقعہ یہ ہے کہ ہندو امام بنے ہوئے آگے آگے ہیں ۔ کہیں ہندوؤں کی خاطر قربانی اور گائے کا ذبیحہ ترک کرنے کی تجاویز پاس ہوتی ہیں، ان پر عمل کرنے کی صورتیں سوچی جاتی ہیں ۔ اسلامی شعائر مٹانے کی کوششیں عمل میں لائی جاتی ہیں، کہیں پیشانی پر قشقہ کھینچ کر کفر کا شعار (ٹریڈ مارک) نمایاں کیا جاتا ہے۔ کہیں بتوں پر پھول اور ریوڑیاں چڑھا کر توحید کی دولت برباد کی جاتی ہے، معاذاللہ! کروڑ سلطنتیں ہوں تو دین پر فدا کی جائیں، مذہب کسی سلطنت کی طمع میں برباد نہیں کیا جاسکتا۔ مولانا سید سلیمان اشرف صاحب نے بہت خوب فرمایا کہ لعنت ہے اس سلطنت پر جو دین بیچ کر حاصل کی جاتے ۔"

یہ وہ دَور تھا جب کانگریس کا طوطی بول رہا تھا اور کانگرس کے بڑے بڑے لیڈر گاندھی کی چالوں کا شکار ہو چکے تھے، اس موقعہ پر حضرت صدرالافاضل رحمۃ اللہ تعالیٰ نے نہ صرف تحریکِ ترکی کے مسلمانوں کی امداد و اعانت کے طریقے بتائے، بلکہ ہند و مسلم اتحاد کے خطرناک نتائج وضاحت سے بیان کر کے دو قومی نظریہ کا بھرپور پرچار کیا۔ اس وقت اگرچہ دیگر علمائے اہل سنّت کی طرح آپ پر بھی طعن و تشنیع کے تیر برسائے گئے، لیکن آج ہر صاحب انصاف تسلیم کرتا ہے کہ حضرت صدرالافاضل کی دُور رس نگاہوں نے جو فیصلہ صادر کیا تھا، یقیناً حقیقت پر مبنی تھا۔

۱۹۲۵ء میں ہندوؤں نے شدھی تحریک چلائی، جس کا مقصد یہ تھا کہ مذہبی تبلیغ تیز کر کے مُسلمانوں کو مُرتد کیا جائے یا ان کا قتلِ عام کیا جائے۔ حضرت صدرالافاضل ایسا بیدار مغز اور حساس انسان کس طرح خاموش بیٹھ سکتا تھا۔ چنانچہ بریلی شریف میں جماعت رضائے مصطفےٰ قائم کی گئی، جس کے تحت آپ نے دیگر علمائے اہلِ سنّت کی رفاقت میں فتنۂ ارتداد کے سدِ باب کے لئے تمام تر کوششیں صرف کردیں۔ آگرہ، متھرا، بھرتپور، گوڑگانواں، گوبند گڑھ، حوالی، اجمیر، جے پور اور کشن گڑھ تک طوفانی دورے کئے اور آگرہ میں ہیڈ کوارٹر قائم کر کے ایک مدت تک وہاں قیام کیا اور مسلسل تبلیغی وفود بھیجے۔ بالآخر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے شر دھانند کا شر ختم ہوا، ہزاروں مُرتد داخلِ اسلام ہوئے اور لاکھوں مُسلمان آریوں کے چُنگل سے بچ گئے۔

ہندو آئے دن مسلمانوں کو دینِ اسلام سے برگشتہ کرنے کے لئے سازشیں کرتے رہتے تھے، اس لئے حضرت صدرالافاضل نے مُسلمانوں کے دین و مذہب کے تحفّظ کی خاطر ملک بھر کے اکابر علماء و مشائخ کو مرادآباد مدعو کیا، چار روز کے غور و فکر کے بعد آل انڈیا سُنّی کانفرنس کی بنیاد ڈالی گئی، بالاتفاق آپ کو ناظمِ اعلیٰ اور امیرِ ملت حضرت پیر سیّد حافظ جماعت علی شاہ محدّث علی پوری قدس سرہٗ کو صدر منتخب کیا گیا۔ حضرت صدرالافاضل قدس سرہٗ نے سُنّی علماء و مشائخ کو ایک پلیٹ فارم پر متحد کرنے اور مخالفینِ اسلام کی ریشہ دوانیوں کے استیصال کے لئے ملک کے گوشہ گوشہ میں سُنّی کانفرنسیں قائم کیں اور شبانہ روز جدّ و جہد شروع کر دی۔

۱۳۴۳ھ/۱۹۲۴ء میں آپ کی سرپرستی میں مرادآباد سے ماہنامہ السّوادالاعظم جاری ہوا، جس میں دینی اور تبلیغی مضامین کے علاوہ مُسلمانوں کے انفرادی تشخص کو نمایاں

کرنے کے لئے وقیع مضامین شائع ہوا کرتے تھے۔ سوادِ اعظم اہل سنت و جماعت اور دو قومی نظریہ کا یہ نقیب جریدہ رُبع صدی تک بڑی شان و شوکت سے شائع ہوتا رہا اور مسلمانوں کی بروقت راہنمائی کا فریضہ بحُسن و خوبی انجام دیتا رہا۔

۱۹۴۰ء میں لاہور میں مسلم لیگ کا اجلاس ہوا، جس میں قائدِ اعظم اور دیگر زعمائے مسلم لیگ نے مطالبۂ پاکستان کی قرارداد پاس کی، تو علمائے اہل سنت نے اس مطالبے کی پر زور تائید کی۔ حضرت صدر الافاضل نے آل انڈیا سُنّی کانفرنس کے تحت متحدہ ہندوستان (پاک و ہند) کے کونے کونے میں علماء اہل سُنّت کی معیت میں نظریۂ پاکستان کی اہمیت واضح کی۔ صُوبہ جات مدراس، گجرات، کاٹھیاواڑ، جوناگڑھ، راجپوتانہ، دہلی، یُوپی، پنجاب، بہار، غیر منقسم بنگال میں کلکتہ، ہُگلی، چوبیس پرگنہ، ڈھاکہ، کرنافلی، چاٹگام، سلہٹ وغیرہ کے مسلسل دورے کئے اور قیامِ پاکستان کے لئے فضا ہموار کی۔ تحریکِ پاکستان کے ساتھ آپ کے گہرے لگاؤ کا اندازہ کرنا ہو تو حضرت مولانا ابو الحسنات قادری رحمہ اللہ تعالیٰ کے نام ایک مکتوب کا اقتباس ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں:

"پاکستان" کی تجویز سے "جمہوریتِ اسلامیہ" (آل انڈیا سُنّی کانفرنس کا دوسرا نام) کو کسی طرح دستبردار ہونا منظور نہیں، خود جناح اس کے حامی رہیں یا نہ رہیں۔" (حیات صدر الافاضل، ص ۱۸۶)

مُطالبۂ پاکستان کو مؤثر اور مقبولِ عام بنانے کے لئے آل انڈیا سُنّی کانفرنس کا فقید المثال اجلاس ۲۴ تا ۲۷ جمادی الاولیٰ، مطابق ۲۷ تا ۳۰ اپریل (۱۳۶۵ھ/۱۹۴۶ء) بنارس میں منعقد ہوا، جس میں کل متحدہ ہندوستان کے تقریباً پانچ ہزار جلیل القدر علماء و مشائخ شریک ہوئے۔ عوام کی تعداد تقریباً ڈیڑھ لاکھ تھی ایسا عظیم الشان اجلاس آج تک کہیں منعقد نہ ہو سکا۔ اس اجلاس میں بالاتفاق درج ذیل قرارداد منظور کی گئی:

"آل انڈیا سُنّی کانفرنس کا یہ اجلاس مطالبۂ پاکستان کی پُر زور حمایت کرتا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ علماء و مشائخ اہل سنّت، اسلامی حکومت کے قیام کی تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے ہر امکانی قربانی کے واسطے تیار ہیں اور یہ اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ ایک ایسی حکومت قائم کریں جو قرآن کریم اور حدیثِ نبوی کی روشنی میں فقہی اصُول کے مطابق ہو"

(حیات صدر الافاضل، ص ۱۸۹، ۱۹۰)

اس اجلاس نے تحریکِ پاکستان کو زبردست تقویت پہنچائی اور نظریۂ پاکستان کی مقبولیت میں بے پناہ اضافہ ہوا۔ بلاشبہ اس اجلاس کو قیامِ پاکستان کے لئے سنگِ میل کہا جاتا ہے اور حضرت صدر الافاضل جو اس اجلاس کے عظیم رُکن تھے، کو بانیانِ پاکستان کی صف میں شمار کرنے میں تامّل نہیں ہو سکتا۔

قیامِ پاکستان کے بعد ۱۹۴۸ء میں حضرت صدر الافاضل، حضرت سید محمد محدّث کچھوچھوی، تاج العلماء مولانا محمد عمر نعیمی اور مولانا مفتی غلام معین الدین نعیمی (رحمہم اللہ تعالیٰ) بذریعہ ہوائی جہاز دہلی سے لاہور پہنچے اور مقامی علماء و زعماء سے پاکستان کے اسلامی دستور کے بارے میں گفتگو کی۔ بعد ازاں کراچی تشریف لے گئے، اور اسی موضوع پر مقامی علماء و زعماء سے بات چیت کی۔ بالآخر طے پایا کہ حضرت صدر الافاضل اسلامی دستور کا خاکہ مُرتب فرمائیں، ہم اسے پاکستان کی اسمبلی میں منظور کرائیں گے۔ حضرت صدر الافاضل نے وعدہ فرمایا کہ میں مراد آباد جا کر اسلامی دستور کا خاکہ مرتب کر کے بھیج دُوں گا، مگر قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا، کراچی میں ہی آپ سخت علیل ہو گئے۔ چنانچہ آپ مختصر قیام کے بعد لاہور سے ہوتے ہوئے مُراد آباد تشریف لے گئے، اور علالت کے باوجود دستورِ اسلامی کی چند دفعات ہی مرتب فرما سکے تھے کہ پیامِ اجل آ گیا۔

حضرت صدر الافاضل نے بے پناہ دینی و ملّی مصروفیات کے باوجود تصنیف و تالیف کا بڑا ذخیرہ یادگار چھوڑا۔ آپ کی مقبول عام تصانیف کے نام یہ ہیں:

۱۔ تفسیر خزائن العرفان، اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ کے ترجمۂ قرآن پاک کنز الایمان پر قابلِ قدر حاشیہ۔

۲۔ اطیب البیان ردّ تقویۃ الایمان۔

۳۔ الکلمۃ العلیا، (مسئلہ علمِ غیب میں محققانہ تصنیف)

۴۔ سیرتِ صحابہ (وسیلۂ جمیلہ)

۵۔ سوانح کربلا (اُردو) اس کا ترجمہ گجراتی زبان میں بھی ہو چکا ہے۔

۶۔ التحقیقات لدفع التلبیسات (المہند کا رد)

۷۔ کتاب العقائد ۸۔ زاد الحرمین: حج و زیارت کے مسائل

۹۔ آداب الاخیار ۱۰۔ کشف الحجاب: ایصالِ ثواب کے موضوع پر، (اس کا ترجمہ سندھی زبان میں بھی ہو چکا ہے) ۱۱۔ اسواط العذاب، وغیرہ وغیرہ۔

صدر الافاضل بدر الاماثل تحریکِ پاکستان کے عظیم راہنما حضرت مولانا سید محمد نعیم الدین مُرادآبادی قدس سرہ العزیز بروز جمعۃ المبارک ۱۸، ذی الحجہ، ۲۳، اکتوبر (۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء) رات کے بارہ بج کر پچیس منٹ پر دارِ فانی سے سُوئے فردوس روانہ ہوئے اور دُنیائے سُنّیت کو عظیم صدمے سے دوچار کر گئے۔ آپ کی آخری آرام گاہ جامعہ نعیمیہ مرادآباد کی مسجد کے بائیں گوشہ میں بنائی گئی۔

پروفیسر حامد حسن قادری رحمہ اللہ تعالیٰ نے تاریخِ وصال کہی ؎

سب بے سر و پا ہو گئے ایسا تھا مولانا کا غم ۔۔۔ اے قادری خستہ جگر، تاریخِ رحلت کر رقم

فضل و سخا، رشد و ہُدیٰ، حلم و حیا عدل و کرم ۔۔۔ ہیں رونما اب دردوغم، قہر و جفا رنج و ستم

۱۹۴۸ء

غزالیٔ عصر مولانا نقی علی خاں رحمہ اللہ تعالیٰ

رئیس المتکلمین، قدوۃ السالکین مولانا نقی علی خاں، ابن عارف باللہ مولانا رضا علی خاں قدس سرہما ماہِ رجب ۱۲۴۶ھ / ۱۸۳۰ء میں محلہ ذخیرہ بریلی شریف میں پیدا ہوئے۔[1] آپ کے آباؤ اجداد، قندھار کے معزز قبیلہ بڑھیچ کے پٹھان تھے، جو شاہان مغلیہ کے دور میں لاہور آئے اور متعدد عہدوں پر فائز رہے۔ لاہور کا شیش محل انہی کی جاگیر تھا۔[2] آپ کے والدِ ماجد مولانا رضا علی خاں (متوفی ۲ جمادی الاولیٰ ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۶ء)[3] اپنے دور کے نامور عالم اور عارف باللہ بزرگ تھے۔

امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے سالِ ولادت کے درج ذیل تاریخی مادے نکالے۔

جاء ولیٌّ نقیُّ الثوب علی الشان   رضیُّ الاحوال بهیّ المکان

۱۲ ھ ۴۶   ۱۲ ھ ۴۶

هو اجلّ محققی الافاضل   شهاب المدققین الاماثل

۱۲ ھ ۴۶   ۱۲ ھ ۴۶

قمر فی برج الشرف   بریٌّ من الخسوف والکلف

۱۲ ھ ۴۶   ۱۲ ھ ۴۶

افضل سبّاق العلماء   اقدم حذاق الکرماء[4]

۱۲ ھ ۴۶   ۱۲ ھ ۴۶

---

[1] محمود احمد قادری، مولانا، شاہ: تذکرہ علمائے اہل سنت (خانقاہِ قادریہ، بہار) ص ۲۵۱

[2] ظفر الدین بہاری، مولانا: حیات اعلیٰ حضرت (مکتبہ رضویہ، کراچی) ج ۱، ص ۲

[3] رحمٰن علی، مولانا: اردو ترجمہ تذکرہ علمائے ہند (پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی، کراچی) ص ۱۹۳

[4] محمد محبوب علی خاں قادری، مولانا: حدائق بخشش حصہ سوم (طبع پٹیالہ) ص ۹۹

حضرت مولانا نقی علی خاں نے اپنے والدِ ماجد سے علومِ دینیہ کی تحصیل اور تکمیل کی۔[1] ۱۲۹۴ھ / ۱۸۷۷ء میں اپنے فرزندِ ارجمند اعلیٰ حضرت، امام اہلِ سنّت شاہ احمد رضا خاں بریلوی کے ساتھ، حضرت مولانا شاہ آلِ رسول مارہروی قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دونوں حضرات شرفِ بیعت و خلافت سے مشرف ہوئے[2] حضرت شیخ نے تمام سلاسلِ جدیدہ و قدیمہ کی اجازت و خلافت اور حدیث کی سند عطا فرمائی۔ ۱۲۹۵ھ/ ۱۸۷۸ء میں حرمین شریفین کی زیارت اور حج کی سعادت حاصل کی۔ اسی موقع پر حضرت سیّد احمد زینی دحلان سے تبرکاً سندِ حدیث حاصل کی۔[3]

اللہ تعالیٰ نے آپ کو گوناگوں صفات سے نوازا تھا۔ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں؛

"بحمد اللہ! منصبِ شریف علم کا پایہ، ذروۂ علیا کو پہنچایا۔

ع راست می گویم و یزداں نہ پسندد جز راست

کہ جو وقتِ انظار و حدّتِ افکار و فہم صائب و رائے ثاقب حضرت حق جلّ وعلیٰ نے انہیں عطا فرمائی۔ ان دیار و امصار میں اس کی نظیر نظر نہ آئی۔ فراستِ صادقہ کی یہ حالت تھی کہ جس معاملہ میں جو کچھ فرمایا، وہی ظہور میں آیا۔

عقلِ معاش و معاد دونوں کا بر وجہِ کمال اجتماع بہت کم سنا یہاں آنکھوں دیکھا۔ علاوہ بریں سخاوت و شجاعت و علوِ ہمت و کرم و مروّت و صدقاتِ خفیہ و مبراتِ جلیہ و بلندئ اقبال و دبدبۂ و جلال و موالاتِ فقراء و

---

[1] ظفر الدّین بہاری، مولانا: حیاتِ اعلیٰ حضرت، ج ۱، ص ۶

[2] ایضاً، ص ۸

[3] رحمٰن علی، مولانا: تذکرہ علمائے ہند (اردو ترجمہ) ص ۵۳۰

امر دینی میں عدم مبالات باغنیاء حکام[ع] سے عزلت، رزق موروث پر قناعت وغیر ذالک، فضائلِ جلیلہ وخصائلِ جمیلہ کا حال وہی کچھ جانتا ہے جس نے اس جناب کی برکتِ صحبت سے شرف پایا ہے۔ [۱]

اللہ تعالیٰ کی محبت اور حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے والہانہ عقیدت تو اس خاندان کا طرّۂ امتیاز رہا ہے۔ اس زمانے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ایک اثر کی بناء پر یہ مسئلہ، معرکۃ الآراء بنا ہوا تھا کہ باقی چھ زمینوں پر حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مثل انبیاء ہوئے یا نہیں؟ ایک گروہ بڑے شدّومدّ سے ان چھ مثالوں کو مان رہا ہے، جبکہ حضرت مولانا نقی علی خاں اور ان کے ہم مسلک علمائے اہل سنّت کا موقف یہ تھا کہ یہ عقیدہ قطعی غلط ہے اور اثر ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے استدلال کرنا غلط ہے۔ اس سلسلے میں آپ نے ماہ شعبان ۱۲۹۲ھ/۱۸۷۵ء کو اصلاح ذات البین (۱۲۹۲ھ) کے نام سے مناظرہ کا اشتہار شائع کیا، لیکن فریقِ مخالف کی طرف سے کوئی مناظرہ کے لئے تیار نہ ہوا [۲] آپ کی کوششوں سے یہ فتنہ ایسا سرد ہوا کہ پھر سر نہ اُٹھایا۔

تمام عمر شریف علوم دینیہ کی تعلیم وتدریس اور تصنیف وتالیف میں صرف فرمائی۔ حافظ الملک حافظ رحمت خاں بہادر کے نبیرہ نواب نیاز احمد ہوش فرماتے ہیں:

"اکثر اشخاص کو تعلیم علم کا شوق دلاتے ہیں، اپنا وقت دینیات کے پڑھانے میں بہت صرف فرماتے ہیں۔ ہنگامِ کلام، علوم کا دریا بہہ جاتا ہے۔

[ع] اس وقت ہندوستان پر انگریز کی حکومت تھی۔ حضرت مولانا نقی علی خاں قدس سرہٗ کا ان کے ساتھ کوئی تعلق نہ تھا۔ ۱۲ اشرف قادری۔

[۱] احمد رضا خاں بریلوی، امام: جواہر البیان (مکتبہ حامدیہ، لاہور) ص ۷-۶۔

[۲] ظفر الدین بہاری، مولانا: حیاتِ اعلیٰ حضرت ج ۱، ص ۷

اَلْعَالِمُ اِذَا تَکَلَّمَ فَھُوَ بَحْرٌ یَمُوْجُ کا مضمون انہیں کی ذات مجمع حسنات پر صادق آتا ہے۔ کسی نحو، کسی علم میں عاری نہیں۔ ہر علم میں دخل معقول ہونا بجز عنایت باری نہیں۔ امورِ خیر میں اوقاتِ عزیز صرف کرنے میں دشواری نہیں۔ مسائلِ مشکلۂ معقول نے ان کے سامنے مرتبۂ حضوری پایا۔ منقول میں بدون حوالہ آیت و حدیث کے کلام نہ کرنا، ان کا قاعدۂ کلی نظر آیا۔

ان کے حضور اکثر منطقی اپنے اپنے قیاس و شعور کے موافق صغرائے ثنا اور کبرائے مدح، شکل بدیہی الانتاج بنا کر دعوائے توصیف کو ثابت کر دکھاتے ہیں۔ آخر الامر نتیجہ نکالتے وقت یہ شعر زبان پر لاتے ہیں ؎

کیا عجب مدرسۂ علم میں اس عالم کے
شمس آکر سبق شمسیہ پڑھتا ہو اگر" (ہوش) [1]

آپ کے تلامذہ کے اسماء گرامی معلوم نہ ہو سکے، لیکن صرف آپ کے فرزندانِ ارجمند امام احمد رضا خاں بریلوی، مولانا حسن رضا بریلوی اور مولانا محمد رضا بریلوی (قدست اسرارہم) کے نام ہزاروں شاگردوں کی فہرست پر بھاری ہیں۔

تصانیف

آپ کی تصانیف آپ کے تبحرِ علمی کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ اندازِ بیان ناصحانہ اور دلنشین ہے۔ امام رازی کا تبحر اور امام غزالی کا پرسوز لب و لہجہ قاری کے دل و دماغ دونوں کو اپیل کرتا ہے۔ آپ کا اصلاحی لٹریچر اس لائق ہے کہ اس کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کی جائے۔ درج ذیل تصانیف آپ سے یادگار ہیں:

۱۔ الکلام الاوضح فی تفسیر سورۃ الم نشرح — ۳۸۴ صفحات پر مشتمل یہ کتاب سورۃ الم نشرح کی تفسیر، مسائلِ دینیہ اور سیرتِ سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم پر مشتمل ہے۔

---

[1] نیاز احمد خاں ہوش، نواب: تقریظ سرور القلوب (نولکشور، لکھنؤ) ص ۴

۲- وسیلۃ النجاۃ : نبی اکرم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی سیرتِ طیبّہ

۳- سرور القلوب بذکر المحبوب :

۴- جواہر البیان فی اسرار الارکان :- ارکانِ اسلام نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کے فضائل اور اسرار پر بے مثل کتاب، کئی سال پہلے مکتبہ حامدیہ، لاہور نے شائع کی تھی۔ کاش کہ کوئی ادارہ، جدید کتابت اور مکمل تصحیح کے ساتھ اسے شائع کر دے تو یہ بڑی دینی خدمت ہوگی۔ امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ نے اس کے اڑھائی صفحات کی شرح میں ایک مبسوط کتاب زواہر الجنان من جواہر البیان لکھی تھی، جس کا تاریخی نام سلطنت المصطفٰے فی ملکوت کل الورٰی ہے۔

۵- اصول الرشاد لقمع مبانی الفساد : اس میں ایسے قواعد، دلائل سے ثابت کئے ہیں، جو مسلکِ اہل سنّت و جماعت کی حقانیت اور نجدیت کا بطلان ظاہر کرتے ہیں۔

۶- ہدایۃ البریۃ الی الشریعۃ الاحمدیۃ :- دس فرقوں کا حکیمانہ رد

۷- اذاقۃ الاثام لمانعی عمل المولد والقیام :- میلاد شریف اور قیام کے منکرین کا ردّ۔ یہ کتاب امام احمد رضا بریلوی کی شرح "رشاقۃ الکلام فی شرح اذاقۃ الاثام" کے ساتھ مطبع اہل سنّت بریلی سے چھپ چکی ہے۔

۸- فضل العلم والعلماء :- موضوع نام ہی سے ظاہر ہے۔ یہ رسالہ متعدد بار چھپ چکا ہے۔

۹- ازالۃ الاوہام :- ردِّ نجدیہ

۱۰- تزکیۃ الایقان :- تقویۃ الایمان کا ردّ۔

۱۱- الکواکب الزہراء فی فضائل العلم وآداب العلماء : علم کے فضائل اور آدابِ علماء کے موضوع پر اس رسالہ کی احادیث کی تخریج امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ نے فرمائی، جس کا نام النجوم الثواقب فی تخریج احادیث الکواکب ہے۔

۱۲- الروایۃ الراویۃ فی الاخلاق النبویہ : نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاقِ کریمہ۔

۱۳- النقادۃ النقویۃ فی الخصائص النبویۃ : خصائصِ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

۱۴- لمعۃ النبراس فی آداب الاکل واللباس : کھانے پینے اور لباس کے آداب۔

۱۵- التمکن فی تحقیق مسائل التزیّن : زیب وزینت کے مسائل۔

۱۶- احسن الوعاء فی آداب الدعاء : آدابِ دعا، یہ رسالہ امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی شرح ذیل المدعا لاحسن الوعاء کے ساتھ کئی مرتبہ چھپ چکا ہے۔

۱۷- خیر المخاطبۃ فی المحاسبۃ والمراقبۃ : محاسبۂ نفس اور مراقبہ کے مسائل۔

۱۸- ہدایۃ المشتاق الیٰ سیر الانفس والآفاق : سیرِ نفس اور سیر کائنات کی تفصیلات اور مسائل۔

۱۹- ارشاد الاحباب الیٰ آداب الاحتساب : طلبِ ثواب اور اس کے آداب

۲۰- اجمل الفکر فی مباحث الذکر : ذکر کے مسائل

۲۱- عین المشاہدۃ لحسن المجاہدۃ : مجاہدۂ نفس کے مباحث

۲۲- تشوق الاوّاہ الیٰ طریق محبۃ اللہ : محبتِ الٰہی کا طریقہ اور اس راہ کے تقاضے

۲۳- نہایۃ السعادۃ فی تحقیق الہمۃ والارادہ : ہمت اور ارادہ کے معنی کی تحقیق۔

۲۴- اقوی الذریعۃ الیٰ تحقیق الطریقۃ والشریعۃ : شریعت وطریقت کا باہمی تعلق۔

۲۵- ترویح الارواح فی تفسیر سورہ الانشراح۔ [۱]

حج وزیارت

خواب میں حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے طلب فرمایا : باوجود بیماری اور

---

[۱] ظفر الدین بہاری، مولانا : حیاتِ اعلیٰ حضرت ج ۱، ص ۸-۷

کمزوری کے چند احباب کے ہمراہ رختِ سفر باندھا اور سُوئے حرم روانہ ہوگئے - کچھ عقیدت مندوں نے علالت کے پیشِ نظر مشورہ دیا کہ یہ سفر آئندہ سال پر ملتوی کر دیجیے - فرمایا:

"مدینہ طیبہ کے قصد سے قدم، دروازہ سے باہر رکھوں، پھر چاہے رُوح اُسی وقت پرواز کر جائے۔"

محبوبِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے فدائی کے جذبۂ محبت کی لاج رکھ لی، اور خواب ہی میں ایک پیالے میں دوا عنایت فرمائی جس کے پینے سے اس قدر افاقہ ہو گیا کہ مناسکِ حج کی ادائیگی میں رکاوٹ نہ رہی - [1]

سفرِ آخرت

حدیث شریف میں ہے: جو شخص پیٹ کے مرض میں مبتلا ہو کر فوت ہوا، وہ شہید ہے - اس حدیث کے مطابق حضرت مولانا نقی علی خاں نے شہادتِ معنوی کا مقام پایا، کیونکہ خونی اسہال کے عارضے میں، بروز جمعرات، بوقتِ ظہر، ماہ ذیقعد کے آخر، ۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء میں آپ کا وصال ہوا اور والد ماجد کے پہلو میں محوِ استراحت ابدی ہوگئے - رحمہما اللہ تعالیٰ -

وصال کے دن صبح کی نماز پڑھ لی تھی - ظہر کا وقت ابھی باقی تھا کہ پیغامِ اجل آگیا - حاضرین نے مشاہدہ کیا کہ آخری وقت بار بار سلام کہتے تھے - پھر اعضاءِ وضو پر اس طرح ہاتھ پھیرا، جیسے وضو کر رہے ہوں، یہاں تک کہ ناک میں پانی ڈالا، گویا اپنے طور پر وہ ظہر کی نماز بھی ادا کر گئے - امام احمد رضا بریلوی آخری لمحات کی چشم دید کیفیت بیان کرتے ہیں:

---

[1] ظفر الدین بہاری، مولانا، حیاتِ اعلیٰ حضرت ج ۱، ص ۶-۸

[2] ایضاً: ج ۱، ص ۹

"جس وقت رُوح پُر فتوح نے جُدائی فرمائی۔ فقیر سرہانے حاضر تھا واللہ العظیم! ایک نورِ ملیح علانیہ نظر آیا کہ سینہ سے اُٹھ کر برقِ تابندہ کی طرح چہرہ پر چمکا، اور جس طرح لمعانِ خورشید، آئینہ میں جنبش کرتا ہے۔ یہ حالت ہو کر غائب ہو گیا، اس کے ساتھ ہی رُوح بدن میں نہ تھی۔

پچھلا کلمہ کہ زبانِ فیض ترجمان سے نکلا لفظ اللہ تھا وبس! اور آخر تحریر کہ دستِ مبارک سے ہوئی: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم تھی کہ انتقال سے دو روز پہلے ایک کاغذ پر لکھی تھی۔"[1]

وصال کے بعد امام احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ نے خواب میں دیکھا کہ حضرت پیرومرشد سیّد آلِ رسول مارہروی، حضرت مولانا نقی علی خاں (قدس سرہما) کے مزار پر تشریف لائے۔ عرض کیا: "حضور! یہاں کہاں؟

فرمایا: "آج سے یہیں رہا کریں گے۔"[2]

امام احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ نے درج ذیل تاریخی مادے استخراج فرمائے:

کان نهایة جمع العظماء	خاتم اجلة الفقهاء
۱۲۹۷ھ	۱۲۹۷ھ
امین اللہ فی الارض ابدا	ان فقد فتلك كلمة بها يهتدى
۱۲۹۷ھ	۱۲۹۷ھ
اِنَّ مَوْتَةَ الْعَالِم مَوتة العالَم	وفاة عالم الاسلام ثلمة فی جمع الانام
۱۲۹۷ھ	۱۲۹۷ھ
خلل فی باب العباد لا ینسد الی یوم القیام	کمل لہٗ ثوابك یوم النشور[3]
۱۲۹۷ھ	۱۲۹۷ھ
خلل فی باب العباد لا ینسد الی یوم القیام	یا غفور کمل له ثوابك یوم النشور[4]
۱۲۹۷ھ	۱۲۹۷ھ

[1] ظفر الدین بہاری، مولانا، حیاتِ اعلیٰ حضرت ج ۱، ص ۹

[2] ایضاً، 〃 ج ۱، ص ۹

[3] ایضاً، 〃 ج ۱، ص ۱۰

[4] 〃 ج ۱، ص ۱۰

سرور القلوب فی ذکر المحبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

یہ کتاب نو ابواب پر مشتمل ہے:

۱- حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت اور دیگر احوال۔

۲- آیہ کریمہ: وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ کی تفسیر۔

۳- آیۂ کریمہ: وَمَا أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ کی تفسیر۔

۴- حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حسنِ ظاہری۔

۵- حسنِ معنوی و باطنی۔

۶- خصائصِ شریفہ، دس اوصافِ خاصہ۔

۷- معراج شریف۔

۸- معجزات۔

۹- درود شریف کی اہمیت، اس کے فوائد، نامِ پاک سُن کر درود شریف نہ پڑھنے والوں کی مذمت، درود پاک کی برکتیں۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کے موضوع پر لکھنے کے لئے صرف ظاہری علم و فضل اور قرآن وحدیث اور کتب سیرت کا مطالعہ ہی کافی نہیں، بلکہ آپکی ذاتِ اقدس سے گہری عقیدت و محبت بھی ضروری ہے۔ پیشِ نظر کتاب کے مطالعہ سے نہ صرف یہ معلوم ہو جائے گا کہ حضرت مصنف اس دولت سے مالامال ہیں، بلکہ انشاء اللہ تعالیٰ اس کا مطالعہ کرنے والے بھی اس بیش قیمت نعمت سے بقدرِ استطاعت فیض یاب ہوں گے۔

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ نے سُرور القلوب کی تالیف کا قطعۂ تاریخ لکھا؛

میرے والد نے جب کیا تصنیف — یہ رسالہ بوصفِ شاہِ ہُدیٰ

جس کا ہر صفحہ تختۂ فردوس — ہر ورق سدرہ وطوبیٰ

گیسوئے حور ہے سوادِ حروف — مردمِ چشمِ حور، ہر نقطہ

یا قلم اس کا ابرِ نیساں ہے، ہر ورق اس کا علم کا دریا
ہر سطر رشکِ موجِ صافی ہے دائروں کو صدف لکھوں تو بجا
نقطے جن کے ہیں گوہرِ شہوار قیمت اُن کی ہے جنّت الماویٰ
سالِ تالیف میں رضا نے کہا، وصفِ خُلقِ رسُولِ اُمّی کیا
۱۲ ھ ۸ ۱۲۸

قطعہ تاریخ طبع سُرورالقلوب شریف:

شد چو مطبوع ایں کتاب عجیب بُود در فکرِ سال، طبعِ رضا
ناگہاں داد ہاتفش، آواز ذکرِ ہادی چہ مرہمِ جانہا[۱]
۱۲ ھ ۸۸

اس سے پہلے یہ کتاب دو مرتبہ چھپ چکی ہے - دوسری بار ۱۹۱۸ء میں مطبع نولکشور لکھنؤ میں چھپی تھی، اب تیسری اشاعت کا سہرا شبیر برادرز، اردو بازار لاہور کے سر ہے۔ یہ اس ادارہ کی ابتدائی اشاعت ہے، مولا کریم اس ادارہ کو زیادہ سے زیادہ دینی خدمات کی توفیق ارزانی فرمائے۔۔۔۔ یہ کتاب عرصہ سے نایاب تھی - حضرت مولانا محمد شریف رحمہ اللہ تعالیٰ مہتمم جامعہ نقشبندیہ، ڈسکہ نے اپنے کتب خانہ سے اس کا ایک نسخہ عنایت فرمایا۔ جناب فدا حسین فدا، مدیر مہر و ماہ، لاہور نے بڑی محنت سے اس کی پیرا بندی کی - قدیم رسم الخط کو جدید کے قالب میں ڈھالا - مولانا الحاج محمد منشاء تابش قصوری نے اس کی پروف ریڈنگ کی - اللہ تعالیٰ ان تمام حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے اور ہم سب کو ایمان کی سلامتی کے ساتھ اعمالِ صالحہ کی توفیق بخشے، خاتمہ بالخیر فرمائے اور قیامت کے دن اپنے حبیب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی شفاعت نصیب فرمائے ؎

خوار ہیں، بد کار ہیں، ڈوبے ہوئے ذلت میں ہیں
کچھ بھی ہیں، لیکن تیرے محبوب کی اُمت میں ہیں

مُقدّمہ سُرورالقلوب، طبع شبیر برادرز اردو بازار لاہور

---

[۱] محمد محبوب علی خاں قادری، مولانا: حدائق بخشش، حصہ سوم (طبع پٹیالہ) ص ۹۵

فقیہِ اعظم مولانا محمد نور اللہ النعیمی بصیر پوری رحمہ اللہ تعالیٰ

فقیہِ اعظم حضرت علامہ مولانا ابوالخیر محمد نور اللہ نعیمی بصیر پوری قدس سرہ العزیز اپنے دَور کی نادرِ روزگار شخصیت تھے۔ علم و فضل، تقویٰ و طہارت، تنظیم و سیاست اور ہمت و استقامت میں یکتائے روزگار تھے۔ جلالتِ علمی اور عظیم دینی خدمات کے باوجود تواضع اور خوش اخلاقی کا پیکر تھے۔ اپنے استاذِ محترم مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت علامہ ابوالبرکات سیّد احمد قادری قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوتے، تو ادب و احترام اور انکسار کا مجسّمہ دکھائی دیتے۔ دیکھنے والا آپ کی عظمت کا اعتراف کئے بغیر نہ رہتا۔

حیرت انگیز بات یہ ہے کہ علمی مراکز سے دُور، بصیر پور ایسے دیہاتی اور غیر علمی ماحول میں رہ کر علمِ دین اور حُبِّ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وہ شمع فروزاں کی جس کی ضیاء باری نے صرف پاکستان ہی کا گوشہ گوشہ منوّر نہیں کیا، بلکہ اس کی شعاعیں دوسرے ممالک تک پہنچیں۔ وقت کے جلیل القدر علماء علمی مسائل میں آپ کی طرف رجوع کرتے اور فیض یاب ہوتے۔ ہزاروں طلباء اور علماء نے آپ کی بارگاہ سے علومِ دینیہ کا فیض حاصل کیا۔ آپ کے دارالعلوم کا امتیازی وصف یہ تھا کہ یہاں طلباء کو صِرف نصابی کتب ہی نہیں پڑھائی جاتی تھیں، بلکہ انہیں اعمالِ صالحہ اور اخلاص و تقویٰ کا پیکر بھی بنایا جاتا تھا۔

حضرت فقیہِ اعظم یوں تو تفسیر و حدیث اور دیگر تمام مروّج علومِ دینیہ میں کامل دسترس رکھتے تھے، لیکن فقہ میں آپ کو تخصص کا درجہ حاصل تھا، اسی لئے آپ کے

ہم عصر اور اکابر علماء نے آپ کو فقیہِ اعظم تسلیم کیا۔ چھ ضخیم جلدوں پر مشتمل آپ کے فتاوٰی کے مطالعہ سے آپ کی وسعتِ نظر، عمیق مشاہدہ، قوتِ استدلال اور جدتِ فکر کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

خالص علمی و دینی ماحول اور دیہات کی سادہ وضع میں زندگی بسر کرنے کے باوجود ان کی فکر میں بڑی جدت تھی، انہوں نے عہدِ حاضر کے مسائلِ جدیدہ کا مجتہدانہ انداز میں حل پیش کیا۔ دینی مسائل میں جہاں اجتہاد کی ضرورت ہو، تحقیق اور ریسرچ جاری رہنی چاہیئے، ورنہ جمود اور تعطّل، فکری صلاحیتوں کو زنگ آلود کر کے رکھ دے گا، اور نئی نسل دین سے دُور ہوتی چلی جائے گی، نماز میں لاؤڈ سپیکر کا استعمال، ایلوپیتھی اور ہومیوپیتھی دواؤں کا حکم، جاں بلب مریضوں کے لئے عطیۂ خون، لڑکیوں کو لکھائی کی تعلیم دینا، ریل گاڑی اور ہوائی جہاز میں نماز، روزے کی حالت میں انجکشن، بلغاریہ اور ڈنمارک وغیرہ میں نماز، روزے اور دیگر تقریبات کے اوقات کا تعین، جہاں سال میں بعض راتیں صرف ڈیڑھ دو گھنٹے کی ہوتی ہیں — حج کے لئے تصویر کا جواز وغیرہ مسائل کا حضرت فقیہِ اعظم نے فقیہانہ بصیرت سے حل پیش کیا ہے۔ تمام تر فکری جدت کے باوجود کیا مجال ہے کہ کہیں تجدّد اور عُجب کا اظہار ہو، یا بزرگوں کی تخفیف کا کوئی پہلو نکلتا ہو — دورِ جدید کے محققین کے لئے یہ طرزِ عمل مشعلِ راہ ہونا چاہیئے۔

حضرت فقیہِ اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"کیا تازہ حوادثات و نوازل کے متعلق احکامِ شرعی موجود نہیں کہ ہم بالکل "صُمٌّ بُکْمٌ" بن جائیں اور علماء اغیار کے ان کافرانہ مزعومات کی تصدیق کریں کہ معاذ اللہ! اسلام فرسودہ مذہب ہے، اس میں روزمرہ ضروریاتِ زندگی کے جدید ترین ہزارہا تقاضوں کا کوئی حل نہیں وَلَا حَوْلَ

وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ ط

یہ حقیقت بھی اظہر من الشمس ہے کہ کسی ناجائز اور غلط چیز کو اپنے مفاد و منشا سے جائز و مباح کہنا ہرگز ہرگز جائز نہیں، مگر شرعاً اجازت ہو تو عدم جواز کی رٹ لگانا بھی جائز نہیں، غرضیکہ ضد اور نفس پرستی سے بچنا نہایت ضروری ہے ۔ کیا ہی اچھا ہو کہ ہمارے ذمہ دار علماء کرام محض اللہ کے لئے نفسانیت سے بلند و بالا سر جوڑ کر بیٹھیں، اور ایسے جزئیات کے فیصلے کریں، مگر بظاہر یہ توقع، تمنا کی حد و حد سے طے نہیں کر سکتی، یہی انتشار آزاد خیالی کا باعث بن رہا ہے فَاِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ہ [1]

فقیہ اعظم حضرت مولانا محمد نور اللہ نعیمی ابن مولانا محمد صدیق ابن مولانا احمد الدین ابن سلطان التارکین مولانا محمد ابراہیم ۱۶ رجب، ۱۰ جون ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۴ء کو پاکپتن شریف کے پاس واقع گاؤں سوجے کی میں پیدا ہوئے ۔ کئی پشتوں سے آپ کے خاندان میں اصحاب علم و فضل اور ارباب زہد و تقویٰ چلے آ رہے تھے ۔ آپ نے قرآن مجید اور فارسی نصاب کی تعلیم والد ماجد اور جدِ امجد سے حاصل کی ۔ اس کے علاوہ درسِ نظامی کی ابتدائی کتابیں بھی گھر میں پڑھیں ۔ سوجے کی سے چھ سات میل کے فاصلے پر مولانا غلام رسول رحمہ اللہ تعالیٰ رہتے تھے ۔ ان سے کافیہ کے چند اسباق پڑھے، بعدازاں جب بھی ملاقات ہوئی ان کا پورا پورا ادب و احترام ملحوظ رکھتے [2]

دیگر علوم و فنون کی تحصیل کے لئے ۱۳۴۵ھ/۱۹۲۷ء میں محدث بہاولنگری

---

[1] محمد نور اللہ نعیمی، فقیہِ اعظم مولانا: فتاوٰی نوریہ ج ۳، ص ۷۰۔۴۷

[2] محمد باقر ضیاء النوری، مولانا علامہ: انوارِ حیات دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور ص ۱۵-۱۱

حضرت مولانا فتح محمد رحمہ اللہ تعالیٰ (م ۱۳۸۹ھ / ۱۹۶۹ء) کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ گھمنڈ پور، پیپل خلصانہ، ریاست بہاولپور میں دیگر فنون کے علاوہ معقولات کی اکثر کتابیں ان سے پڑھیں، فرمایا کرتے تھے کہ حضرت مولانا فتح محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی تدریس میں جو لطف ہوتا تھا، وہ کہیں نہ دیکھا اور مجھے پڑھانے کا بہترین طریقہ بھی اُن ہی سے حاصل ہوا، درسِ نظامی کی تحصیل کے ساتھ ہی علمِ طِب کی تکمیل کی۔ دورۂ حدیث کے لئے امام المحدثین حضرت مولانا ابو محمد محمد دیدار علی شاہ الوری رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں مرکزی دارالعلوم حزب الاحناف، لاہور میں حاضر ہوئے۔ دورانِ اسباق اہم علمی اور معقول سوالات پیش کرتے جن کا جواب محدّث الوری بڑے اطمینان سے دیتے۔ ایک مرتبہ کچھ ساتھیوں نے کہا کہ آپ زیادہ سوالات نہ کیا کریں، اس طرح وقت ضائع ہوتا ہے اور سبق کم ہوتا ہے۔ حضرت محدّث الوری نے انہیں سختی سے تنبیہ کی اور فرمایا:

" اس سال دورۂ حدیث نہایت ہی احسن طریقہ پر ہو رہا ہے اور تم جو کچھ سمجھ رہے ہو، ان کی بدولت سمجھ رہے ہو۔"

حدیث کی تمام کتابیں امامِ اہل سنت حضرت محدّثِ الوری قدس سرہ سے پڑھیں۔ ترمذی شریف کے کچھ اسباق مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری رحمہ اللہ تعالیٰ سے پڑھے اور ۶ر شعبان، ۲۳ر نومبر ۱۳۵۲ھ / ۱۹۳۳ء کو سندِ فراغت اور دستارِ فضیلت سے مشرف ہوئے۔ [1]

اپنے والدِ گرامی اور مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری قدس سرہ کے مشورے کے مطابق سلسلۂ عالیہ قادریہ میں صدر الافاضل حضرت مولانا سیّد محمد نعیم الدین مراد آبادی قدس سرہ کے دستِ مبارک پر بیعت ہوئے۔ بیعت کے

---

[1] محمد باقر ضیاء النوری، مولانا: انوارِ حیات ص ۳۳ - ۲۹

بعد صدر الافاضل (قدس سرہ) نے فرمایا:

"مولانا: آپ کا وظیفہ درس و تدریس ہے۔"

چنانچہ حضرت فقیہِ اعظم تمام زندگی اس وظیفے پر عمل پیرا رہے۔ رمضان المبارک (۱۳۶۱ھ / ۱۹۴۲ء) کی تعطیلات میں مراد آباد حاضر ہوئے۔ حضرت صدر الافاضل نے سلوک کی منازل طے کرائیں۔ مختلف اشغال و اعمال اور اوراد و وظائف کی اجازت عطا فرمائی اور سلسلۂ قادریہ مکیہ کے علاوہ دیگر سلاسل میں بھی اجازت و خلافت مرحمت فرمائی اور سلاسلِ حدیث کی سندیں عطا فرمائیں۔ [1]

حضرت فقیہِ اعظم قدس سرہ نے فارغ التحصیل ہوتے ہی درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا اور عمر شریف کے آخری دنوں تک پورے پچاس سال کمالِ استقامت کے ساتھ جاری رکھا۔ ابتداءً کچھ عرصہ مدرسہ مفتاح العلوم میں اُستاذِ گرامی حضرت مولانا فتح محمد محدّث بہاولنگری کے پاس رہے، پھر ضلع ساہیوال کے مختلف مدارس میں پڑھاتے رہے۔ ۱۳۵۷ھ / ۱۹۳۸ء میں فرید پور، تحصیل دیپالپور میں دارالعلوم حنفیہ فریدیہ کی بنیاد رکھی، جہاں طالبانِ علومِ دینیہ کشاں کشاں حاضر ہونے لگے۔ طلباء کی بڑھتی ہوئی تعداد ایک عظیم اور وسیع ادارے کی متقاضی تھی، جس کے لئے اس جگہ کا جاگیردارانہ ماحول مانع تھا۔ چنانچہ ۱۳۶۴ھ / ۱۹۴۵ء میں بصیر پور تشریف لائے اور دارالعلوم کی بنیاد رکھی۔ وہ جگہ جو قزاقوں کی آماجگاہ تھی، آج وہاں علومِ دینیہ کی عظیم الشان یونیورسٹی بن چکی ہے۔ [2]

بلاشبہ حضرت فقیہِ اعظم قدس سرہ کی یہ بہت بڑی کرامت ہے کہ جنگل میں قیام کیا اور اسے دین اور علومِ دینیہ کا عظیم الشان گلشن بنا دیا، جہاں سے ہزاروں حفّاظ،

---

[1] محمد محب اللہ نوری، مولانا: فقیہِ اعظم، دیباچہ فتاوی نوریہ ج ۲، ص ۳۵

[2] ایضاً: ج ۳، ص ۴۳

علماء اور دینِ اسلام کے مبلغ اور مدرس تیار ہوتے ہیں ۔ اس وقت آپ کے فرزند ارجمند حضرت مولانا علامہ محمد محب اللہ نوری دام مجدہ، دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور کے مہتمم، شیخ الحدیث اور جانشینِ فقیہ اعظم ہیں اور اپنے عظیم المرتبہ والدِ گرامی کے مشن کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔

حضرت فقیہ اعظم قدس سرہٗ اتباعِ شریعت وسنّت کا حسین پیکر تھے، تہجد کے وقت نہ صرف خود بیدار ہوتے، بلکہ جامعہ کے تمام اساتذہ اور طلباء کو بھی بیدار کرتے اور سب حضرات خضوع وخشوع کے ساتھ نمازِ تہجد ادا کرتے ۔ اس سے فرائض وواجبات کی پابندی کا اندازہ بآسانی لگایا جا سکتا ہے ۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی والہانہ محبت وعقیدت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ جب بھی مدینہ منورہ کا ذکر ہوتا، تو آپ کی آنکھیں وفورِ شوق سے اشکبار ہو جاتیں ۔ مولانا حافظ محمد اسد اللہ نوری کے نام ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

"میرا تو بفضلہٖ تعالیٰ یہ عالم ہے کہ بصیر پور میں درسِ اسباق دیتے ہوئے مدینہ عالیہ میں ہی حاضر معلوم ہوتا ہوں ۔ گنبدِ خضرا پیشِ نظر رہے، تو کوئی دوری نہیں، تعلیم بھی نہایت ضروری ——— کہ صوفی بے علم شیطان کا مسخرہ ہوتا ہے، ورنہ دل یہی چاہتا ہے کہ ہر وقت ہی مدینہ عالیہ حاضری رہے۔" [1]

۱۹۶۰ء میں پہلی بار حج وزیارت سے مشرف ہوئے ۔ ۱۹۷۹ء میں زیارت مدینہ منورہ کے سفر کے موقع پر بغداد شریف، کربلا معلّٰی، نجف اشرف، بصرہ، کوفہ، دمشق اور حلب وغیرہ شہروں میں متعدد انبیاء کرام، صحابہ، اہل بیت، اور اولیاء کرام کے مزارات پر حاضری دی ۔ مجموعی طور پر بیس مرتبہ حرمین طیبین

---

[1] محمد محب اللہ نوری، مولانا علامہ: دیباچہ فتاویٰ نوریہ ج ۲، ص ۳۸

کی حاضری سے مشرف ہوئے۔ ؎۱

حضرت فقیہ اعظم کو درس و تدریس کے ساتھ عشق کی حد تک لگاؤ تھا۔ اس کے باوجود میدان سیاست کے ہر نازک موڑ پر پوری بے باکی کے ساتھ قوم کی راہنمائی کی۔ تحریکِ پاکستان میں مسلم لیگ کی بھرپور حمایت کی۔ چنانچہ ۱۹۴۶ء کے الیکشن میں آپ کے حلقے سے مسلم لیگ کا امیدوار کامیاب ہوا۔ مرشدِ گرامی حضرت صدر الافاضل کے مشن کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے دیگر علماء اہلِ سنّت و جماعت کے شانہ بشانہ کام کیا۔ جہادِ کشمیر میں غازی کشمیر حضرت علامہ ابوالحسنات قادری سے مکمّل تعاون کیا۔ ۱۹۴۸ء میں انوار العلوم، ملتان میں جمعیت العلماء پاکستان کی تشکیل ہوئی، جس میں فقیہ اعظم بھی شامل تھے، آپ جمعیت کے اساسی ارکان میں سے تھے۔ جمعیت کی مجلسِ عاملہ و شوریٰ کے رُکن بھی رہے۔ ۱۹۵۳ء کی تحریکِ ختمِ نبوت میں پُرزور حصّہ لیا، جس کے نتیجے میں آپ کو ایک سال قید بامشقت کی سزا سنائی گئی، لیکن تین ماہ بعد رہا کر دیئے گئے۔ ۱۹۷۴ء میں سانحۂ ربوہ کی بنا پر دوبارہ تحریک ختمِ نبوت شروع ہوئی، تو اس میں بھی قابلِ قدر کردار ادا کیا۔

۱۹۷۷ء میں عوام و خواص کے اصرار پر جمعیت العلماء پاکستان کی طرف سے قومی اتحاد کے ٹکٹ پر نظامِ مصطفےٰ کے نفاذ اور مقامِ مصطفےٰ کے تحفظ کی خاطر الیکشن میں حصّہ لیا اور کسی خطرے کو خاطر میں لائے بغیر نعرۂ حق بلند کیا۔ ۲۳ مارچ ۱۹۷۷ء کو آپ کو گرفتار کر کے سنٹرل جیل، ساہیوال پہنچا دیا گیا، جہاں آپ تحریک کے آخر تک رہے۔ جیل میں بھی آپ نے اپنا مشن جاری رکھا۔ نہ صرف یہ کہ درس قرآن دیتے رہے بلکہ بخاری شریف کا درس بھی جاری رکھا۔ ؎۲

؎۱ محمد محبّ اللہ نوری، مولانا علامہ: دیباچہ فتاویٰ نوریہ، ج ۲، ص ۴

؎۲ محمد منشا تابش قصوری، مولانا: ابتدائیہ فتاویٰ نوریہ ج ۱، ص ۳۶-۳۵

حضرت فقیہِ اعظم کی متعدد تصانیف میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں :
(۱) فتاویٰ نوریہ، چھ جلدوں پر مشتمل ہے، اس کا مختصر تعارف ابتدائی سطور میں پیش کیا جا چکا ہے (۲) مکبّر الصوت، لاؤڈ سپیکر میں جماعت کرانا جائز ہے۔
(۳) حدیث الحبیب (۴) فیئ الزوال (عربی) (۵) نعمائے بخشش (نعتیہ دیوان)
(۶) نور القوانین، قواعد صرف (پنجابی نظم میں) (۷) حُرمت زاغ (۸) روزہ اور ٹیکہ وغیرہ
اس کے علاوہ بخاری اور مسلم شریف پر حواشی (نوٹس) لکھے۔[۱]

حضرت فقیہِ اعظم کو اللہ تعالیٰ نے شعر و سخن کا پاکیزہ ذوق عطا فرمایا تھا۔ زمانۂ طالب علمی میں پنجابی، اُردو، فارسی اور عربی میں مشقِ سخن بھی کرتے رہے۔ بعد ازاں ہمہ تن تدریس میں مصروف ہو گئے۔ فارسی نعت کا مطلع ہے ؎

کے خدایا رُوئے زیبائے وُرا بینیم باز
از ہم دو قوس ابرویش تا بنیم باز

عربی نعت کا ایک شعر ملاحظہ ہو ؎

فِدَاکَ اِخْوَتِیْ، اُمِّیْ، اَبِیْ اَبْنَائِیْ، اَحْبَابِیْ
وِدَادِیْ، وُدِّیْ، مَرْغُوْبِیْ، اَغِثْنِیْ یَارَسُوْلَ اللہ

حضرت فقیہِ اعظم کو اللہ تعالیٰ نے پانچ صاحبزادے اور سات صاحبزادیاں عطا فرمائیں۔ صاحبزادگان کے نام یہ ہیں : (۱) مولانا ابو العطاء محمد ظہور اللہ نوری، (۲) مولانا ابو الفضل محمد نصر اللہ نوری (متوفی ۱۳ رمضان المبارک، ۱۹ اگست ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء) (۳) محمد عبد اللہ (۴) محمد اسد اللہ، یہ دونوں صاحبزادے کم سنی کے عالم میں وفات پا گئے (۵) مولانا علامہ محمد محب اللہ نوری زید مجدہٗ، مہتمم دار العلوم حنفیہ فریدیہ، بصیر پور[۲]

---

[۱] محمد منشا تابش قصوری، مولانا : ابتدائیہ فتاویٰ نوریہ، ج ۱، ص ۳۶
[۲] ایضاً : اغثنی یا رسول اللہ، ص ۱۶

یکم رجب المرجب، ۱۵/ اپریل ۱۴۰۳ھ / ۱۹۸۳ء جمعۃ المبارک کے دن، ایک بجے میوہسپتال، لاہور، زہد و تقویٰ اور علم و فضل کے پیکر فقیہ اعظم حضرت مولانا محمد نور اللہ نعیمی، قادری رحمہ اللہ تعالیٰ کا وصال ہوا۔ نمازِ جنازہ میں ڈیڑھ دو لاکھ افراد شریک ہوئے، جن میں علماء، مشائخ اور حفاظ ہزاروں کی تعداد میں تھے نمازِ جنازہ غزالیٔ زماں، رازیٔ دوراں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمہ اللہ تعالیٰ نے پڑھائی۔ نمازِ جنازہ سے پہلے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"امام الفقہاء سیدی فقیہ اعظم کے وصال سے پورا ملک یتیم ہوگیا ہے، ہم سب یتیم ہوگئے ——— علم و تقویٰ دفن ہو رہے ہیں"[1]

دار العلوم حنفیہ فریدیہ، بصیر پور کے وسیع صحن میں آپ کی آخری آرام گاہ بنائی گئی، جس پر عظیم الشان گنبد تعمیر ہو چکا ہے۔

جناب سید رضی شیرازی مدظلہ نے تاریخی قطعہ لکھا ؎

رفتہ است از گلشنِ عالم چو بو — آں فقیہِ بے عدیل و بے مثیل
نیست در دنیا فقیہے ہمچو او — تیرہ و تار است دنیائے علوم
اے رضی سالِ وصالِ آں فقیہ
ہاں "فقیہِ اعظمِ ما رفت" گو[2]

○

---

[1] محمد محب اللہ نوری، علامہ، مولانا: ابتدائیہ فتاوی نوریہ ج ۳، ص ۹۳

[2] ایضاً: ص ۹۴

علامہ محمد نور بخش توکلی رحمہ اللہ تعالیٰ

سرورِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دینِ متین کی خدمت و اشاعت میں سب سے زیادہ حصہ متبع سنت مشائخ اور باعمل علماء کا ہے، وہ مالی منفعت اور ذاتی عزت سے بے نیاز ہو کر مولائے کریم جل مجدہ العظیم کی رضا کے لئے اپنی زندگی وقف کر دیتے ہیں، وہ زندگی کے کسی بھی شعبہ سے متعلق رہیں۔ اپنے مقصد سے غافل نہیں رہتے۔ اِس اعتبار سے وہ ملتِ اسلامیہ کے لئے قابلِ صد احترام اور لائق اقتدا ہوتے ہیں

ایسے ہی علماء و مشائخ میں سے حضرت علامہ پروفیسر محمد نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ ہوتے ہیں جنہوں نے اپنی تمام عمر دینِ متین کی تبلیغ، علوم اسلامیہ کی تدریس اور دینی موضوعات پر تصنیف و تالیف کے لئے وقف کر رکھی تھی۔ علامہ توکلی ۱۸۷۷ء میں چک قاضیاں ضلع لدھیانہ (مشرقی پنجاب) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مقامی مدارس میں حاصل کرنے کے بعد مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ میں داخل ہوتے اور ایم اے عربی میں امتیازی حیثیت سے کامیاب ہوتے۔ ۱۸۹۳ء میں ہندو محمڈن سکول، چھاؤنی انبالہ میں ہیڈ ماسٹر مقرر ہوئے۔[1] انہی دنوں سلسلۂ عالیہ، نقشبندیہ میں حضرت سائیں توکل شاہ انبالوی قدس سرہ (م ۱۳۱۵ھ/ ۱۸۹۷ء) کے دستِ اقدس پر بیعت ہوتے، اور خلافت و اجازت سے سرفراز ہوئے[2] اسی سبب سے اپنے نام کے ساتھ توکلی لکھا کرتے تھے۔ حضرت سائیں توکل شاہ انبالوی کے وصال کے بعد مولانا مشتاق احمد انبیٹھوی ثم لدھیانوی سے سلسلۂ عالیہ صابریہ میں فیضیاب ہوتے۔

---

[1] اقبال احمد فاروقی، علامہ: تذکرہ علماء اہل سنت و جماعت لاہور (مکتبہ نبویہ لاہور ۱۹۷۵ء) ص ۲۹۴

[2] محمد عبدالحکیم شرف قادری: تذکرہ اکابرِ اہل سنت (مکتبہ قادریہ، لاہور ۱۹۷۶ء) ص ۵۵۹

۱۸۹۶ء میں میونسپل بورڈ کالج امرتسر میں پروفیسر مقرر ہوئے، اس کے باوجود علم دین سے اس قدر شغف تھا کہ مولانا غلام رسول قاسمی کشمیری، امرتسری (م ۱۹۰۷ء) المعروف رُسل بابا کے حلقۂ درس میں شامل ہوتے اور دینی طلباء کے ساتھ چٹائی پر بیٹھ کر فقہ، تفسیر اور حدیث کا درس حاصل کرتے تھے[1] ان کی تصانیف کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ان کا مطالعہ بہت وسیع اور علوم دینیہ پر نظر بہت گہری تھی۔

محمد اسمٰعیل پانی پتی نے لکھا ہے:

"گورنمنٹ کالج لاہور میں عربی کے پروفیسر اور انجمن نعمانیہ کے "ناظم التعلیم" تھے۔ علی گڑھ سے ایم اے پاس کیا تھا اور بڑی ٹھوس قابلیت کے مالک تھے۔"[2]

بعدازاں لاہور تشریف لائے اور ایک عرصہ تک دارالعلوم نعمانیہ کے ناظم تعلیم اور انجمن نعمانیہ کے ماہوار رسالہ کے ایڈیٹر رہے۔ ان ہی ایام میں گورنمنٹ کالج لاہور کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ اس عرصہ میں آپ نے تحریر و تقریر کے ذریعے مسلک اہلِ سُنّت کی گراں قدر خدمات انجام دیں اور آپ کے فیوض و برکات بڑی فراوانی سے پھیلے۔

حضرت علامہ توکلی کی جملہ تصانیف سے نہ صرف یہ کہ حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی والہانہ محبّت کا پتا چلتا ہے، بلکہ پڑھنے والے کا ایمان بھی تازہ ہو جاتا ہے

۱۲ ربیع الاوّل شریف کو عام طور پر بارہ وفات کہا جاتا تھا۔ یہ حضرت علامہ توکلی کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ گورنمنٹ کے گزٹ میں عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام منظور کروایا اور اس دن کی عام تعطیل منظور کروائی[3] بحمدہ تعالیٰ آج یہی نام بچے بچے

---

[1] اقبال احمد فاروقی، علامہ: تذکرہ علماء اہل سُنّت و جماعت، لاہور، ص ۲۹۷

[2] نقوش، لاہور نمبر، ص ۹۵۱

[3] اقبال احمد فاروقی، علامہ: تذکرہ علماء اہل سنّت و جماعت، لاہور، ص ۲۹۸

کی زبان پر ہے اور پاک و ہند میں یہ دن شایانِ شان طریقے سے منایا جاتا ہے۔
ریٹائر ہونے کے بعد آپ نے چک قاضیاں میں مدرسہ اسلامیہ توکلیہ قائم کیا، جس سے کثیر طلباء مستفید ہوتے۔ [1]

حضرت علامہ توکلی تصنیف و تالیف کی ضرورت و اہمیت اور افادیت سے پوری طرح باخبر تھے، اسی لئے انہوں نے اس طرف خصوصی توجہ فرمائی اور اس میدان میں خاصا کام کیا۔ قدرت نے انہیں وسیع معلومات، قوتِ استدلال اور عام فہم اندازِ تحریر کا ملکہ عطا فرمایا تھا۔ اس دعوے پر ان کی تمام تصانیف شاہد ہیں۔ انجمن نعمانیہ کے ماہوار رسالہ میں اکثر و بیشتر آپ کے پُر مغز مضامین اور فتاویٰ شائع ہوتے تھے۔ اس رسالہ کی فائلیں شاید ہی کسی جگہ محفوظ ہوں، ورنہ ان سے اچھا خاصا ذخیرہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔

آپ کی تصانیف درج ذیل ہیں۔ ان میں سے اکثر انجمن نعمانیہ کی طرف سے شائع ہوئیں۔ بعد میں بعض کتابیں دیگر اداروں نے بھی شائع کیں۔

۱۔ سیرتِ رسولِ عربی : سیرتِ پاک کے موضوع پر مقبول ترین کتاب، اس کا مختصر تعارف آئندہ صفحات میں پیش کیا جائے گا۔

۲۔ تحفہ شیعہ : دو ضخیم جلدوں میں شیعہ مذہب کی معلومات کا انسائیکلوپیڈیا اور شیعہ کے اعتراضات کا مدلل جواب۔ تحفہ اثنا عشریہ کے بعد شاید ہی اس سے بہتر کوئی اور کتاب ہو۔ ضرورت ہے کہ اس کی دوبارہ اشاعت کی جائے۔

۳۔ الاقوال الصحیحہ فی جواب الجرح علیٰ ابی حنیفہ : امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر شیعہ اور غیر مقلدین کے اعتراضات کا مسکت جواب، کوئی ادارہ اس کی دوبارہ اشاعت کا اہتمام کرے، تو یہ علمی اور مذہبی خدمت ہوگی۔

---

[1] غلام مہر علی، مولانا، علامہ، الیواقیت المہریہ (مکتبہ مہریہ چشتیہ ۱۹۶۸ء) ص ۱۴۶

۴۔ کتاب البرزخ، ایصالِ ثواب، سماعِ موتیٰ، بزرگانِ دین سے استمداد اور ایسے ہی دیگر مسائل پر منفرد کتاب۔

۵۔ سیرتِ سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ، یہ کتاب نوری بک ڈپو لاہور نے چھاپ دی ہے۔

۶۔ تذکرہ مشائخِ نقشبندیہ: نوری بک ڈپو، لاہور نے بڑے اہتمام کے ساتھ نیا ایڈیشن شائع کیا ہے۔

۷۔ شرح قصیدہ بُردہ (اُردو) نوری بک ڈپو لاہور نے اس کا نیا ایڈیشن شائع کر دیا ہے۔

۸۔ شرح قصیدہ بُردہ (عربی) انجمن نعمانیہ، لاہور نے شائع کی تھی۔

۹۔ رسالۂ نور: ۱۹۲۰ء میں مولانا کرم الدّین دبیر (مصنّف آفتابِ ہدایت) اور ضلع فیصل آباد کے مولوی محمد فاضل (غیر مقلد) کے درمیان مسئلہ نور پر مباحثہ ہوا اور آخر میں یہ فیصلہ ہوا کہ انجمن نعمانیہ، لاہور کے علماء کی طرف رجوع کیا جائے۔ چنانچہ حضرت مولانا محمد نور بخش توکلی اور مولوی غلام مرشد (جو اس وقت صحیح العقیدہ سُنّی تھے) نے مولانا کرم الدّین دبیر کے حق میں فیصلہ دیا۔ رسالۂ نور، اسی فیصلہ پر مشتمل ہے۔ [1]

۱۰۔ عقائد نامۂ مسلمانانِ اہل سُنّت: یہ عقائد نامہ حضرت علامہ توکلی کا مرتبہ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کا مصدّقہ ہے۔ انجمن نعمانیہ لاہور کی رکنیت کے لئے رضا مندی سے اس پر دستخط کرنا شرط تھا، اس وقت دوسرا ایڈیشن (محرّم ۱۳۵۲ھ) پیشِ نظر ہے۔

۱۱۔ عیدِ میلاد النبیّ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم۔

۱۲۔ معجزات النبیّ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم

---

[1] محمد عبدالحکیم شرف قادری: تذکرہ اکابرِ اہل سُنّت، ص ۱۲۴

۱۳- حلیۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم:

۱۴- غزوات النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: اس میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے غزوات کی تفصیل اور سیرت النبی میں غزوۂ بدر کے بارے میں شبلی کے موقف پر تنقید کی ہے۔ راقم کو صرف پہلا حصّہ دیکھنے کو ملا ہے۔

۱۵- مولود برزنجی کی اردو شرح

۱۶- اعجاز القرآن

۱۷- مقدمہ تفسیر القرآن

۱۸- تفسیر سورۂ فاتحہ وسورۂ بقرہ

۱۹- امام بخاری شافعی: غیر مقلدین کے اس پروپیگنڈے کا ردّ کہ امام المحدثین حضرت امام بخاری قدس سرہ العزیز کسی امام کے مقلد نہیں تھے۔ اس رسالہ میں باحوالہ ثابت کیا ہے کہ حضرت امام بخاری، حضرت امام شافعی کے مقلد تھے (قدس سرہما) یہ رسالہ دوسری دفعہ مکتبہ قادریہ، لاہور کی طرف سے چھپ چکا ہے۔

۲۰- ترجمہ تحقیق المرام فی منع القرآۃ خلف الامام: مولانا غلام رسول قاسمی امرتسری نے تحقیق المرام میں مقتدی کے لئے قرأت کے ممنوع ہونے پر زبردست دلائل دیئے تھے۔ اصل کتاب عربی میں تھی۔ حضرت علامہ توکلی نے اس کا اردو ترجمہ کیا، جو راقم الحروف کے پاس موجود ہے۔

۲۱- حاشیۃ التحفۃ الابراہیمیہ فی اعفاء اللحیہ: مولانا مشتاق احمد انبیٹھوی نے داڑھی رکھنے کی فضیلت اور منڈوانے کی قباحت پر رسالہ تحفۃ الابراہیمیہ لکھا۔ حضرت علامہ توکلی نے اس پر حواشی لکھے اور ۱۳۳۶ھ میں اسے شائع کیا۔ راقم کے پاس موجود ہے۔

حضرت علامہ محمد نور بخش توکلی اپنے مکان کی سیڑھی سے گرنے کی وجہ سے کچھ عرصہ بیمار رہے اور ۱۳ رجمادی الاولیٰ، ۲۴ مارچ (۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء) کو خالق

و مالک کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے۔ [1]

فیصل آباد کے جنرل بس اسٹینڈ کے قریب حضرت نور شاہ ولی قدس سرہ کے مزارِ اقدس کے پاس دفن ہوئے۔ مزار مبارک پر گنبد تعمیر ہو چکا ہے۔

سیرتِ رسول عربی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) محبوبِ خدا، سیّدِ سردوسرا، شفیع المذنبین، انیس الغریبین

رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ اور سیرتِ مبارکہ رشد و ہدایت کا وہ روشن مینار ہے، جو زندگی کے ہر شعبہ میں راہنمائی کرتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام اوصاف کاملہ کا جامع بنا کر بھیجا اور صحابہ کرام نے پورے اہتمام سے حیاتِ اقدس کے ایک ایک پہلو کو محفوظ کیا، پھر ہر زمانہ میں اہل محبت نے اپنی اپنی معلومات کے مطابق کائنات کی سب سے اعلیٰ و افضل ہستی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایمان افروز حیات اور سیرت بیان کی سعادت حاصل کی۔ اس وقت دنیا کی کونسی زبان ہوگی، جس میں حیاتِ قدسیہ کے بارے میں معلومات دستیاب نہ ہوں، مسلمانوں نے عقیدت و محبت کے حسین گلدستے پیش کئے۔ غیر مسلموں نے کہیں خراجِ عقیدت پیش کیا اور کہیں خبث باطن کا مظاہرہ کرتے ہوئے نکتہ چینی کی۔ علماء اسلام نے مخالفین کے ایک ایک اعتراض کا معقول اور مدلل جواب دیا اور کوئی پہلو تشنہ نہیں رہنے دیا۔ جزاہم اللہ تعالیٰ

محدثین نے حدیث کی کتابوں میں اور مفسرین نے تفاسیر میں جابجا سیرتِ پاک کی تجلیات دکھائی ہیں۔ بے شمار علماء نے اس موضوع پر مستقل کتابیں لکھ کر نجاتِ آخرت کا سامان تیار کیا ہے۔ شیخ محقق حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ نے فارسی میں مدارج النبوۃ دو جلد تحریر فرمائی، جس کا اردو ترجمہ بھی چھپ چکا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کے بعد آج تک ایسی مستند، مفصل اور ہر لحاظ سے مسلکِ اہل سنت کے مطابق کوئی

[1] محمد عبدالحکیم شرف قادری: تذکرہ اکابر اہل سنت ص ۵۶۰

کتاب نہیں لکھی جا سکی۔ شبلی نعمانی کی تالیف سیرۃ النبی (جسے بعد میں سلیمان ندوی نے مکمل کیا) قاضی سلیمان منصور پوری کی تالیف رحمۃ للعالمین بلاشبہ اچھی کوشش اور بڑی محنت کا نتیجہ ہے لیکن ان میں کہیں نہ کہیں دوسرے نظریات کی واضح جھلک نظر آتی ہے کئی جگہ خلافِ تحقیق امور بیان کر دیئے ہیں۔ مناظر احسن گیلانی کی تالیف النبی الخاتم، میں افسانوی انداز اور گنجلک طرزِ تحریر کا غلبہ ہے، اس میں جگہ جگہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے واحد غائب کا صیغہ استعمال کیا ہے، مثلاً اُس نے یہ کہا اُس نے یہ کیا، جو ذوقِ لطیف پر انتہائی گراں گزرتا ہے۔

ضرورت تھی کہ ایسی کتاب لکھی جاتی، جو مستند معلومات پر مشتمل ہو، مسلکِ اہل سنت کی صحیح ترجمانی کرے اور اندازِ بیان سادہ اور عام فہم ہو۔ حضرت مولانا محمد نور بخش توکلی قدس سرہٗ نے سیرتِ رسولِ عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لکھ کر اس ضرورت کو پورا کر دیا۔ علامہ توکلی قدس سرہ حرفِ آغاز میں فرماتے ہیں :

> اس پُر آشوب زمانہ میں مُلکِ ہند میں کئی فتنے برپا ہیں جو سب کے سب صراطِ مستقیم یعنی مسلکِ اہل سنت و جماعت سے منحرف ہیں، اُردو میں سیرت پر جو چند کتابیں شائع ہوئی ہیں، ان میں شاید ہی کوئی ایسی ہو جو اہل السنۃ والجماعۃ کے معیار پر پوری اُترے۔ فقیر نے بتوفیقِ الٰہی اس کتاب میں مسلکِ اہل سنت کی پابندی کا پورا التزام رکھا ہے اور مستند اور معتبر روایات مع حوالہ درج کی ہیں۔[1]

یہی سبب ہے کہ سیرتِ رسُولِ عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عوام میں بے پناہ مقبول ہوئی اور بارگاہِ الٰہی اور دربارِ مصطفائی میں حضرت مصنف کے لئے ذریعۂ اعزاز و اکرام بنی۔ چوہدری محمد سلیمان ایڈووکیٹ دیباچہ طبع سوم میں لکھتے ہیں:

---

[1] محمد نور بخش توکلی، پروفیسر، علامہ: سیرتِ رسُولِ عربی (مطبوعہ تاج کمپنی) ص ۳

"محترمی مفتی عبد الحمید صاحب نقشبندی، مجدّدی، لدھیانوی نے جو ایک عابد، صالح بزرگ ہستی ہیں۔ سال ۱۹۴۸ء میں ملتان شریف رہائش رکھتے تھے، بندہ کو ایک چھٹی بدیں مضمون تحریر فرمائی، جبکہ حضرت صاحب توکّلی کے انتقال کو تقریبًا ایک ماہ گزر چکا تھا۔ ایک رات خواب میں، میں نے دیکھا کہ حضرت مولانا ایک خوبصورت معطّر باغ میں ایک سنہری تخت پر جلوہ افروز ہیں۔ میں نے دریافت کیا مولانا صاحب یہ سرفرازی کیسے نصیب ہوئی؟ فرمانے لگے: مفتی صاحب! یہ انعام "سیرتِ رسولِ عربی" کی وجہ سے نصیب ہوا ہے۔" [1]

سیرتِ رسولِ عربی (صلّی اللہ علیہ وسلّم) ایک مقدّمہ، دس ۱۰ ابواب اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔ مقدّمہ دو ۲ حصّوں پر مشتمل ہے۔

پہلے حصّہ میں ملکِ عرب کا جغرافیہ بیان کیا ہے، جو سکول اور کالج کے طلبہ کے لئے خاصا بصیرت افروز ہے۔

دوسرے حصّے میں عرب کی قدیم تاریخ کا اجمالی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

پہلا باب: برکاتِ نورِ محمّدی۔

دوسرا باب: حضور سیّد عالم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کا نسب شریف اور ولادت سے بعثت تک کے حالات۔

تیسرا باب: بعثتِ شریفہ سے ہجرت تک۔

چوتھا باب: ہجرت سے وصال تک

پانچواں باب: وصالِ مبارک اور حلیۂ مبارکہ

چھٹا باب: اخلاقِ کریمہ

ساتواں باب: معجزات، اس باب میں نبی اکرم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے

---

[1] محمد سلیمان، ایڈووکیٹ، چوہدری: سیرتِ رسولِ عربی (مطبوعہ تاج کمپنی) ص ۷

عظیم ترین معجزہ قرآنِ پاک پر تفصیلی گفتگو کی ہے۔ اعجاز قرآن کی چار وجوہ شرح و بسط سے بیان کی ہیں۔ تیسری وجہ اخبارِ غیبیہ ہیں، جن کا تعلق گزشتہ اور آئندہ امور سے ہے۔ اس سلسلے میں قرآن پاک کی چالیس پیشگوئیاں ذکر کی ہیں۔ قرآن کریم کے علاوہ دیگر معجزات بھی بیان کئے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے مغیبات پر مطلع ہونے کے دلائل پر مبسوط کلام کیا ہے۔

آٹھواں باب: نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے فضائل و خصائص، اس باب میں مثالیں دے کر ثابت کیا ہے کہ جو معجزات اور کمالات دیگر انبیاء کرام میں فرداً فرداً موجود تھے، ان جیسے یا ان سے بڑھ کر کمالات حضور سیّدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم میں پائے گئے ہیں۔ اس باب میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی ایک سو پچیس خصوصیات بیان کی ہیں اور قرآنِ پاک سے پندرہ ایسی مثالیں پیش کی ہیں کہ کفار نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم پر اعتراض کیا اور اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ نے اس کا جواب دیا۔

نواں باب: ازواجِ مطہرات اور اولادِ کرام۔

دسواں باب: اُمّت پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے حقوق، یہ باب ایمان و اتباع، علاماتِ حبِّ صادق، تعظیم و توقیر، تعظیم کے طریقوں، حدیث شریف کا ادب، آثارِ شریفہ کی تعظیم، درود شریف اور زیارتِ روضۂ مطہرہ، آدابِ زیارت، حدیث لا تشد الرّحال کی بحث کی تفصیلات پر مشتمل ہے۔

خاتمہ: نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم سے حیاتِ طیبہ میں ولادت سے پہلے اور وصال شریف کے بعد دُنیا و آخرت میں توسّل اور استعانت کے مستحسن ہونے کا اثبات۔

سیرتِ رسُولِ عربی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم)، کا پہلا ایڈیشن لودھیانہ مشرقی پنجاب سے چھپا۔ بعد ازاں متعدد ایڈیشن تاج کمپنی اور دوسرے اداروں نے شائع کئے۔

مقدمہ سیرتِ رسُولِ عربی طبع فرید بُک سٹال، لاھور

تعارفِ غزواتُ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

اشاعت رمضان المبارک ۱۴۰۱ھ / ۱۹۸۱ء
باہتمام پاکستان سُنّی رائٹرز گلڈ لاہور

حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی جلال و جمالِ الٰہی کا حسین امتزاج ہے، لیکن جمال کا پہلو اس قدر غالب اور نمایاں ہے کہ ظہورِ جلال کے وقت بھی جلوۂ جمال آنکھوں کے سامنے رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی صُورت و سیرت کا ذکرِ جمیل ہو تو ذوقِ لطیف ایک رُوحانی کیف و سرور سے سرشار ہو جاتا ہے۔ خوش بخت ہیں وہ لوگ جو آٹھوں پہر بندگیٔ زلف و پیچ و رُخِ انور میں مصروف رہتے ہیں۔

سیرتِ طیبہ کے موضوع پر دُنیا کی مختلف زبانوں میں اتنا کچھ لکھا گیا ہے کہ کسی اور شخصیت کے بارے میں نہیں لکھا گیا۔ الحمد للہ! کہ اردو زبان بھی اس معاملے میں تہی دامن نہیں ہے۔ تصانیف و تراجم کے انبار لگ چکے ہیں، تاہم اس موضوع پر ابھی نہ ختم ہونے والی تشنگی پائی جاتی ہے۔ اردو میں متوسط کتاب علامہ نور بخش توکلی کی سیرتِ رسولِ عربی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) (مطبوعہ تاج کمپنی، حامد اینڈ کمپنی) مبسوط کتاب مدارج النبوۃ (مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی) ہے۔

سیرت نگار کی ایک ذمہ داری یہ ہے کہ مستشرقین کے اٹھائے ہوئے اعتراضات کا جواب دے، لیکن بہت سے قلمکار مرعوبیت کا شکار ہو جاتے ہیں اور بجائے جواب دینے کے معذرت خواہانہ رویہ اختیار کر لیتے ہیں۔ علامہ شبلی نعمانی کی تالیف سیرۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ وسلم میں جا بجا اس رویّے کی جھلک دیکھی جا سکتی ہے۔

مولوی عبدالرؤف دانا پوری لکھتے ہیں؛

"یورپ کے اس پروپیگنڈا کی وجہ سے آج مسلمانوں میں ایک جماعت پیدا ہو گئی ہے جو اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے جہاد بالسیف کو بہت بُرا سمجھتی ہے رسُول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم) کے غزوات اسلامی تاریخ پر بدنما داغ سمجھتی ہے اور اپنی دانست میں وہ اسلامی خدمت اسی کو سمجھتی ہے کہ اسلامی تاریخ سے یہ داغ مٹا دیا جائے، مگر آیاتِ قرآنی کی کثرت، احادیثِ صحیحہ کا دفتر، اس کو یہ کرنے نہیں دیتا، لہٰذا اُس نے یہ تاویل پیدا کی ہے کہ یہ سارے غزوات مدافعت اور حفاظتِ خود اختیاری کے لئے تھے، اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے نہ تھے۔"

چند سطر بعد لکھتے ہیں:

"یہ جواب کیوں دیا جاتا ہے، صرف اس لئے کہ ذہنی غلامی نے ہم کو اس قابل نہیں رکھا اور ہمت و شجاعت کے وہ شریفانہ جذبات ہمارے اندر باقی نہیں رہے، جس سے ہم سمجھ سکیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم اور ان کے متبعین پر اعلائے کلمۃ اللہ کا حق اپنی حفاظت اور مدافعت سے زیادہ ضروری ہے۔ وہ اپنے تمام مخالفین اور بڑے سے بڑے دشمن کو معاف کر سکتے تھے، مگر خدا کی مخالفت اور بُت پرستی اور شرک کی اشاعت کو معاف نہیں کر سکتے تھے۔" [1]

مولوی محمد ادریس کاندھلوی، شبلی نعمانی اور ان کے ہمنواؤں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ان کی تین خصوصیتوں کا ذکر کرتے ہیں:

(۱) اس دَور میں اگرچہ سیرتِ نبوی پر چھوٹی اور بڑی بہت سی کتابیں لکھی گئیں اور لکھی جا رہی ہیں، لیکن ان کے مؤلفین اور مصنفین زیادہ تر

---

[1] عبدالرؤف داناپوری، اصح السیر (مصنفہ ۱۳۵۱ھ/۱۹۳۲ء) مطبوعہ مجلس نشریاتِ اسلام کراچی، ص ۳،۲۹

فلسفۂ جدیدہ اور یورپ کے فلاسفروں سے اس قدر مرعوب اور خوفزدہ ہیں کہ یہ چاہتے ہیں کہ آیات و احادیث کو توڑ موڑ کر کسی طرح فلسفہ اور سائنس کے مطابق کر دیں۔

(۲) یہی وجہ ہے کہ جب معجزات اور کرامات کا ذکر آتا ہے تو جس قدر ممکن ہوتا ہے، اس کو ہلکا کر کے بیان کیا جاتا ہے۔ اگر کہیں راویوں پر بس چلتا ہے، تو جرح و تعدیل کے ذریعے سے محدثانہ رنگ میں ان روایات کو ناقابلِ اعتبار بنانے کی کوشش کی جاتی ہے اور اسماء الرجال کی کتابوں سے جرح تو نقل کر دیتے ہیں اور توثیق و تعدیل کے اقوال نقل نہیں کرتے، جو سراسر امانت و دیانت کے خلاف اور قَرَاطِیْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ کَثِیْرًا کا مصداق ہے اور جہاں راویوں پر بس نہیں چلتا، وہاں صوفیانہ اور محققانہ رنگ میں آ کر تاویل کی راہ اختیار کی جاتی ہے، جس سے آیت اور حدیث کا مفہوم ہی بدل جاتا ہے۔

(۳) اور جب خداوندِ ذوالجلال کے باغیوں سے جہاد و قتال کا ذکر آتا ہے تو بہت پیچ و تاب کھاتے ہیں اور اس کو اسلام کے چہرہ پر ایک بدنما داغ سمجھ کر دھونے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ تو ممکن نہ ہوا کہ اعداء اللہ سے جہاد و قتال کی آیات و احادیث کا انکار کر سکیں، اس لئے تاویل کی راہ اختیار کی کہ یہ غزوات و سرایا اعلائے کلمۃ اللہ یعنی اللہ کا بول بالا کرنے اور آسمانی بادشاہت قائم کرنے اور قانونِ خداوندی کو علی الاعلان جاری کرنے کے لئے نہ تھے، بلکہ محض اپنی حفاظت اور جان بچانے اور دشمنوں کی مدافعت کے لئے تھے۔ [1]

---

[1] محمد ادریس کاندھلوی: سیرۃ المصطفےٰ (مطبوعہ مکتبہ پبلشنگ کمپنی، لاہور، ج ۱، ص ۱۵

جنگِ بدر کے بارے میں علامہ شبلی نعمانی نے ایسا موقف اختیار کیا جو محدثین، مفسرین ارباب سیرت اور مؤرخین سب کے خلاف ہے۔ حضرت کعب ابن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں تصریح ہے:

إِنَّمَا خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَالْمُسْلِمُوْنَ یُرِیْدُوْنَ عِیْرَ قُرَیْشٍ جَمَعَ اللّٰہُ بَیْنَھُمْ وَبَیْنَ عَدُوِّھِمْ عَلٰی غَیْرِ مِیْعَادٍ۔ [1]

"رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور مسلمان صرف قریش کے قافلے کے ارادے سے نکلے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اور ان کے دشمن کو جمع فرما دیا، حالانکہ یہ پہلے سے طے شدہ نہیں تھا۔"

لیکن علامہ شبلی نعمانی کا اصرار ہے کہ مدینہ طیبہ میں ہی یہ اطلاع مل چکی تھی کہ مکہ مکرمہ سے مشرکین کا ایک بڑا لشکر مدینہ طیبہ پر حملہ کرنے کے لئے روانہ ہو چکا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام اسی لشکر کا مقابلہ کرنے کے ارادے سے نکلے تھے۔ ابوسفیان کی قیادت میں ملک شام سے آنے والے تجارتی قافلے کا تعرض مقصود نہ تھا۔ اس مقصد کو ثابت کرنے کے لئے انہوں نے طویل گفتگو کی ہے جو سیرۃ النبی کے بیس بائیس صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ اس کا باعث کیا ہے؟ وہی ذہنی پسپائی اور شکست خوردگی، وہ دراصل مستشرقین کے اس اعتراض سے دامن چھڑانا چاہتے ہیں کہ مسلمان قافلۂ تجارت کو لوٹنے کی غرض سے نکلے تھے اور یہ کھلی ہوئی ڈاکہ زنی تھی، حالانکہ یہ سیدھی سی بات ہے کہ یہ کھلی ہوئی جنگ تھی، جو فریقین میں جاری تھی۔ ہجرت کے بعد مشرکین مکہ نے مسلمانوں کو بیت اللہ شریف کی زیارت وطواف سے منع کر دیا تھا۔ اس بنا

---

[1] مسلم بن الحجاج القشیری، امام ـــــ مسلم شریف، ج ۲، ص ۳۶۰

پر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابو جہل کو دھمکی دی تھی کہ اگر تم نے یہ پابندی نہ اٹھائی، تو ہم عالمی منڈیوں کو جانے والے تمہارے راستے بند کر دیں گے۔ قافلے کا تعرض اسی ناکہ بندی کی ایک کڑی تھا، اس پر کسی کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟ مولوی محمد ادریس کاندھلوی، شبلی نعمانی کا موقف نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

> علامہ شبلی کا یہ خیال تمام محدثین اور مفسرین کی تصریحات بلکہ تمام صحیح اور صریح روایات کے خلاف ہے۔ [1]

"غزوات النبی" صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

حضرت علامہ مولانا محمد نور بخش توکلی قدس سرہ العزیز صحیح عقیدہ اور ٹھوس قابلیت کے مالک تھے۔ حضرت خواجہ سائیں توکل شاہ انبالوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مُرید، انجمن نعمانیہ، لاہور کے ناظمِ تعلیمات اور گورنمنٹ کالج، لاہور کے پروفیسر تھے۔ وہ پہلے شخص ہیں، جنہوں نے پیہم کوششیں کر کے سرکاری کاغذات میں "بارہ وفات" کی جگہ عید میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لکھوایا گیا۔

علامہ توکلی کی تصانیفِ کثیرہ میں سے ایک تصنیف غزوات النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پیشِ نظر ہے۔ یہ کتاب ۱۳۴۱ھ / ۱۹۲۲ء میں میلاد شریف کے موقع پر انجمن نعمانیہ، لاہور کی طرف سے چھپی تھی۔

علامہ توکلی علیہ الرحمہ کا ارادہ تھا کہ غزواتِ شریفہ کو ایک کتاب میں جمع فرما دیں لیکن پہلے حصے میں صرف غزوۂ بدر اور اس سے پہلے کے چند سرایا کا ذکر ہوا۔ ہماری اطلاع کے مطابق اس کتاب کا دوسرا حصہ طبع نہیں ہوا، اس لئے باقی غزوات کی

---

[1] محمد ادریس کاندھلوی: سیرۃ المصطفیٰ (حصہ دوم) مکتبہ پبلشنگ کمپنی، لاہور ص ۵۱۲

تفصیلات علامہ توکلی علیہ الرحمہ ہی کی دوسری تصنیف سیرتِ رسولِ عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے لے کر آخر میں شامل کر دی گئی ہیں تاکہ قاری کو اس موضوع پر تشنگی نہ رہے۔

علامہ شبلی کے خیالات کی تردید متعدد علماء نے کی، لیکن علامہ توکلی قدس سرہ کو ان سب سے زیادہ اوّلیت حاصل ہے، کیونکہ مولوی عبدالرؤف داناپوری کی تصنیف اصح السیر ۱۳۵۱ھ/۱۹۳۲ء میں لکھی گئی۔ محمد ادریس کاندھلوی صاحب کی تصنیف ۱۳۵۸ھ/۱۹۳۹ء کے لگ بھگ لکھی گئی، جبکہ علامہ توکلی کی پیش نظر کتاب غزوات النبی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ۱۳۴۱ھ/۱۹۲۲ء میں چھپ چکی تھی۔

اس کتاب کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ علامہ توکلی علیہ الرحمہ نے مضبوط دلائل و شواہد سے ثابت کیا ہے کہ جنگ بدر کے موقع پر مسلمان قافلے سے تعرض کرنے کے لئے ہی نکلے تھے۔ یہ الگ بات ہے کہ قافلہ بچ کر نکل گیا اور مقابلہ لشکر سے آگیا اور اس سلسلے میں علامہ شبلی کی رائے اور تحقیق بالکل غلط ہے۔ علامہ توکلی نے ان کی ایک ایک دلیل کا جواب اس شرح و بسط سے دیا ہے کہ کوئی صاحبِ علم اس کا مطالعہ کرنے کے بعد تسلیم کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔۔ اتنا مفصّل اور مدلّل جواب علامہ توکلی علیہ الرحمہ ہی کے قلم کا حصّہ تھا اور کسی نے اتنی تفصیل کے ساتھ اس موضوع پر گفتگو نہیں کی۔

تعارف کتاب البرزخ

حضرت علامہ نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ کا شمار اپنے دور کے محقق اہلِ قلم میں ہوتا ہے۔ وہ جس موضوع پر قلم اُٹھاتے ہیں۔ اس کا حق ادا کر دیتے ہیں۔ ان کی تمام تصانیف اس دعویٰ پر شاہد ہیں۔ ان کی تحقیقات وسیع مطالعہ اور گہرے غور و فکر کی مظہر ہیں اور لُطف یہ کہ عبارت اتنی آسان ہے کہ عام اُردو خوان بھی مطالب سمجھ سکتا ہے۔ پیشِ نظر کتاب کتاب البرزخ دس ابواب پر مشتمل ہے

پہلا باب: رُوح کی حقیقت

علامہ توکلی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ بعض علماءِ اسلام نے رُوح کی حقیقت کے بارے میں توقف کیا ہے، جن علماء نے اس کے متعلق گفتگو کی ہے، ان کے مختلف اقوال ہیں۔ جمہور اہلِ سُنّت کے نزدیک رُوح ایک جسم لطیف ہے۔ اس پر شیخ الاسلام تقی الدین سبکی اور علامہ ابن قیم کی تصریحات پیش کی ہیں اور پھر اس دعوے پر چھ آیتوں سے استدلال کیا ہے۔ امام غزالی اور امام ابو منصور ماتریدی رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک رُوح جوہر مجرد ہے۔

دُوسرا باب: موت کے بعد رُوح باقی رہتی ہے

حضرت علامہ توکلی فرماتے ہیں کہ موت کے بعد روح باقی رہتی ہے، فنا نہیں ہوتی۔ اس دعوے کی دلیل کے طور پر دس آیتیں اور چار حدیثیں پیش کی ہیں۔ شرح الصدور سے علامہ سیوطی علیہ الرحمہ کی تصریح بھی نقل کی ہے۔ اس ضمن میں دو اعتراضوں کا جواب بھی دیا ہے۔

تیسرا باب: قبر میں رُوح بدن میں ڈالی جاتی ہے

علامہ توکلی نے اس باب میں ابوداؤد شریف کی حدیث نقل کی ہے، جس کے آخر میں تصریح ہے کہ صاحبِ قبر لوگوں کے جوتوں کی آہٹ سنتا ہے، پھر اس سے تین سوال کیے جاتے ہیں ——— اور کافر کے متعلق فرمایا:

وَتُعَادُ رُوْحُهٗ فِیْ جَسَدِہٖ

اور اُس کی رُوح اُس کے جسم میں لوٹائی جاتی ہے۔

اس حدیث کے تحت حضرت ملّا علی قاری شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں:
ظاہر حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رُوح میت کے تمام بدن کی طرف لوٹتی ہے، لہٰذا بعض کا یہ قول قابلِ التفات نہیں کہ رُوح جسم کے بعض حصّے کی طرف لوٹتی ہے۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فقہ اکبر میں فرماتے ہیں:

وَاِعَادَۃُ الرُّوْحِ اِلَی الْعَبْدِ فِیْ قَبْرِہٖ حَقٌّ

قبر میں بندے کی طرف رُوح کا لوٹانا حق ہے۔

پھر اس عقیدے پر دو اعتراض نقل کر کے ان کا جواب دیا۔ بعدازاں قبر میں ثواب یا عذاب کے منکرین معتزلہ کے شکوک و شبہات کا جواب دیا ہے۔

چوتھا باب: برزخ کا عذاب اور نعمتیں قرآن پاک سے ثابت ہیں

حضرت علامہ توکلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس سلسلے میں دس آیتیں پیش کی ہیں۔

پانچواں باب: قبر کا ثواب و عذاب کس پر وارد ہوتا ہے؟

اس باب میں امام علامہ تاج الدین سبکی، ابن قیم، علامہ قاسم بن قطلوبغا اور دیگر

حضرات کے حوالوں سے ثابت کیا ہے کہ ثواب و عقاب رُوح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے۔

چھٹا باب: برزخ میں رُوح کا مقام

اس باب میں بتایا ہے کہ بعض رُوحیں اعلیٰ علیین میں ہوتی ہیں، بعض کی رُوحیں جنت کی بیرونی دیوار میں، گنہگاروں کی رُوحیں زمین و آسمان کے درمیان اور کافروں کی رُوحیں ساتویں زمین کے نیچے سجین میں ہوتی ہیں، لیکن ان کا تعلق اجسام سے برقرار رہتا ہے۔

ساتواں باب: اصحابِ قبور کا کلام کرنا اور سُننا

اس باب میں احادیثِ مبارکہ اور اہلِ علم کے اقوال سے ثابت کیا ہے کہ اہلِ قبور کو زیارت کرنے والوں کا علم ہوتا ہے، اُن کا سلام و کلام سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں۔ صفحہ ۹۰ پر یہ سوال اٹھایا ہے کہ سلام و کلام صرف رُوح سُنتی ہے یا بدن یا دونوں؟ ابن قیم اور ابن حزم کے حوالے سے یہ جواب دیا کہ رُوح سنتی ہے اور رُوح کی سننے کی قوت پہلے سے بھی زیادہ ہو جاتی ہے۔

صفحہ ۹۳ پر مخالفین کا مشہور اعتراض نقل کیا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سماعِ موتیٰ کا انکار کیا ہے اور اس کا تفصیلی جواب دیا ہے۔ اسی ضمن میں آیاتِ مبارکہ اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی اور وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ کا صحیح مطلب بیان کیا ہے۔

صفحہ ۱۰۴ پر کتبِ فقہ کی بعض عبارات کی وضاحت کی ہے جس سے مخالفین استدلال کرتے ہیں۔ اس مسئلے کی نہایت مفصل بحث حضرت علامہ مولانا محمد اشرف سیالوی

شیخ الحدیث دارالعلوم ضیاء شمس الاسلام سیال شریف کی تصنیف لطیف جلاء الصدور میں ملاحظہ فرمائیں۔

آٹھواں باب؛ عالمِ برزخ میں رُوح کی سیر اور دیگر کوائف

اس باب میں احادیثِ مبارکہ اور اہلِ علم کے حوالوں سے بیان کیا گیا ہے کہ ارواح کے مختلف مقامات ہیں، کافروں کی رُوحیں تنگی اور عذاب میں ہیں اور مومنوں کی رُوحوں کو آزادی ہے، جہاں چاہتی ہیں، جاتی ہیں، لیکن ان کا تعلق جسم سے برقرار رہتا ہے۔

نواں باب؛ اہلِ قبور سے استمداد

حضرت علامہ توکلی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں؛ اہلِ قبور سے استمداد کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے کسی برگزیدہ ہستی کے توسل سے دُعا مانگی جائے یا اس بزرگ سے عرض کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہماری شفاعت کیجیے۔ یہ بلاشبہ مستحسن ہے، اسے کسی طرح بھی شرک نہیں کہا جا سکتا۔ اس مسئلے پر بڑی تفصیلی گفتگو کی ہے۔

دسواں باب؛ مسائلِ متفرقہ

اس باب میں سوال و جواب کی صُورت میں دس ضروری مسائل بیان کئے ہیں، جن کی تفصیل حسبِ ذیل ہے؛

۱۔ کیا نماز روزہ وغیرہ اعمالِ صالحہ کا ثواب اموات کو پہنچتا ہے؟

۲۔ کیا میّت کا تیجہ، ساتواں، چہلم وغیرہ کرنا جائز ہے؟

۳۔ جمعرات کو ایصالِ ثواب اور فاتحہ خوانی کی کیا وجہ ہے؟

۴۔ میّت کی طرف سے اسقاط کا طریقہ اور حکم کیا ہے؟

۵- کیا بزرگانِ دین کے لئے جانور نامزد کرنا جائز ہے؟
۶- کیا بزرگانِ دین کا عرس کرنا جائز ہے؟
۷- کیا اولیاءِ کرام کے مزارات پر گنبد بنانا، غلاف ڈالنا اور چراغ جلانا جائز ہے؟
۸- کیا کفن کو آبِ زمزم میں ترکرنا، غلافِ کعبہ کو کفن میں شامل کرنا اور کفن پر کلمہ طیبہ یا عہدنامہ لکھنا جائز ہے؟
۹- کیا والدین، بزرگانِ دین کے مزارات، متعاماتِ مقدسہ اور بزرگوں کے ہاتھوں کو بوسہ دینا جائز ہے؟
۱۰- کیا بزرگانِ دین کے مزارات پر پھول رکھنے جائز ہیں؟

ان سوالات کے تفصیلی جوابات مسلکِ اہل سنت کے مطابق دیئے ہیں۔ آخر میں مولوی محمد فاضل ضلع فیصل آباد کا ایک فتویٰ نقل کیا ہے، جس میں عام اہلِ قبور کے سلام و کلام سننے کا انکار کیا ہے اور اس کا مُسکت جواب دیا ہے۔

اس طرح یہ کتاب عالمِ برزخ سے تعلق رکھنے والے اکثر و بیشتر سوالات کا مدلل جواب مہیا کرتی ہے اور شکوک و شبہات کو ختم کر کے حقیقت کے چہرے کو بے نقاب کرتی ہے۔

حضرت علامہ نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب میں جہاں دیگر علماءِ کرام کے حوالے دیئے ہیں اور قرآن و حدیث سے استدلال کیا ہے، وہاں ابن قیم جوزی علیہ الرحمہ کی عبارات بھی کثرت سے نقل کی ہیں اور اس کی وجہ یہ بتائی ہے:

> اسے مقبول عام بنانے کے لئے ایک اور طریق بھی اختیار کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ قرآن و حدیث کے علاوہ علامہ ابنِ قیم جوزی

کی تصنیف مسمّٰی بہ کتاب الروح سے بہت کچھ اخذ کیا گیا ہے اور اس کی تائید میں علامہ سُیوطی وغیرہ علماء کے اقوال نقل کئے گئے ہیں تاکہ یہ کتاب ہر فریق کے نزدیک مُستند ہو، مگر بایں ہمہ کسی صُورت میں طریقِ اہل سُنّت و جماعت کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا گیا۔

(کتاب البرزخ، صفحہ ۱۲)

کتاب البرزخ ۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۱ء میں انجمن نعمانیہ، لاہور کی طرف سے خادم التعلیم سٹیم پریس، لاہور میں چھپی تھی۔ ایک عرصہ سے نایاب تھی اور اہلِ علم شدّت سے اس کی ضرورت محسوس کر رہے تھے۔ جناب سلیم اسماعیل صاحب نے عوام و خواص کے افادہ کے لئے اپنے ادارہ الکتاب کی طرف سے اس کی اشاعت کا اہتمام کیا۔ مولائے کریم انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین!

علامۃ الدہر مولانا ہدایت اللہ خاں رامپوری ثم جونپوری قدس سرہ العزیز

اُستاذ الاساتذہ مولانا علامہ ہدایت اللہ خاں بن مولانا رفیع اللہ خاں قدس سرہما محلہ الف خاں، رامپور میں پیدا ہوئے۔ آپ کا آبائی وطن سوات[1] تھا۔ روہیلہ خاندان سے تعلق رکھتے تھے[2] ابتدائی کتب والد ماجد سے پڑھیں۔ صرف و نحو کی تحصیل مولانا حافظ غلام علی سے کی اور میر زاہد تک معقولات کی تعلیم مولانا جلال الدین (م ۱۳۱۲ھ / ۱۸۹۵-۶ء) سے حاصل کی۔ جب خاتم الحکماء مولانا علامہ فضل حق خیر آبادی، رامپور تشریف لائے، تو اُن کے حلقۂ درس میں شریک ہو کر کسب کمال کیا۔ درس حدیث مولانا سید عالم علی نگینوی (م ۱۲۹۵ھ / ۱۸۷۸ء) سے لیا۔ علامہ خیر آبادی کے شیدائی تھے، مختلف مقامات میں اُن کے ساتھ رہے اور جب علامہ محمد فضل حق خیر آبادی اسیر ہو کر انڈمان روانہ ہوئے، تو آپ مغموم و محزون رام پور میں تشریف لائے اور مدرسہ عالیہ میں درس دینا شروع کیا۔ ۱۲۸۷ھ / ۷۰-۱۸۶۸ء میں مولوی حیدر حسین کے طلب کرنے پر جونپور تشریف لے گئے اور مدرسہ حنفیہ میں مفتی محمد یوسف فرنگی محلی لکھنوی کی جگہ صدر مدرس مقرر ہوئے اور تا حیات اسی مدرسہ میں علم و فضل کے خزانے لٹاتے رہے۔[3]

اپنے استاذ محترم مولانا جلال الدین کے چھوٹے بھائی حضرت شاہ چھوٹے میاں قدس سرہ کے سلسلۂ عالیہ قادریہ میں مُرید تھے۔ وسیع الاخلاق، کریم النفس، طلبہ پر شفیق اور مسلک اہل سُنت پر ثابت قدم تھے۔ ۱۳۰۰ھ / ۸۳-۱۸۸۲ء میں مُرشد آباد بنگال

---

[1] محمود احمد قادری، مولانا شاہ: تذکرہ علمائے اہل سُنّت، مطبوعہ کانپور ۱۳۹۱ھ، ص ۲۶۱

[2] اقبال احمد، سید، تاریخ شیراز ہند، جونپور، مطبوعہ جونپور، ۱۹۶۳ء، ص ۷۸۹

[3] محمود احمد قادری، مولانا: تذکرہ علمائے اہل سُنّت، مطبوعہ کانپور، ص ۲۶۱
نیز: اقبال احمد، سید: تاریخ شیراز ہند، جونپور، ص ۷۹۰

میں مشہور غیر مقلد بہاری عالم عبد العزیز رحیم آبادی کے مقابلہ میں مذہب حنفیہ کی حمایت فرمائی۔ ۱۳۱۸ھ / ۱-۱۹۰۰ء میں مجلس علمائے اہل سُنّت کے اجلاس میں شریک ہوئے جو ندوہ کی اصلاح کے لئے پٹنہ میں منعقد ہوا تھا۔ [۱]

علم و فضل میں فقید المثال شخصیت تھے، بالخصوص معقولات و حکمت میں اپنی مثال آپ تھے۔ حکیم عبد الحی لکھنوی لکھتے ہیں:

انتهت الیه ریاسة المنطق والحکمة [۲]

"منطق و حکمت کی ریاست آپ پر ختم ہو گئی۔"

مولانا شاہ محمود احمد قادری لکھتے ہیں:

"آپ اُن علماء میں سے تھے، جن سے علم و فضل کو شرف حاصل ہوتا ہے" [۳]

سید اقبال احمد لکھتے ہیں

"معقولات میں یگانۂ روزگار تھے اور ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں اُن کے برابر کا کوئی عالم اس وقت نظر نہ آتا تھا" [۴]

آپ کے تلامذہ کا احصار بہت دشوار ہے۔ آپ سے ان اساطینِ علم و فضل نے اکتسابِ فیض کیا، جن کی برکاتِ علم آج بھی پاک و ہند کے گوشہ گوشہ میں بروجہ اتم جلوہ گر ہیں۔ چند مشاہیر کے نام یہ ہیں:

صدر الشریعہ مولانا حکیم محمد امجد علی، فقیہ العصر مولانا یار محمد بندیالوی، رئیس العلماء علامہ سید سلیمان اشرف، سابق چیئرمین اسلامک اسٹڈیز مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، مولانا عبد السلام نیازی دہلوی، مولانا حکیم سید برکات احمد ٹونکی، مولانا شیر علی صدر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ

---

[۱] محمود احمد قادری، مولانا: تذکرہ علمائے اہل سُنّت، ص ۲۶۱

[۲] عبد الحی لکھنوی، مؤرخ: نزہۃ الخواطر جلد ہشتم، مطبوعہ حیدر آباد دکن ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء، ص ۵۲

[۳] محمود احمد قادری، مولانا: تذکرہ علمائے اہل سُنّت، ص ۲۶۱

[۴] اقبال احمد، سید: تاریخ شیرازِ ہند، جونپور، ص ۲۸۹

حیدر آباد دکن، مولوی محمد ابراہیم بلیاوی، صدر مدرس دار العلوم دیوبند[1]، مولانا عبد الاول جونپوری (مصنف مفید المفتی وغیرہ) مولانا عنایت حسین خاں جونپوری، مولانا محمد اسمٰعیل جونپوری، مولانا منصب علی جونپوری[2]، اور جبروت جونپوری[3] وغیرہ وغیرہ۔

استاذ الاساتذہ حضرت مولانا ہدایت اللہ جونپوری قدس سرہ بروز اتوار یکم رمضان المبارک ۲۷ ستمبر (۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء) اس دارِ فانی سے رخصت ہوئے اور حضرت قطب الاقطاب مولانا شیخ عبد الرشید جونپوری قدس سرہ، مصنف مناظرہ رشیدیہ (م ۱۰۸۳ھ/۱۶۷۲ء) کی درگاہ واقع رشید آباد میں دفن ہوئے۔ مصرعہ تاریخ وفات یہ ہے:

ع شد نہاں مہر اوج فلسفیات[4]

۱۳ ھ ۲۶

سید عبد الحکیم نقوی نے تاریخ وفات کہی:

مولوی ہدایت اللہ خاں — صاحبِ علم و زہد و عقل و شعور
چوں بماہِ صیام رحلت کرد — از جہاں سوئے خلد، حور و قصور
بر دلِ دوستاں و شاگرداں — رنجش و کرب و غم نمود ظہور
داشت در جملہ علوم کمال — بود معقولِ او مگر مشہور
فکرِ تاریخ چوں نمودہ حکیم
گفت ہاتف کہ ہاں بگو "مغفور" ۱۳۲۶ھ[5]

---

[1] محمود احمد قادری، مولانا: تذکرہ علمائے اہل سنت ص ۲۶۲، ۲۶۴
[2] اقبال احمد، سید: تاریخ شیراز ہند، جونپور، ص ۸۲، ۷۹
[3] رشید احمد صدیقی، پروفیسر: گنج ہائے گراں مایہ، ص ۳۲
[4] محمود احمد قادری، مولانا: تذکرہ علمائے اہل سنت، ص ۶۲، ۲۶۱
[5] احمد علی خاں شوق: تذکرہ کاملان رامپور، طبع دہلی، ۱۹۲۹ء ص ۵۳۴

شعیب الاولیاء حضرت مولانا محمد یار علی قدس سرہٗ العزیز

بانی دار العلوم فیض الرسول، براؤں شریف (انڈیا)

دینِ متین کی خدمت اور تبلیغ کی سعادت نہ تو موروثی ہے اور نہ ہی اس میں انسان کی ہمت، قابلیت اور علمیت بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ اصل شے تو اللہ تعالیٰ کی عنایت و توفیق ہے، جس کے شاملِ حال ہو جائے، وہی اس میدان میں کامیابی اور کامرانی کے پرچم گاڑ دیتا ہے اور اُس کی کوششوں کے ثمرات اور نتائج رہتی دُنیا تک قائم و دائم رہتے ہیں ؎

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

حضرت شعیب الاولیاء مولانا محمد یار علی قدس سرہ العزیز بانی دار العلوم فیض الرسول، براؤں شریف، یو۔پی انڈیا ایسی ہی باکمال شخصیت تھے۔ وہ کسی دینی درسگاہ کے فارغ التحصیل تو نہ تھے، لیکن اپنے دَور کے عظیم المرتبت مشائخ طریقت سے سالہا سال خوشہ چینی کر کے علم و عمل کے اس درجۂ کمال پر فائز تھے کہ بڑے بڑے علماء ان کی بارگاہ میں مؤدبانہ حاضری کو سعادت تصور کرتے تھے۔ ان کے دینی، علمی اور رُوحانی فیوض و برکات کا سلسلہ ان کے وصال کے بعد بھی جاری ہے، جنہیں دیکھ سُن کر تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ وہ واقعی شہریارِ ملکِ ولایت و معرفت ہیں۔

حضرت شعیب الاولیاء ۱۳۰۷ھ میں جناب فجر علی رحمہ اللہ تعالیٰ کے گھر، براؤں شریف میں پیدا ہوئے، ماحول کے زیرِ اثر سکول کی تعلیم حاصل کی اور کچھ عرصہ

سکول ماسٹر کی حیثیت سے کام بھی کرتے رہے، لیکن قدرت کو دینِ متین کی خدمت کے سلسلے میں آپ سے عظیم الشان کام لینا تھا۔ اس لئے جلد ہی سکول کی ملازمت سے استعفاء دے دیا۔

سلسلۂ قادریہ میں حضرت شاہ محبوب علی قادری رحمہ اللہ تعالیٰ ڈھلمئو شریف ضلع فیض آباد انڈیا کے دستِ اقدس پر بیعت ہوئے اور ایک عرصہ تک اُن کی خدمت میں رہ کر رُوحانی فیوض وبرکات سے مستفید ہوئے۔ سلسلہ عالیہ چشتیہ میں حضرت شاہ عبد اللطیف رحمہ اللہ تعالیٰ ستھن شریف ضلع سُلطان پور سے فیض حاصل کیا اور خلافت سے نوازے گئے۔ سلسلۂ نقشبندیہ، سہروردیہ میں حضرت سیّد عبدالشکور رحمہ اللہ تعالیٰ جھونسی شریف (الٰہ آباد) نے اجازت وخلافت عطا فرمائی۔

حضرت شعیب الاولیاء کے حالات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ غیر معمولی صلاحیتیں رکھنے والے عبقری تھے۔ مشائخ کرام کی تربیت نے سونے پر سہاگے کا کام کیا۔ ایک دفعہ حضرت شاہ عبداللطیف رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"میاں! نماز تو نماز، جماعت تو جماعت، تکبیرِ اُولیٰ نہ چھوٹے، یہی نماز اللہ سے ملا دے گی۔"

شیخ کی زبان سے نکلے ہوئے اِن چند جملوں پر حضرت شعیب الاولیاء نے اس طرح عمل کیا کہ چالیس سال سے زیادہ عرصے تک اس نصیحت پر عمل کیا اور کبھی جماعت کی پہلی تکبیر چھوٹنے نہ پائی۔

حضرت شعیب الاولیاء (قدس سرہ العزیز) علامہ اقبال کے اس شعر کا مصداق تھے ؎

نِگہ بُلند، سُخن دِل نواز، جاں پُرسوز
یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کے لئے

ان کی ژرف نگاہی اور عالی فکر کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ وہ اپنے حلقۂ مریدین میں مسلکِ اہلِ سُنّت وجماعت، مسلکِ امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ کی تبلیغ وتلقین فرماتے ہی تھے، ۱۳۶۵ھ دار العلوم فیض الرسول کا آغاز کیا، جس نے بڑی تیزی کے ساتھ ترقی اور کامیابی کے مراحل طے کیے اور آج پورے ہندوستان میں جامعہ اشرفیہ، مبارک پور کے بعد دار العلوم فیض الرسول براؤں شریف ہی نمایاں ترین دار العلوم دکھائی دیتا ہے جس کے فضلاء ہندوستان، نیپال، افریقہ اور دیگر ممالک میں تبلیغِ اسلام کا فریضہ بحُسن وخوبی انجام دے رہے ہیں۔ دار العلوم میں بیس۲۰ سے زیادہ فاضل اساتذہ فرائض تدریس انجام دے رہے ہیں۔ فقیہِ ملّت حضرت مولانا جلال الدّین احمد امجدی مدظلّہ دار العلوم کے شعبۂ افتاء کے صدر ہیں۔ ان دنوں علوم قدیمہ وجدیدہ کے متبحر فاضل اور حضرت شعیب الاولیاء کے فرزند ارجمند علامہ غلام عبد القادر علوی مدظلّہ دار العلوم کے ناظمِ اعلیٰ ہیں، جن کی قیادت میں دار العلوم روزافزوں ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔

حضرت شعیب الاولیاء کی سرپرستی میں محرم ۱۳۸۵ھ میں ماہنامہ فیض الرسول جاری کیا گیا، جو مسلکِ اہلِ سُنّت وجماعت یعنی مسلکِ رضا کا بہترین ترجمان اور علمی وتحقیقی مقالات شائع کرنے والا مجلّہ ہے۔ علامہ جمال احمد خاں رضوی ایسا صاحبِ طرز ادیب اس کا نائب مدیر ہے۔

حضرت شعیب الاولیاء کی ظاہری ملاقات، امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ سے نہیں ہوئی، اُن کے کسی خلیفہ سے اجازت وخلافت بھی نہیں تھی، اس کے باوجود وہ نہ صرف مسلکِ رضا سے متفق تھے، بلکہ ڈھکے کی چوٹ پر اُن کے مسلک کی تبلیغ فرماتے تھے۔ کوئی مکتبے والا امام احمد رضا بریلوی کی تصانیف لے آتا، تو سب کتابیں خرید کر دار العلوم کے لئے وقف کر دیتے یا مُریدین میں تقسیم کر دیتے۔ آپ کا علاقہ ضلع بستی

اور گونڈہ دیوبندیت اور غیر مقلدیت کا گڑھ تھا۔ آپ نے کھلم کھلا ان کے عقائدِ باطلہ کا رد کیا اور شیر بیشۂ اہل سُنت حضرت مولانا حشمت علی خاں رحمہ اللہ تعالیٰ کو ساتھ لے کر گاؤں گاؤں جا کر جلسے کئے اور اہل باطل کے چہروں سے خود ساختہ تقدس کے نقاب اُلٹ دیئے، جس کی پاداش میں آپ کو دو دفعہ زہر دیا گیا، لیکن مخالفین کا کوئی حربہ کارگر نہ ہوا اور آپ آخر دم تک مسلکِ بَرحق کی تبلیغ و حمایت فرماتے رہے اور آج بھی دارالعلوم فیض الرسول اور ماہنامہ فیض الرسول اسی طرح حق و صداقت کا پرچم بلند کئے ہوئے ہیں۔ یہ آپ ہی کا فیض ہے کہ پورے علاقے میں اہل سُنت کے کثیر التعداد مدارس قائم ہیں اور راسخ العقیدہ سُنّی علماء تیار کر رہے ہیں۔

حضرت شعیب الاولیاء صاحبِ نظر اور صاحبِ کرامت بزرگ تھے، اُن کی بہت بڑی کرامت یہ تھی کہ انہوں نے تمام زندگی حق کی حمایت و تبلیغ میں صرف کر دی اور دارالعلوم فیض الرسول کی صورت میں عظیم دینی مرکز قائم فرمایا، جسے دیکھ کر حضرت مفتیٔ اعظم ہند مولانا محمد مصطفےٰ رضا خاں رحمہ اللہ تعالیٰ نے دُعائیں دیں اور یوں اپنے تاثرات کا اظہار فرمایا:

"فیض الرسول کو دیکھ کر معلوم ہوا کہ واقعی فیض الرسول ہے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وسلم، مولیٰ عزّ وجلّ اسے روز افزوں ترقیاں بخشے اور اس کے فیوض کو عام فرمائے، دل بہت مسرور ہوا، تعلیم اچھی، تربیت بہتر، سُنّیت کی تبلیغ، رضویت کی اشاعت، سُنّت کی ترویج کا جو جذبہ "فیض الرسول" میں پایا، کہیں نہ پایا۔"

حضرت شعیب الاولیاء کی سوچ اور فکر کی گہرائی اور گیرائی حیرت انگیز تھی، انہوں نے خانقاہِ یارِ علویہ کو امام احمد رضا کے ہم عقیدہ مسلمانوں کے نام وقف کر کے اسے قانونی طور پر رجسٹرڈ کروایا۔ رجسٹری کی چند دفعات یہ ہیں:

○ خانقاہ کی سجّادہ نشینی کا اہل وہ شخص قرار پا سکتا ہے جو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کا ہم عقیدہ ہونے کے ساتھ ساتھ مُستند عالم باعمل ہو انتظامی امور میں بیدار مغز اور ہوشیار ہو۔

○ میرے مقرر کردہ سجادہ نشین یا آئندہ سجادہ نشین میں اگر معاذ اللہ کوئی مذہبی خرابی پیدا ہو جائے، تو اس سجادہ نشین کو مجلسِ عاملہ معزول کر دے اور خانقاہ کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے کر دفعہ ۳ (جس کا ذکر ابھی ۱ پر ہوا ہے) کے مطابق کسی سجادہ نشین کا تقرر کرائے۔

○ ارکان مجلسِ عاملہ کے لئے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کا ہم عقیدہ ہونا ضروری ہے، ورنہ وہ منصب رکنیت سے خارج ہیں۔

آپ کے ارشادات بھی نہایت وقیع ہوتے تھے۔ چند ارشادات ملاحظہ ہوں:

○ مُقرّر اور واعظ کے لئے خشیتِ الٰہی نہایت ضروری ہے۔

○ کامیاب مقرّر وہ ہے جو اللہ و رسول کی رضا کے لئے تقریر کرے، ناکام مُقرر وہ ہے جو عوام میں مقبولیت کے لئے غیر مستند روایتوں اور بے سر و پا قِصّوں کو بیان کرے۔

○ طالب علم کے لئے اُستاذ کی خوشی میں کامیابی ہے اور اس کا ادب ضروری ہے، اور بے ادبی کی وجہ سے فیضان سے محرومی ہے۔

حضرت شعیب الاولیاء نے دو مرتبہ حج و زیارت کی سعادت حاصل کی، دو نکاح کئے ——— اللہ تعالیٰ نے انہیں سات لڑکے اور چار لڑکیاں عطا

فرمائیں - اس وقت تین صاحبزادے حیات ہیں اور تینوں اصحابِ علم ہیں -

۲۲ محرم الحرام ۱۳۸۷ھ / ۱۹۶۷ء کو وہ ہستی دارِ فانی سے رحلت کر کے دارِ بقا چلی گئی، جو علم و عمل اور اخلاص کا پیکر تھی، جو تنِ تنہا ایک انجمن تھی، ایک ادارہ تھی، جس نے اندھیروں میں اسلام کے چراغ روشن کیے، مسلک رضا کا اُجالا دُور دُور تک پھیلایا اور جس کا فیض آج بھی جاری ہے اور اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا، تو صبحِ قیامت تک جاری رہے گا ——— براؤں شریف (انڈیا) میں آپ کا مزار مرجع خلائق ہے ——— رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً[1]

○

---

[1] یہ مختصر مقالہ جناب صاحبزادہ غلام عبدالقادر رابع ایل، ایل ایم علیگ کی تالیف "شعیب الاولیاء، ایک جائزہ" سے ماخوذ ہے، اللہ تعالیٰ انہیں سلامت باکرامت رکھے، آمین!

فقیہ العصر مولانا یار محمد بندیالوی قدس سرہٗ

اُستاذ العلماء، فقیہ العصر مولانا یار محمد بندیالوی ابن میاں شاہنواز (قدس سرہما) ۱۲۹۷ھ/ ۸۰ - ۱۸۷۹ء میں بندیال ضلع خوشاب میں پیدا ہوئے[1] موضع پکہ ضلع میانوالی میں قرآن مجید حفظ کیا۔ بعد ازاں ایک مقامی عالم کے پاس فارسی کی کتابیں پڑھیں۔ اس کے بعد مولانا محمد امیر دامانی رحمہ اللہ تعالیٰ (مصنف قانونچہ امیریہ) سے صرف و نحو کے علاوہ بعض دینی کتابیں پڑھیں۔ پھر مولانا ثناء اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں موضع پنجائن ضلع جہلم حاضر ہوئے اور الفیہ ابن مالک پڑھا۔ فنون عالیہ کی تحصیل مشہور زمانہ استاذ مولانا غلام احمد حافظ آبادی، صدر مدرس جامعہ نعمانیہ لاہور سے کی۔ جامع مسجد فتح پوری، دہلی میں بھی تعلیم حاصل کرتے رہے۔ مزید دینی تعلیم حاصل کرنے کے لیے مرکز اہل سُنّت و جماعت بریلی شریف، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے علالت طبع اور تصنیف و تالیف کی بے پناہ مصروفیات کی بناء پر اُستاذ الکل مولانا ہدایت اللہ خاں جونپوری تلمیذ رشید خاتم الحکماء مولانا علامہ محمد فضل حق خیر آبادی (قدس سرہما) کی طرف راہنمائی فرمائی۔ مولانا یار محمد بندیالوی قدس سرہٗ نے جونپور پہنچ کر معقولات کی منتہی کتب اُفق المبین، شرح اشارات، حواشی جدیدہ

---

[1] غلام مہر علی، مولانا: الیواقیت المہریہ (مطبوعہ مکتبہ مہریہ، چشتیاں شریف ۱۹۶۳ء) ص ۱۰۲

نوٹ: حیات اُستاذ العلماء (مطبوعہ مکتبہ امدادیہ مظہریہ، بندیال، ضلع خوشاب ۱۳۸۹ھ) میں سن ولادت ۱۸۸۷ء لکھا ہے، جس کے مطابق سن ہجری ۵-۱۳۰۴ھ ہے۔ ادوار حیات کے پیش نظر مذکورہ بالا سن ولادت صحیح معلوم ہوتا ہے۔ تذکرہ علمائے اہل سُنّت (مطبوعہ مظفر پور، بہار، انڈیا) مرتبہ مولانا شاہ محمود احمد قادری میں سن ولادت ۱۲۹۷ھ/ ۱۸۸۷ء لکھا ہے، اس میں سن ہجری و عیسوی میں مطابقت نہیں ہے۔

قدیمہ پڑھ کر علوم کی تکمیل کی۔ ان دنوں حضرت صدر الشریعہ مولانا محمد امجد علی رحمہ اللہ تعالیٰ (مصنف بہارِ شریعت) بعض اسباق میں آپ کے ہم درس رہے۔ [1]

مُرشد العصر حضرت مولانا صوفی محمد حسین الٰہ آبادی (م ۸ رجب ۱۳۲۲ھ/ ۱۹ ستمبر ۱۹۰۴ء) خلیفۂ اعظم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہما اللہ تعالیٰ، کے دستِ مبارک پر سلسلۂ عالیہ چشتیہ صابریہ میں بیعت ہوئے اور اڑھائی سال تک بارگاہِ شیخ میں حاضر رہ کر کتبِ تصوف کا درس لیا اور منازلِ سلوک طے کیں، بالآخر اجازت و خلافت سے مُشرف ہوئے۔ [2]

اُستاذ العلماء مولانا ہدایت اللہ جونپوری کے وصال کے بعد مدرسہ حنفیہ میں مدرس مقرر ہوئے [3] بعد ازاں الٰہ آباد، رام پور، بھوپال اور ٹونک کے مدارس میں بیس بائیس سال تک تدریسی فرائض انجام دینے کے بعد مراجعت فرمائے وطن ہوئے اور قریباً تیس ۳۰ برس تک تشنگانِ علم کی علمی پیاس بجھاتے رہے۔

مولانا یار محمد قدس سرہٗ کو قدرت نے غضب کا حافظہ دیا تھا۔ تمام علوم میں حیرت انگیز مہارت رکھتے تھے۔ خاص طور پر فقہ میں یدِ طُولیٰ حاصل تھا۔ مناظرہ میں آپ کو معراجِ کمال حاصل تھا۔ قیامِ ہند کے دوران مولوی اشرف علی تھانوی سے آپ کی ملاقات ہوئی، تو آپ نے پوچھا: ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا اس میں "اسماء" معرّف بلامِ استغراق اور "کلّھا" سے مؤکد ہے، اس کا عموم قطعی ناقابلِ تخصیص ہے۔ یہی علم کلی ہے، تو جو علم نصِ قرآنی کے مطابق آدم علیہ السّلام کے لئے ثابت ہے، اسے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ثابت ماننا کیونکر کفر و شرک ہوگا؟

---

[1] حیات استاذ العلماء، بندیالوی: ص ۱۰، ۱۶

[2] ایضاً: ص ۱۷

[3] محمود احمد قادری، مولانا، تذکرہ علمائے اہل سنّت ص ۲۶۴

تھانوی صاحب نے کہا، حضرت آدم علیہ السّلام کو صرف اسماء کا علم عطا کیا گیا تھا نہ کہ مسمیات کا، لہٰذا یہ علم کلی نہ ہوا۔ مولانا نے فرمایا؛ اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے:
ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِىْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ (الآیۃ)
پھر سیدنا آدم علیہ الصلوٰۃ والسّلام کو فرمایا؛ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ۔ اس سے صراحتۃً پتہ چلتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السّلام کو اسماء اور مسمّیات دونوں کا علم عطا کیا گیا تھا نہ کہ صرف اسماء کا، تھانوی صاحب سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ [1]

استاذ الاساتذہ مولانا یار محمد بندیالوی کی تقریر میں بلا کا سوز تھا۔ تحریک پاکستان شروع ہوئی تو آپ نے پورا زور خطابت مسلم لیگ کی حمایت میں صرف کر دیا۔ اس وقت ضلع سرگودھا اور میانوالی کے اکثر امراء یونینسٹ پارٹی سے تعلق رکھتے تھے اور مسلم لیگ کا نام تک سننا گوارا نہ کرتے تھے، پھر اس علاقہ میں ملک خضر حیات ٹوانہ کا بہت اثر تھا، اس کے باوجود آپ نے علی الاعلان فرمایا؛

"ایک طرف اسلام کا جھنڈا ہے۔ دوسری طرف کفر کا، چونکہ مسلم لیگ مسلمانوں کی جماعت ہے، اس لئے اس سے کٹنا اسلام سے کٹنا ہے۔"

آپ ہر جمعہ نظریۂ پاکستان کے حق میں بیان فرماتے، جس سے متاثر ہو کر سینکڑوں افراد مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔ [2]

حضرت اُستاذ العلماء سے سینکڑوں علماء نے اکتسابِ فیض کیا۔ قیامِ ہند کے دوران جن حضرات نے آپ سے استفادہ کیا، ان کے اسماء کا علم نہیں ہو سکا۔ آپ کی بارگاہِ علمی سے مُستفید ہونے والے چند مشہور تلامذہ کے نام یہ ہیں؛

ملک المدرسین مولانا حافظ عطا محمد گولڑوی دامت برکاتہم العالیہ، شیخ القرآن

---

[1] غلام مہر علی، مولانا؛ الیواقیت المہریہ ص ۱۰۳
[2] حیاتِ استاذ العلماء ص ۴۲

مولانا محمد عبد الغفور ہزاروی رحمہ اللہ تعالیٰ، مولانا علامہ سید سلیمان اشرف قدس سرہٗ خلیفۂ اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ وسابق چیئرمین اسلامک اسٹڈیز مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، مولانا محمد سعید مدظلہ العالی (وال بھچراں ضلع میانوالی) مولانا فتح محمد، مولانا قادر بخش، مولانا عبد الرحیم (کاشغر) مولانا عبد الخالق (سوات) مفتی محمد شفیع دیوبندی (سرگودھا) مولوی احمد شاہ دیوبندی (چھچھ کیمرہ) مولوی غلام یٰسین دیوبندی (وال بھچراں) وغیرہ وغیرہ۔[1]

آپ کے تلامذہ میں سب سے زیادہ فیض رساں شخصیت ملک المدرسین استاذ الاساتذہ مولانا علامہ عطا محمد چشتی گولڑوی دامت فیوضہم العالیہ ہیں۔ دُنیائے اہل سنت پر آپ کا احسانِ عظیم ہے کہ آپ نے افاضل مدرسین کی بہت بڑی جماعت تیار کی ہے۔ آپ کے بالواسطہ اور بلاواسطہ تلامذہ کراچی سے پشاور تک کے مدارس میں گراں قدر تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اس وقت مجاہد تحریکِ آزادی مولانا علامہ محمد فضلِ حق خیرآبادی شہید قدس سرہ العزیز کے سلسلۂ تلامذہ میں سب سے عظیم مدرّس آپ کی ذاتِ گرامی ہی ہے۔

استاذ العلماء حضرت مولانا یار محمد بندیالوی کا وصال ۲۲ محرّم، ۶ دسمبر (۱۳۶۷ھ/۱۹۴۷ء) کو ہوا۔ آپ کا مزارِ انور بندیال کی جنوبی جانب مرجع خلائق ہے[2] آپ کے مزارِ اقدس پر آپ کے تلمیذِ ارشد حضرت مولانا عطا محمد چشتی گولڑوی مدظلہ العالی کا درج ذیل قطعہ کندہ ہے ؎

شُدہ اُورا یدِ طُولیٰ بہ منقول ۔۔۔ بُدہ در مرتبہ اُولیٰ بہ معقول
دِلش روشن زانوارِ الٰہی ۔۔۔ بیانش گنجِ اسرارِ الٰہی
دَرانُ غابَ وَلٰکن صَوفشاں ماند ۔۔۔ سراجِ صد ہزاراں زونشاں ماند

---

[1] حیات استاذ العلماء: ص ۴۰
[2] ایضاً: ص ۴۳

ہمہ عمرش بزُہد و اِتقا رفت
عطا گویدبہ عشقِ مصطفےٰ رفت (صلی اللہ علیہ وسلم)

آپ کی اولاد میں سے اس وقت دو صاحبزادے صاحبِ علم وفضل تشریف فرما ہیں۔

۱۔ فقیہ جلیل مولانا محمد عبدالحق مدظلہ العالی مہتمم دارالعلوم امدادیہ مظہریہ بندیال

۲۔ حضرت مولانا محمد فضل حق مدظلہ العالی

دارالعلوم امدادیہ مظہریہ (بندیال شریف) دورِ حاضر میں علومِ دینیہ کی وہ عظیم یونیورسٹی ہے، جہاں پاکستان بھر کے محنتی اور شائق طلباء کھینچے چلے آرہے ہیں اور شب و روز علوم دینیہ کی تحصیل میں محو ہیں۔ مجھے حضرت مبلغِ اسلام مولانا شاہ محمد عارف اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا وہ فرمان آج تک نہیں بھولا، جو میں نے دورانِ تعلّم واں بھچراں میں سُنا تھا، انہوں نے فرمایا تھا:

"بندیال میں علم پڑھایا نہیں جاتا، پلایا جاتا ہے۔"

مولائے کریم حضرت استاذ العلماء رحمہ اللہ تعالیٰ کے فیوض و برکات کو تاقیامت جاری وساری رکھے۔ آمین!

ضمیمہ باغی ہندوستان

فقیہ العصر حضرت مولانا علامہ یار محمد بندیالوی رحمہ اللہ تعالیٰ استقامت و مستقل مزاجی کا کوہ گراں تھے، انہیں کسی قسم کی ترغیب راہِ حق سے برگشتہ نہیں کر سکتی تھی۔ ایک دفعہ علاقہ کے امراء کا ایک وفد آپ کے پاس آیا اور دُنیاوی منفعت کا لالچ دے کر پیش کش کی کہ آپ مسلم لیگ کی حمایت چھوڑ دیں، ہم آپ کا ہر مطالبہ پورا کرنے کے لئے تیار ہیں۔ اس کے ساتھ ہی دھمکی دیتے ہوئے کہا کہ اگر آپ نے مسلم لیگ کی حمایت جاری رکھی تو حالات خراب ہو جائیں گے

حضرت علامہ بندیالوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فقیر اپنا جھونپڑا تو کہیں اور بنا سکتا ہے لیکن مسلم لیگ کی حمایت ترک نہیں کر سکتا۔ مجھے اللہ تعالیٰ اور اُس

کے حبیبِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی محبت کے مقابلے میں تمہاری کوئی پروا نہیں ہے یہ دینی معاملہ ہے، میں کل اللہ تعالیٰ اور اُس کے حبیبِ مکرّم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی بارگاہ میں کیا جواب دوں گا؟ تم میرے ایمان کی قیمت لگانے آئے ہو؟ جاؤ آج میں تم سے دُور ہوں، تم مجھ سے دُور ہو جاؤ۔"

آپ نے اپنے جانشین حضرت صاحبزادہ علامہ محمد عبد الحق بندیالوی مدظلہ العالی کو بھی تحریکِ پاکستان کی بھرپور حمایت کی ہدایت فرمائی۔ چنانچہ انہوں نے نوجوانی کے عالم میں پوری بے باکی کے ساتھ تحریکِ پاکستان کے حق میں تقریریں کیں اور قیامِ پاکستان کا راستہ ہموار کیا۔

دار العلوم جامعہ امدادیہ مظہریہ، بندیال شریف ضلع خوشاب کے فضلاء اور فیض یافتہ حضرات کی فہرست تو بہت طویل ہے۔ ذیل میں چند فضلائے جامعہ کے اسماء پیش کئے جاتے ہیں، جن سے جامعہ کی عظیم علمی خدمات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے:

شیخ الحدیث مولانا علامہ محمد اشرف سیالوی (سیال شریف)، جامع معقولات و منقولات علامہ غلام محمد تونسوی (جھنگ)، علامہ غلام رسول سعیدی مدظلہ شارح مسلم (کراچی)، صاحبزادہ ابو الخیر محمد زبیر (حیدرآباد)، صاحبزادہ علامہ محمد محب اللہ نوری (بصیر پور)، علامہ مقصود احمد قادری (خطیب داتا دربار، لاہور)، مفتی محمد رفیق حسنی (کراچی)، مولانا محمد ابراہیم (جامعہ غوثیہ بھکھر)، مولانا محمد فضل سُبحان (مردان)، مولانا پیر محمد (پشاور)، صاحبزادہ سردار احمد (کھرپیڑ شریف)، پیر سید غلام حبیب شاہ (وڑچھہ شریف)، صاحبزادہ نُور سُلطان قادری (بھکھر)، علامہ علی احمد سندیلوی (لاہور)، مولانا محمد عبد الرحمٰن حسنی، مولانا محمد اسماعیل حسنی (شاہ والا)، مولانا محمد یعقوب (راولپنڈی)، حضرت مولانا

عبدالرشید قریشی (راولپنڈی) مولانا قاری جان محمد (لاہور) مولانا محمد رشید نقشبندی (لاہور) مولانا امام الدین (فاروق آباد) اور راقم الحروف محمد عبدالحکیم شرف قادری (لاہور) وغیرہم۔

آج استاذ الاساتذہ مولانا یار محمد بندیالوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے جانشین فقیہ العصر حضرت مولانا صاحبزادہ محمد عبدالحق بندیالوی مدظلہ جامعہ امدادیہ مظہریہ کے سربراہ ہیں۔ آپ کا علمی اور روحانی فیض جاری وساری ہے۔ آپ کی علمی جلالت سے علاقہ بھر کے بدعقیدہ لوگ مرعوب ہیں۔ آپ کے تمام صاحبزادگان صاحبِ علم وعمل اور شرافت کا پیکر ہیں۔ بڑے صاحبزادے علامہ مظہر الحق بندیالوی جامعہ میں تدریسی فرائض انجام دینے کے ساتھ ساتھ انجمن غلامانِ مصطفیٰ کے صدر کی حیثیت سے تقریر وتحریر کے ذریعے دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ صاحبزادہ محمد ظفر الحق بندیالوی، گورنمنٹ کالج جوہر آباد میں لیکچرر ہیں اور اپنی بہترین صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے زبان وقلم سے دینِ متین کا پیغام ہر خاص وعام کو پہنچا رہے ہیں۔ مولائے کریم حضرت استاذ العلماء رحمہ اللہ تعالیٰ کے فیوض وبرکات کو تا قیامت جاری وساری رکھے۔ آمین!

ضمیمہ باغی ہندوستان

عالمِ ربّانی، مجاہدِ اسلام مولانا علامہ سیّد یوسف سیّد ہاشم رفاعی (کویت)

مکہ معظمہ کے جلیل القدر محدث فضیلۃ الشیخ علامہ سیّد محمد علوی مالکی مدظلہ عالم اسلام کی جانی پہچانی علمی شخصیت ہیں اور اپنے والد ماجد حضرت شیخ سید علوی ابن عباس مالکی کے جانشین ہیں۔ حرمِ کعبہ میں حدیث شریف کا درس دیتے ہیں۔ شام، الجزائر، تیونس، مصر، مراکش، انڈونیشیا، ہندوستان، برطانیہ، کناڈا وغیرہ کی علمی کانفرنسوں میں شریک ہوکر فاضلانہ تحقیقی مقالے پیش کرچکے ہیں، ان کی ستر سے زیادہ تصانیف زیورِ طبع سے آراستہ ہوکر اہلِ علم سے خراجِ تحسین حاصل کرچکی ہیں۔ چند سال قبل ان کی معرکۃ الآرا تصنیف الذخائر المحمدیۃ طبع ہوکر منظرِ عام پر آئی تھی۔ دیگر تصانیف کی طرح ان کی اس تصنیف مبارک کے ایک ایک صفحے سے علم و تحقیق کے انوار پھوٹتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں، ایک ایک سطر سے اللہ تعالیٰ کے پیارے حبیب، سیّد الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علیہم وسلّم کی محبّت وعقیدت کی خوشبو مہکتی ہے جو قاری کے ایمان و ایقان کو معطر کرجاتی ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے حضور سیّدِ عالم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے فضائل ومناقب قرآن وحدیث اور ارشاداتِ سلف کے حوالے سے پیش کئے ہیں۔ مسئلہ توسّل، روضۂ مبارکہ کی زیارت اور محفلِ میلاد منعقد کرنے کے جائز اور مستحسن ہونے پر دلائل دیتے ہیں۔

ان مسائل میں نجدی علماء کا اختلاف کسے معلوم نہیں۔ مسلکِ اہل سُنّت کی مؤید سیّد محمد علوی مالکی کی تصانیف سے وہ پہلے ہی چیں بجبیں بیٹھے ہوئے تھے۔ اس کتاب کے دیکھتے ہی ان کا پیمانہ صبر لبریز ہوگیا۔ شیخ عبدالعزیز بن باز کے دستِ راست شیخ عبداللہ بن منیع نجدی نے حوار مع المالکی کے نام سے اڑھائی سو صفحات کی ایک کتاب لکھی، جو ریاض میں ادارات البحوث العلمیۃ والافتاء والدّعوۃ والارشاد کی طرف سے

شائع ہوئی، اب تک اس کے کئی ایڈیشن چھپ کر تقسیم ہو چکے ہیں۔ اس کتاب میں تمام علمی، اخلاقی اور شرعی احتیاطوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے نہ صرف علامہ سید محمد علوی مالکی کے نسب پر طعن کیا گیا ہے، بلکہ انہیں بدعتی، کافر اور مشرک تک قرار دیا گیا ہے۔ سعودی عرب دُنیا کی وہ واحد مملکت ہے، جہاں اہلِ ایمان و محبت کو اپنے گھر کی چار دیواری میں بھی محفل میلاد منعقد کرنے سے حکماً منع کیا جاتا ہے اور اس سلسلے میں ہر سختی روا رکھی جاتی ہے۔ نجدی علماء، سعودی حکومت میں اپنے تمام تر اثر و رُسوخ کے باوجود کھُلے میدان میں یا ٹیلی ویژن پر سید محمد علوی مالکی کا سامنا کرنے کی جرأت نہیں کر سکے۔ اگر انہیں اپنے موقف کی حقانیت کا اتنا ہی یقین تھا، تو ٹیلی ویژن پر علامہ سید محمد علوی مالکی سے مناظرہ کرتے، ناظرین خود سچے اور جھوٹے کا فرق معلوم کر لیتے۔ بجائے اس کے قلم و قرطاس کا سہارا لینا اس امر کی غمازی کرتا ہے کہ ان لوگوں میں علمی طور پر کتنا دم خم ہے؟

حضرت علامہ سید محمد علوی مالکی نے اس کتاب کا جواب دینا مناسب نہیں جانا، البتہ کویت کے معروف سکالر سید یوسف ہاشم رفاعی، بحرین کے شیخ راشد بن ابراہیم المریخی، مغرب کے دو عالموں علامہ عبدالحی العمروی اور علامہ عبدالکریم مراد نے حوار مع المالکی کے رد میں کتابیں لکھیں اور بتا دیا کہ عالمِ اسلام میں علماء نجد کے عقائد کو کس ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

پیشِ نظر کتاب علامہ سید یوسف ہاشم رفاعی مدظلہ کی تصنیف ادلۃ اہل السنۃ والجماعۃ کا اُردو ترجمہ ہے، جو محمد عبدالحکیم شرف قادری نے کیا ہے۔

ے ابوبکر جابر الجزائری وجاءوا یرکضون ص ۷

کچھ مصنّف کے بارے میں

علامہ سید یوسف ہاشم رفاعی، کویت کے متبحر عالم دین اور بین الاقوامی شہرت و مقبولیت کے حامل ہیں۔ ان کا سلسلۂ نسب عارف باللہ حضرت سید احمد رفاعی کبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملتا ہے۔ علامہ رفاعی جمادی الاولیٰ ۱۳۵۱ھ / ۱۹۳۲ء میں کویت میں پیدا ہوئے۔ ۲۲ مئی ۱۹۴۷ء کو مڈل کی سند امتیازی پوزیشن کے ساتھ حاصل کی۔ ۵۶-۱۹۵۵ء میں میٹرک کی سند حاصل کی۔ ۱۹۷۰ء میں کویت یونیورسٹی کے افتتاح کے بعد دوران ملازمت، کلیۃ الآداب کے شعبۂ تاریخ سے بی۔ اے کی سند حاصل کی۔ دو بیویوں سے ان کے چھ لڑکے اور نو لڑکیاں ہیں۔

انہوں نے ملازمت کا آغاز وزارتِ داخلہ سے کیا۔

۱۹۶۳ء میں مجلس الامّۃ کے رکن منتخب ہوئے۔ کویت کی آزادی کے بعد قائم ہونے والی یہ پہلی سیاسی جماعت ہے۔ بعد میں اس جماعت کے مشیر مقرر ہوئے۔ ۱۹۶۴ء میں ڈاک، بجلی اور مواصلات کے محکمہ کے وزیر مقرر ہوئے۔ ۱۹۶۵ء سے ۱۹۷۰ء تک کویت کی مجلس وزراء کے ہوم منسٹر، بلدیہ اور ٹاؤن کمیٹی کے چیئرمین رہے اس کے ساتھ ساتھ کویت کی مجلس الامّۃ کے رکن بھی رہے۔ مغرب، مصر اور سوڈان کی بڑی بڑی کانفرنسوں میں کویت کے وزیر کی حیثیت سے شریک ہوئے۔ اس کے علاوہ پاکستان، ہندوستان اور سعودی عرب کی بین الاقوامی کانفرنسوں میں بھی شرکت کی۔

علامہ رفاعی تبلیغِ اسلام کا فریضہ پورے جوش و خروش سے انجام دیتے ہیں۔ ریڈیو، ٹیلیویژن، مقامی اخبارات و جرائد، عوامی اجتماعات اور بین الاقوامی اسلامی کانفرنسوں میں اسلام کا پیغام پھیلانے میں ہر جگہ پیش پیش نظر آتے ہیں —— علامہ رفاعی، مؤتمر عالمِ اسلامی کی کراچی کی شاخ کے ممبر بھی ہیں۔

۱۹۷۳ء میں انہوں نے جامعہ ازہر، مصر کے انداز پر دیگر علوم کے پہلو بہ پہلو علوم دینیہ اور علوم عربیہ کی تعلیم کے لئے ایک مدرسہ معہد الایمان الشرعی قائم کیا، جہاں ابتداء سے لے کر ایف۔اے تک تعلیم دی جاتی ہے۔ یہ ادارہ حکومت کویت کی طرف سے منظور شدہ ہے۔

۱۹۸۰ء میں انہوں نے بنگلہ دیش کے مسلمانوں کی امداد کے لئے ایک جماعت الجمعیۃ الکویتیہ قائم کی، جس نے بنگلہ دیش میں متعدد مسجدیں، مدرسے اور ہسپتال قائم کئے۔ نیز اپنے دوست استاذ عبدالرحمٰن ولایتی کے تعاون سے ایک جریدہ البلاغ شائع کیا۔ کویت، جزیرہ اور خلیج عربی میں یہ پہلا اسلامی اور سیاسی ہفت روزہ ہے، جو آج بھی دین متین کی خدمت انجام دے رہا ہے۔

جن دنوں علامہ رفاعی، مجلس الامۃ کے رُکن تھے، اس وقت اپنے ساتھی اراکین کی قیادت کرتے ہوئے شراب پر پابندی عائد کرنے کا قانون پاس کرایا، یونیورسٹی اور کالج میں مخلوط تعلیم کی مخالفت کی، اس کے علاوہ اسلام کے منافی اور مسلمانوں کے مفاد کے خلاف امور کی شدّومد سے مخالفت کی۔ [۱]

علامہ رفاعی، اسلامی فکر رکھنے والے بہترین خطیب ہیں، عربی تو اُن کی مادری زبان ہے، انگریزی زبان میں بھی پوری روانی کے ساتھ اظہارِ خیال کی قدرت رکھتے ہیں، ان کی تصانیف کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ وہ دقیق النظر اور وسیع مطالعہ رکھنے والے محقق ہیں، مسلکِ اہل سنّت وجماعت کی نصرت وحمایت کا جذبہ اُن کے مزاج میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ اندازِ بیان میں علمی تحقیقی اور انصاف و دیانت کا رنگ نمایاں دکھائی دیتا ہے۔ متانت اور شائستگی کا یہ عالم ہے کہ مخالفین کا ردّ کرتے ہوئے بھی حکیمانہ اور ناصحانہ لب ولہجہ اختیار کرتے ہیں۔ تعصب اور

---

[۱] مکتوب علامہ سید یوسف ہاشم رفاعی، بنام راقم الحروف، تحریر

جانبداری سے ہٹ کر ان کی تحریرات کا مطالعہ کیا جائے تو اُن کے مؤقف کو صحیح تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں رہتا۔

علامہ رفاعی اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود تصنیف و تالیف کے لئے بھی وقت نکال لیتے ہیں۔ اس وقت ہمارے سامنے جو تصانیف موجود ہیں، ان کے نام یہ ہیں:

۱۔ ادلۃ اہل السنۃ والجماعۃ: اس کا کسی قدر تفصیلی تعارف آئندہ سطور میں پیش کیا جائے گا۔

۲۔ خواطر فی السیاسۃ والمجتمع: ۱۰۸ صفحات کی یہ کتاب ۱۹۸۵ء میں دار القرآن الکریم، کویت نے شائع کی۔ یہ علامہ رفاعی کے ان سیاسی اور مذہبی بیانات کا مجموعہ ہے جو کویت اور عالم اسلام سے متعلق اخبارات اور جرائد میں شائع ہوتے رہے۔ خصوصاً ۱۹۸۰ء میں لبنان پر اسرائیلی حملے کے موقع پر دیئے جانے والے بیانات اس کتاب میں محفوظ کر دیئے گئے ہیں۔ محفل میلاد شریف کے جائز اور مستحسن ہونے پر دو بیان ہیں جو سعودی عرب کے شیخ بن باز کے رد میں جاری کئے گئے۔

۳۔ رسالۃ فی ادلۃ القنوت فی صلاۃ الفجر: نماز فجر میں دعائے قنوت پڑھنے کا اثبات۔

پیش نظر کتاب (اسلامی عقائد)

اس سے پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ فضیلۃ الشیخ علامہ سید محمد علوی مالکی کی تصنیف الذخائر المحمدیہ کے رد میں نجد کے شیخ عبداللہ بن منیع نے ایک کتاب حوار مع المالکی لکھی، اس کے جواب میں فضیلۃ الشیخ علامہ سید یوسف ہاشم رفاعی نے پیش نظر کتاب ادلۃ اہل السنۃ والجماعۃ تحریر کی۔ اس کا دوسرا نام الرد المحکم المنیع علی منکرات وشبہات ابن منیع فی تھجمہ علی السید محمد علوی المالکی المکیؒ ہے، جس سے

اس کا مقصد پوری طرح واضح ہو جاتا ہے۔

یہ کتاب مقدمہ، خاتمہ اور دس فصلوں پر مشتمل ہے، جن کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ حوار پر ردّ سے پہلے چند گزارشات

۲۔ حوار کے شبہات اور اس کی غلط باتوں کا رد

۳۔ حضور نبی اکرم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم اور علمِ غیب

۴۔ سیّدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کا مرتبہ و مقام

۵۔ حضور نبی اکرم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی عظمت سے متعلق شبہات اور ان کا ازالہ

۶۔ تبرّک، شرک اور بدعت نہیں ہے

۷۔ توسّل

۸۔ چند شبہات اور اُن کا جواب

۹۔ سُنّت اور بدعت

۱۰۔ میلاد شریف

خاتمہ

ہمیں تسلیم ہے کہ اس وقت دین کی بنیادی تعلیمات سے غفلت اور بے خبری جس قدر بڑھ چکی ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ علماء اور مشائخ ـــــ اپنی تمام تر توانائیاں دین کی بنیادی تعلیمات کی تبلیغ و اشاعت پر صرف کر دیں، تب ہی لادینیت، بے عملی اور بد عملی کا سدِّ باب ہو سکے گا، لیکن اس ناروا تشدّد کا کیا علاج؟ کہ اِن بُرائیوں کی طرف توجہ ہی نہ دی جائے، جو اُمّتِ مسلمہ کے نزدیک بالاتفاق ناجائز اور حرام ہیں اور سارا زورِ علمی ان معمولات کو بدعت، حرام اور شرک قرار دینے پر صرف کر دیا جائے جو صدیوں سے تمام عالمِ اسلام میں نہ صرف رائج ہیں، بلکہ مستند علماء دین انہیں جائز اور مستحسن قرار دیتے آئے ہیں، اس بیجا تعصّب اور تشدّد کی فضا میں علماء اسلام کی ذمّہ داری ہے کہ وہ حق کی حمایت کریں اور باطل کے سامنے سینہ سپر ہو جائیں۔ یہی

وہ فریضہ ہے، جو مکہ مکرمہ میں علامہ سید محمد علوی مالکی، کویت میں علامہ سید یوسف ہاشم رفاعی، بحرین کے شیخ راشد بن ابراہیم المریخی، مغرب کے علامہ عبدالحی العمروی اور علامہ عبدالکریم مراد انجام دے رہے ہیں۔

حال ہی میں علامہ سید محمد علوی مالکی کی گرانقدر تصنیف مفاہیم یجب ان تصحح پہلے مصر اور پھر پاکستان میں چھپی ہے جس پر عالم اسلام کے جلیل القدر علماء کرام اور رابطۂ عالمِ اسلامی، مکہ مکرمہ کے اراکین کی وقیع تقریظات ہیں، مثلاً رابطۂ علمائے مغرب کے صدر سید عبداللہ کنون حسنی، متحدہ عرب امارات کے وزیرِ اوقاف شیخ محمد خزرجی، تونس کلیۃ الشریعہ کے سربراہ شیخ محمد شاذلی نیفر، موریتانیہ کے رابطۂ اسلامیہ کے سیکرٹری شیخ محمد خال بنانی، اور محکمہ علیا کے سربراہ شیخ محمد سالم عدود، بحرین کے شیخ یوسف بن احمد صدیقی، مراکش کی مجلس علماء کے صدر، فاروقی رحالی، مغرب کے عظیم محدث شیخ سید عبداللہ بن محمد بن الصدیق الغماری، انڈونیشیا کے مرکزِ اسلامی کے صدر، سید محمد بن علی حبشی، حضرموت کے مفتی حبیب عبدالقادر سقاف، حدیدہ کے علامہ سید ابراہیم بن عقیل، مصر کے سابق مفتی شیخ حسنین محمد مخلوف وغیرہم نے نظم و نثر میں مفاہیم یجب ان تصحح کو زبردست خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔

اس کتاب اور اس پر لکھی جانے والی تقریظات کے مطالعہ سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ نجدی علماء کا یہ دعویٰ بالکل بے بنیاد ہے کہ دنیائے اسلام کے اہلِ علم، عقائد میں ان کے ہم نوا ہیں اور اس پروپیگنڈے کی قلعی بھی کھل جاتی ہے کہ امام احمد رضا بریلوی نے کسی نئے فرقے کی بنیاد رکھی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے تمام زندگی انہی عقائد و معمولات کی تبلیغ و حمایت میں گزاری ہے، جن کے دنیا بھر کے علماء، نجدی علماء کے علاوہ قائل و عامل ہیں۔

فضیلۃ الشیخ سید یوسف ہاشم رفاعی اور بحرین اور مغرب کے علماء کی تصانیف کے جواب میں شیخ ابوبکر جابر الجزائری نے ایک رسالہ لکھا ہے، جس کا نام ہے:

وجاؤا یرکضون !!! مہلا یا دعاۃ الضلالۃ !! (اچھلتے کودتے ہوئے آئے! ٹھہرو! گمراہی کے داعیو!) اس کتاب کے نام سے ہی اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کوئی علمی اور تحقیقی کتاب نہیں ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ سکول یا کالج کے بچے آپس میں کسی بات پر جھگڑ رہے ہیں اور ایک دوسرے کو چیلنج دے رہے ہیں۔ کتاب کے مطالعہ سے اس تاثر کی تائید ہوتی ہے۔ شیخ رفاعی اور دیگر علماء نے جس عالمانہ وقار اور متانت سے براہین و دلائل کے ساتھ گفتگو کی ہے، اس کے برعکس اس کتاب کا انداز عامیانہ اور جھگڑالو پن کا رنگ لئے ہوئے ہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں:

"میرا رسالہ اور ابن منیع کی کتاب کیا شائع ہوئی کہ یہ علماء جن کا پہلے ذکر کیا جا چکا ہے، حرکت میں آگئے اور لگے فتنے کی آگ کو بھڑکانے، جب کہ فتنہ سویا ہوا تھا۔ اسے جگانے والے پر اللہ کی لعنت" [1]

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

حقیقت یہ ہے کہ بحرین کے عالم (شیخ راشد بن ابراہیم المریخی) نے جو میرے رسالہ "کمال الامۃ" پر رد کیا ہے اور اس پر جو عنوانات قائم کئے ان سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ یا تو جاہل ہے یا مکار اور خبیث رافضی [2]

شیخ ابوبکر الجزائری کو اس حقیقت کا شعور نہیں ہے کہ جس شخص کا دامن دلائل سے خالی ہو، وہ سب و شتم کے ذریعے دنیا کی آنکھوں میں دھول نہیں جھونک سکتا اور نہ ہی گالی گلوچ سے اپنی حقانیت منوا سکتا ہے۔ اس کے برعکس فضیلۃ الشیخ سید یوسف رفاعی کی پیش نظر کتاب اول سے آخر تک پڑھ جائیے آپ کو ایک ایک سطر میں علم و تحقیق، حق و صداقت متانت اور شائستگی کا جلوۂ زیبا نظر آئے گا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں حق پر قائم رکھے اور اس کی اشاعت و تبلیغ کی توفیق عطا فرمائے، اور تمام اُمتِ مُسلمہ کو صراطِ مستقیم اور راہِ ہدایت پر متفق و متحد فرمائے۔

---

[1] ابوبکر جابر الجزائری: وجاؤا یرکضون ص ۸ [2] ایضاً: ص ۲۱

باب نمبر3

تاثرات و مختصرات

ماہنامہ انوار الفرید، ساہیوال، اگست، ستمبر ۱۹۹۴ء

" وہ تو صحرا کو گلشن بنانے والا پھول تھا، توقع تھی کہ اس کی مہک ایک عالم کو معطّر کرے گی۔"

حضرت مولانا محمد عبد الحکیم شرف قادری جامعہ نظامیہ رضویہ کے تاثرات

مولانا علامہ اطہر فرید شاہ رحمہ اللہ تعالیٰ (ساہیوال)

محترم و مکرم حضرت علامہ مولانا منظور احمد شاہ صاحب مدظلہ العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

مولانا محمد منشا تابش قصوری صاحب زید مجدہٗ سے مولانا علامہ صاحبزادہ اطہر فرید رحمہ اللہ تعالیٰ کے وصال پُرملال کی جانکاہ خبر ملی، جس نے دل و دماغ کو ہلا کر رکھ دیا، اِنّا للمولیٰ تعالیٰ واِنّا الیہ راجعون۔ اگرچہ ہر شخص کے انتقال کا وقت مقرّر ہے اور موت سے کسی کو مفر نہیں، لیکن ایک جواں سال ہونہار، صالح و متقی عالمِ دین کا اچانک داغِ مفارقت دے جانا عظیم صدمے کا باعث ہوتا ہے۔ وہ تو صحرا کو گلشن بنانے والا پھول تھا، توقع تھی کہ اس کی مہک ایک عالم کو معطّر کرے گی، مگر کسے معلوم تھا کہ وہ اپنی تمام تر رعنائیوں سمیت ناگہانی طور پر رُوپوش ہو جائے گا

آقائے دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

اِنَّ لِلّٰہِ ما اخذ ولہٗ ما اعطیٰ وکل شیئٍ عندہٗ الیٰ اجلٍ مسمّیٰ۔

۹ر جولائی ۱۹۹۴ء والسلام!

شریکِ غم و دعا، محمد عبد الحکیم شرف قادری

تاریخ وفات ۱۴ر محرم الحرام، ۲۵ر جون، ۱۴۰۵ھ / ۱۹۹۴ء

ماہنامہ انوارِ الفرید، ساہیوال، شمارہ اگست ستمبر ۱۹۹۴ء میں یہ مکتوب شائع ہوا۔

فقیہ العصر، پیکرِ تقدس حضرت مولانا تقدس علی خاں رحمہ اللہ تعالیٰ

شیخ الجامعہ جامعہ راشدیہ، پیر جو گوٹھ، سندھ

حضرت اُستاذ العلماء، فقیہِ عصر، یادگارِ امام احمد رضا بریلوی، مولانا تقدس علی خاں قدس سرہ العزیز علم، عمر، فضل و شرف اور دینی خدمات کی بناء پر صفِ اوّل کے علماء میں سے تھے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ کے چچا زاد بھائی مولانا سردار ولی خاں نوری (متوفی ۶ صفر، ۱۸ر فروری، ۱۳۹۵ھ/ ۱۹۷۵ء) کے صاحبزادے، حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں رحمہ اللہ تعالیٰ کے شاگرد، اور داماد، دار العلوم منظرِ اسلام، بریلی شریف کے سابق مہتمم، جامعہ راشدیہ، پیر جو گوٹھ، سندھ کے شیخ الجامعہ، پیر صاحب پاگارہ اور سینکڑوں علماء کے استاذ تھے۔

حضرت صاحب متبحر عالمِ دین، مخدومِ اہلِ سُنّت اور حضور سیدِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت سے سرشار تھے۔ آخر عمر میں شوگر کا عارضہ ہو گیا تھا۔ فرمایا کرتے تھے کہ مدینہ منورہ جا کر خوب میٹھی چیزیں اور حلوہ وغیرہ کھاتا ہوں اور اس سے کچھ نقصان نہیں ہوتا، کوئی تکلیف ہوتی، فرماتے: آبِ زمزم مل جائے تو مجھے افاقہ ہو جائے گا۔ حافظہ اس غضب کا تھا کہ راقم، پہلی مرتبہ ملا، تعارف ہوا۔ پھر تقریباً ایک سال بعد ملاقات ہوئی، فوراً پہچان لیا۔

باوجودیکہ بیوی، بچے، بھائی اور والد صاحب سب وصال فرما گئے اور آپ تنِ تنہا رہ گئے تھے، لیکن ہر وقت ہشاش بشاش رہتے، بلکہ ان کی خدمت میں حاضر

ہونے والا بھی غم و آلام کو بھول کر دل شاد اور خوش وقت ہو جاتا تھا۔ چہرے پر وہ ملاحت اور دل کشی کہ صرف بچوں کے چہرے پر ہی دیکھی جا سکتی، بلند ہمت اتنے کہ طویل طویل سفر تن تنہا بغیر کسی پریشانی کے کرتے اور فرمایا کرتے تھے کہ میرے ساتھ سفر میں فرشتے چلا کرتے ہیں، وہ جہاں بیٹھتے محفل جم جاتی اور وہ جانِ محفل ہوتے تھے۔

اعلیٰ حضرت، امامِ اہلِ سنّت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ سے محبت و عقیدت کا عالم دیدنی تھا، وہ اُن کی عظمت اور تبحر اور حضور سرورِ دو عالم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلّم کی محبت اور اتباع کے چشم دید گواہ تھے۔

راولپنڈی میں ایک ملاقات کے موقع پر فرمایا: ہمارا خیال تھا کہ المحجۃ المؤتمنہ اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کی آخری تصنیف ہے، لیکن ردِّ مرزائیت میں آپ کا رسالہ الجراز الدیانی دیکھنے سے اندازہ ہوا کہ وہ آخری رسالہ ہے، لیکن افسوس کہ میں مدینہ منوّرہ سے اپنے ساتھ لا نہیں سکا۔ پھر بریلی شریف تشریف لے گئے اور واپسی پر وہ رسالہ راقم کو دے گئے اور فرمایا کہ صرف یہ رسالہ حاصل کرنے کے لئے مجھے پیلی بھیت جانا پڑا تھا، ایسے عظیم انسان اور سراپا شفقت و محبت پھر کہاں ملیں گے[1] والسلام!

۱۱ ربیع الاوّل ۱۴۰۹ھ
۲۴ اکتوبر ۱۹۸۸ء

محمد عبد الحکیم شرف قادری

---

[1] تاریخ انتقال: ۳ رجب، ۲۲ فروری ۱۴۰۸ھ / ۱۹۸۸ء
یہ تاثر "پیکرِ تقدّس" مطبوعہ رضا اکیڈمی، لاہور ۱۹۸۹ء میں شائع ہوا۔

مکتوبِ تعزیت:

بسمِ اللّٰہِ الرحمٰنِ الرحیمِ ط

حضرت مفتیِ اعظم پاکستان، شیخ الحدیث و التفسیر مولانا مفتی تقدس علی خاں قدس سرہٗ ملّتِ اسلامیہ کے نامور عالمِ دین، شیخِ طریقت، سایۂ رحمت اور سراپا برکت تھے۔ وہ پیکرِ تقویٰ و تقدس اور سلف صالحین کی زندہ و جاوید یادگار تھے۔ وہ امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ کے خاندان کے یکتائے روزگار فرد اور پاکستان میں اُن کے علمی و رُوحانی جانشین تھے۔ تحریکِ پاکستان اور اس کے بعد اٹھنے والی ہر دینی و اسلامی تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا اور آخر عمر تک خدمتِ دینِ متین میں مصروف رہے۔

اللہ تعالیٰ اور اُس کے حبیب اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت ان کے رگ و پے میں رچی ہوئی تھی۔ یہی ولولہ اُنہیں ہمیشہ مصروفِ عمل رکھتا تھا۔ پیرانہ سالی اور علالت ایسے عوارض اُن کی راہ میں حائل نہیں ہو سکتے تھے۔ یہی نہیں، بلکہ ہمیشہ اپنے متعلقین کو بھی مصروفِ عمل رکھتے اور ان کی حوصلہ افزائی میں کبھی تساہل نہ فرماتے۔

حضرت کا دارِ فانی سے رحلت فرما جانا ایک ایسا سانحہ ہے جس کی تلافی نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ حضرتِ اقدس کے فیوض و برکات کو تا قیامِ قیامت جاری و ساری رکھے۔ ہماری دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ جامعہ راشدیہ پیر جو گوٹھ، مسجدِ رضا پیر جو گوٹھ، ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کراچی، مسجدِ رضا و مجلسِ رضا، لاہور، رضا اکیڈمی، لاہور، جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور، مکتبہ قادریہ، لاہور اور جامعہ راشدیہ سے متعلق بیسیوں ادارے جن کی آپ سرپرستی فرماتے رہے، شاہراہِ ترقی و کامرانی پر گامزن ہیں اور پھلتے پھولتے رہیں۔

حافظ عبدالستار سعیدی
ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ
لاہور

محمد عبدالقیوم ہزاروی
ناظمِ اعلیٰ جامعہ نظامیہ رضویہ
و تنظیم المدارس پاکستان، لاہور

محمد عبدالحکیم شرف قادری
۹ رجب ۱۴۰۸ھ
۲۸ فروری ۱۹۸۸ء

حضرت علامہ مولانا محمد جلال الدین قادری مدظلہ (کھاریاں)

حضرت مولانا محمد جلال الدین قادری، تحصیل کھاریاں، ضلع گجرات کے ایک گاؤں چوہدرو میں یکم جمادی الاخریٰ، ۲۹ جولائی ۱۳۵۷ھ/۱۹۳۸ء کو پیدا ہوئے اُن کے والد ماجد مولانا خواجدین نجدی رحمہ اللہ تعالیٰ درویش منش اور متقی شخصیت تھے۔

ناظرہ قرآن مجید اور فارسی کی ابتدائی کتابیں اپنے تایا مولانا فضل الدین رحمہ اللہ تعالیٰ سے پڑھیں ——— شعبان / مارچ ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۸ء میں میٹرک پاس کرنے کے بعد درسِ نظامی پڑھنے کے لئے پہلے جامعہ غوثیہ، لالہ موسیٰ، پھر دارالعلوم نقشبندیہ، علی پور سیداں میں داخل ہوئے ——— مولانا غلام رسول گجراتی، مولانا غلام یوسف گجراتی، اور مولانا غلام رسول قادری نوشاہی سے درسِ نظامی کی کتابیں پڑھیں اور دارالعلوم غوثیہ نظامیہ، وزیر آباد میں شیخ الجامعہ علامہ محب النبی اور شیخ القرآن علامہ عبدالغفور ہزاروی رحمہما اللہ تعالیٰ سے دورۂ قرآن پڑھا ——— پھر حضرت محدثِ اعظم پاکستان رحمہ اللہ تعالیٰ سے دورۂ حدیث پڑھ کر شعبان المعظم / فروری ۱۳۸۰ھ/۱۹۶۱ء کو سندِ فراغت حاصل کی۔

۸ محرم، ۲۲ جون ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۱ء کو حضرت محدثِ اعظم پاکستان کے دستِ مبارک پر سلسلۂ عالیہ قادریہ میں بیعت ہوئے ——— رمضان المبارک/اپریل ۱۳۸۴ھ/۱۹۶۵ء میں حضرت مفتیِ اعظم ہند مولانا محمد مصطفےٰ رضا خاں قدس سرہٗ نے اوراد و اشغال، تمام سلاسل اور حدیث کی سند عطا فرمائی۔

شوال/اپریل ۱۳۸۰ھ/۱۹۶۱ء سے رجب/نومبر ۱۳۸۵ھ/۱۹۶۵ء تک جامعہ حنفیہ، قصور، دارالعلوم اہل سنت متین محلہ جہلم، جامعہ حنفیہ گلزارِ مدینہ، ساہیوال اور جامعہ محمودیہ رضویہ، لالہ موسیٰ میں درسِ نظامی پڑھاتے رہے ———

صفر المظفر / جون ۱۳۸۶ھ / ۱۹۶۶ء سے اب تک گورنمنٹ ہائی سکول، کھاریاں میں خدمتِ تدریس انجام دے رہے ہیں ــــــ اسی دوران فاضل عربی ایف۔اے کے امتحان پاس کیئے۔

مولانا محمد جلال الدین قادری، بڑے ذہین اور انتھک محنت کے عادی ہیں، ان کی ذہانت اور محنت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے صرف اڑھائی سال میں درسِ نظامی پڑھ لیا، جبکہ دوسرے طلباء عموماً سات آٹھ سال میں پڑھتے ہیں۔ علاوہ ازیں وہ متعدد کتابوں کے مصنف ہیں، جن میں سے :

(۱) امام احمد رضا اکابر کی نظر میں ۱۹۷۴ء

(۲) اسلامی تعلیمی پالیسی پر ایک نظر ۱۹۷۷ء

(۳) خطبات آل انڈیا سنی کانفرنس ۱۹۷۸ء

(یہ کتاب تحریکِ پاکستان میں علماء اور مشائخ اہل سنت کی خدمات جلیلہ کا دستاویزی ثبوت ہے)

(۴) ابوالکلام آزاد کی تاریخی شکست

(۵) امام احمد رضا کا نظریہ تعلیم ــــــ چھپ چکی ہیں اور متعدد تصانیف منتظرِ اشاعت ہیں

(۶) سب سے بڑا کارنامہ پیش نظر کتاب محدثِ اعظم پاکستان ہے جس میں انہوں نے حضرت محدثِ اعظم کی حیات کے ہر پہلو پر معلومات فراہم کیے ہیں اور آخر میں انتہائی اہم خطوط اور تحریرات کا عکس دے کر کتاب کی اہمیت کئی گنا بڑھا دی ہے۔ مستقبل میں حضرت محدثِ اعظم پر لکھنے والا مؤرخ اس کتاب کو نظر انداز نہیں کر سکے گا۔ پھر حضرت مؤلف نے حضرت محدثِ اعظم کے اساتذہ اور تلامذہ کے حالات لکھ کر اس کتاب کی افادیت کا حلقہ بہت وسیع کر دیا ہے ــــــ پیش نظر کتاب کی تالیف ان کا قابل داد کارنامہ ہے جس پر وہ تمام قوم کی طرف سے ہدیۂ تبریک کے مستحق ہیں ــــــ اللہ تعالیٰ ان کے علم و عمل اور عمر میں برکتیں عطا فرمائے اور انہیں علم و تحقیق کے میدان میں ملتِ اسلامیہ کی مزید خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

۱۲ شوال ۱۴۰۸ھ ــ محمد عبدالحکیم شرف قادری

۳۰ مئی ۱۹۸۸ء

مولانا علامہ مفتی خادم حسین سعیدی شکارپوری رحمہ اللہ تعالیٰ

حضرت مولانا علامہ مفتی خادم حسین سعیدی ابن اللہ بخش رحمہما اللہ تعالیٰ تحصیل جام پور کے قصبہ مغلاں میں ۱۳۶۸ھ/۱۹۴۹ء میں پیدا ہوئے۔ بعدازاں اُن کے والدین قصبہ شکارپور، ضلع راجن پور منتقل ہوگئے۔ ابھی سات سال ہی کے تھے کہ ایک ہی مہینے میں والدین کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔

اپنے گاؤں میں حافظ محمد بخش سے قرآن پاک یاد کیا۔ پھر حضرت علامہ پیر خورشید احمد فیضی مدظلہ، ظاہر پیر کے مدرسہ میں داخل ہوئے اور مولانا علامہ ابوالراشد عبدالغفور غوثوی مدظلہ سے درسِ نظامی کی تمام کتابیں پڑھیں۔ غزالیٔ زماں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضر ہو کر دورۂ حدیث میں شامل ہوئے اور ان ہی کے دستِ مبارک پر بیعت بھی ہوئے، اسی نسبت سے سعیدی کہلاتے تھے۔ دستارِ فضیلت کے موقع پر اہل سنت وجماعت کے اکابر علماء ومشائخ خصوصاً حضرت مفتیٔ اعظم پاکستان علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری رحمہ اللہ تعالیٰ تشریف فرما تھے۔

تنظیم المدارس (اہل سنت پاکستان) کے درجہ حدیث کے پہلے امتحان میں اوّل پوزیشن حاصل کی۔ اس خوشی کے موقع پر مدرسہ کنز العلوم، خیرپور سادات، تحصیل علی پور، ضلع مظفرگڑھ کے سالانہ اجلاس میں غزالیٔ زماں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمہ اللہ تعالیٰ نے انہیں فرطِ مسرت میں گلے لگایا اور فرمایا:

"مولانا! آپ نے میرا دِل خوش کر دیا۔"

حضرت غزالیٔ زماں نے انہیں مدرسہ انوار العلوم، ملتان میں مدرّس مقرر کرنا چاہا، تو حضرت مولانا علامہ نیاز احمد فریدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے گزارش کی کہ آپ کو تو دوسرے مدرس بھی مل جائیں گے، لیکن ہمیں شاید ایسا مدرس نہ ملے۔ چنانچہ انہیں مدرسہ فاروقیہ فریدیہ، جامع مسجد سردار بہادر خاں میں مدرس مقرر کر دیا گیا۔

حضرت علامہ پیکرِ تقویٰ عالمِ دین، بہترین مدرّس، اچھے خوشنویس اور شب زندہ دار انسان تھے۔ تقریباً بیس سال تک تدریس تبلیغ کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ اسی دوران حرمین شریفین کی زیارت کی سعادت بھی حاصل ہوئی۔

انہیں اپنے استاذ اور مرشدِ گرامی حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ سے والہانہ عقیدت تھی، اور مرشدِ گرامی بھی ان پر خاص نظرِ التفات فرماتے تھے۔ جتوئی ضلع مظفر گڑھ کے ایک شخص امجد علی فاروق ولد شہاب الدّین نے بیان کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ جتوئی میں حضرت غزالیٔ زماں کی تشریف آوری کا اعلان لاؤڈ سپیکر پر کیا جا رہا ہے۔ میں نے حضرت غزالیٔ زماں کی خدمت میں حاضر ہو کر دست بوسی کی اور دُعا کی درخواست کی تو انہوں نے فرمایا: تمہارے علاقہ میں حافظ خادم حسین موجود ہیں، اُن سے دُعا کروائیں۔ چنانچہ اس شخص نے مولانا حافظ خادم حسین رحمہ اللہ تعالیٰ کی دعوت کی اور ان سے دعا کروائی۔

مولانا علامہ خادم حسین رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک دفعہ خود بیان کیا کہ میرے بچپن کے زمانے میں حضرت پیرِ طریقت عظمت اللہ شاہ (شہر سلطان، مظفر گڑھ) ہمارے گاؤں میں تشریف لائے، میں اس وقت پتنگ اڑا رہا تھا، آپ نے میری طرف دیکھ کر حیرت سے فرمایا کہ یہ بچہ ابھی تک پتنگ اڑا رہا ہے؟ میں تو اس کی پیشانی میں کچھ اور دیکھ رہا ہوں۔ پھر عرصہ دراز کے بعد ان سے اُس وقت ملاقات

ہوئی، جب میں جامع مسجد، علی پور میں فرائض تدریس انجام دے رہا تھا۔ آپ نے مجھے پہچان لیا اور فرمایا: تو وہی خادم حسین ہے؟

دینی کتابوں کا اچھا خاصا ذخیرہ رکھتے تھے، خاص طور پر تفسیر عزیزی کنز العمال، احیاء العلوم اور فتاوی رضویہ کا اکثر مطالعہ رکھتے تھے۔ کوئی شخص مسئلہ پوچھتا، تو شاگردوں کو کہتے کہ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت نے اس بارے میں کیا لکھا ہے؟ دیگر علوم کے علاوہ خاص طور پر علم میراث میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔ آپ کے چند شاگردوں کے نام یہ ہیں:

مولانا عبدالکریم چشتی، کراچی

مولانا حافظ غلام محمد سعیدی، مدرس جامعہ فاروقیہ، علی پور

مولانا حافظ رب نواز، رکن شعبۂ تحقیق جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

مولانا حافظ عبدالعزیز، علی پور، مولانا حافظ غلام عباس، علی پور

مولانا رحیم بخش، علی پور

مولانا غلام جیلانی، علی پور، یہ حالات انہوں نے ہی مارچ ۱۹۹۶ء کو فراہم کیے

حیاتِ مستعار کے آخری چار سال علیل رہے، اس کے باوجود تدریس کا سلسلہ جاری رکھا، یہاں تک کہ اڑھائی سال تک تو اس حال میں گزرے کہ اٹھنا بیٹھنا تک دشوار ہو گیا۔ تمام جسم میں شدید سوزش رہتی، دیکھنے والے اشکبار ہو جاتے، لیکن انہوں نے کسی بھی مرحلے میں صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ آپ کی اہلیہ نے اس عرصے میں پوری وفاشعاری سے آپ کی خدمت کی۔

۱۳ ذوالحجہ ۱۴۱۵ھ/ ۱۹۹۵ء کو آپ دارِ فانی سے رخصت ہوئے۔ نمازِ جنازہ حضرت علامہ سید ارشد سعید کاظمی مدظلہ العالی نے پڑھائی اور جامع مسجد بہادر خان، علی پور کے احاطے میں آپ کو سپردِ لحد کیا گیا۔ ایک صاحبزادہ محمد محسن اور دو صاحبزادیاں یادگار چھوڑ گئے۔۔۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

فنافی الرضا سیّد محمد ریاست علی قادری رحمہ اللہ تعالیٰ

بانی ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی

غالباً ۱۹۶۹ء کی بات ہے، ٹی این ٹی کالونی میں جناب سیّد محمد ریاست علی قادری رحمہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہوئی تھی۔ اُن دنوں راقم جامعہ اسلامیہ رحمانیہ، ہری پور میں مدرّس تھا۔ سیّد صاحب اس وقت کلین شیو تھے اور تھری پیس سُوٹ پہنتے تھے۔ کچھ عرصے بعد پھر ملاقات ہوئی، تو دُنیا ہی بدلی ہوئی تھی۔ چہرے پر سُنّتِ مصطفےٰ (صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم) کے مطابق داڑھی اور سر پر ٹوپی تھی۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ انہوں نے کراچی میں ادارہ تحقیقات امام احمد رضا قائم کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ سیّد صاحب حضرت مفتیٔ اعظم ہند مولانا مصطفےٰ رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ کے دستِ مبارک پر بیعت ہو چکے ہیں، اسی لئے یہ قلبِ ماہیت کی کیفیت پیدا ہوئی ہے۔

سیّد صاحب نے صرف ادارہ ہی قائم نہیں کیا، بلکہ حساس اور فعّال دوستوں کا بہترین حلقہ قائم کرلیا، اس ادارے نے بڑے وقیع کارنامے انجام دیئے۔

۱۔ عربی، اُردو اور انگریزی میں گرانقدر لٹریچر وسیع پیمانے پر شائع کر کے پوری دُنیا میں تقسیم کیا۔

۲۔ معارفِ رضا کی ضخیم جلدیں شائع کر کے تقسیم کیں، اِن جلدوں کی تعداد دس ہے۔

۳۔ ادارے کی کوششوں سے ٹی۔ وی پر امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے علمی و دینی مقام اور خدمات پر بڑی مؤثر فلم دکھائی گئی۔ دوسری بار ٹی۔ وی پر مذاکرہ نشر کیا گیا جس میں مولانا کوثر نیازی اور سیّد محمد ریاست علی قادری نے حصّہ لیا۔

۴- ادارے کی ایک وقیع اور قابلِ صد تحسین کوشش یہ ہے کہ مشہور دانشوروں، سکالروں اور ججوں سے امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ کی عبقری شخصیت اور ان کی دینی اور علمی خدمات پر قابلِ قدر مقالے لکھوائے۔

سید صاحب محکمہ ٹیلیفون میں درجہ اول کے آفیسر تھے، لیکن انہوں نے عام آدمی کی طرح اپنے مشن کے لئے دوڑ دھوپ کی، ان کی بارگاہِ خداوندی میں مقبولیت کی اس سے بڑی دلیل کیا ہو سکتی ہے کہ انہوں نے دس سال پہلے جو پودا لگایا تھا، وہ اب تناور درخت بن چکا ہے۔ سید صاحب اپنے ہاتھوں امام احمد رضا انٹرنیشنل کانفرنس کراچی، لاہور اور اسلام آباد میں منعقد کر گئے۔ بلاشبہ یہ کامیاب ترین کانفرنس تھی، جس سے مخالفین بوکھلا اٹھے۔

مولائے کریم سید ریاست علی قادری صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کو جنت الفردوس میں بلند و بالا مقام عطا فرمائے۔ ان کی رحلت دُنیائے سنیت کے لئے بہت بڑا نقصان ہے۔ اللہ تعالیٰ سید صاحب کے تمام رفقاء کار کو سلامت رکھے — اور سید صاحب کے مشن کو آگے بڑھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجرمتِ سید الانبیاء والمرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وسلم [۱]

تحریر: ۲۲، جنوری ۱۹۹۲ء

---

[۱] جناب مولانا سید ریاست علی قادری رحمہ اللہ تعالیٰ ۲۷، جمادی الاخریٰ ۳، جنوری ۱۴۱۲ھ / ۱۹۹۲ء کو انتقال فرما گئے۔

فاضل علامہ مولانا مفتی سید شجاعت علی قادری رحمہ اللہ تعالیٰ

سابق جج وفاقی شرعی عدالت پاکستان

عزیز محترم مولانا ناصر صاحب جعلہ اللہ تعالیٰ ناصر الاسلام والمسلمین!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

فاضلِ جلیل حضرت علامہ مولانا مفتی سید شجاعت علی قادری رحمہ اللہ تعالیٰ کے وصال کی اطلاع سے بہت ہی گہرا صدمہ ہوا۔ انا للمولیٰ وانا الیہ راجعون۔

وہ راقم کے بہترین اور مشفق دوست اور اعلیٰ ترین اخلاق کے حامل تھے۔ وہ علومِ جدیدہ اور قدیمہ کا بہترین امتزاج، اور اہلِ سنت وجماعت کے لئے سرمایۂ افتخار تھے۔ عربی زبان، وہ اہلِ لسان کی طرح بولتے تھے۔ ان کا اچانک دُنیا سے رخصت ہو جانا ملّی اور قومی سانحہ ہے۔

اللہ تعالیٰ اُنہیں اعلیٰ علییّن میں جگہ عطا فرمائے اور تمام پسماندگان اور متعلّقین کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔

تمام بھائیوں، علامہ غلام رسول سعیدی صاحب، مولانا جمیل احمد نعیمی صاحب، مولانا اطہر نعیمی صاحب، مولانا منیب الرحمٰن صاحب اور مولانا اقبال نعیمی صاحب کی خدمت میں بھی تعزیت پیش کر دیں۔ والسلام! [1]

غمزدہ اور شریکِ غم

۴ر فروری ۱۹۹۳ء — محمد عبد الحکیم شرف قادری نقشبندی

---

[1] ۴ر رجب المرجب، ۲۸ر جنوری ۱۴۱۳ھ / ۱۹۹۳ء کو مفتی صاحب کا انتقال انڈونیشیا میں ہوا اور تدفین دار العلوم نعیمیہ کراچی میں ہوئی۔

محترم و مکرّم حضرت مولانا منیب الرحمٰن صاحب زیدمجدہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

حضرت مولانا علامہ مفتی سیّد شجاعت علی قادری رحمہ اللہ تعالیٰ کی رحلت کی اطلاع سے شدید صدمہ ہوا۔

اِنَّا لِلْمَوْلیٰ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ط

ان کی جُدائی اور وہ بھی اچانک، اہل سُنّت وجماعت کے لئے ناقابلِ تلافی نقصان ہے۔ وہ اپنے علمی قدوقامت اور خدمات کی بناء پر اہل سُنّت کا وقار تھے۔ اللہ تعالیٰ انہیں خلدِ بریں میں بُلند و بالا مقامات عطا فرمائے اور آپ سمیت تمام متعلقین اور رفقاء کو صبرِ جمیل عطا فرمائے آمین !

والسّلام !

۶ر فروری ۱۹۹۳ء

شریکِ غم

محمّد عبدالحکیم شرف قادری

پیرِ طریقت حضرت خواجہ پیر بارو محمد عبداللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ

(فتح پور، ضلع لیہ)

حضرت خواجہ محمد عبداللہ المعروف پیر بارو صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ اپنے دور کے باکمال اور صاحبِ حال، ولی تھے۔ راقم حضرت کی زیارت سے مشرف نہ ہو سکا، لیکن ان کا ذکرِ خیر متعدد حضرات سے بکثرت سُنتا رہا۔ حضرت استاذ العلماء، مولانا غلام محمد صاحب (لیہ) نے بیان کیا کہ حضرت پیر بارُو صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ جس شخص کو بھی حلقۂ ارادت میں داخل فرماتے، تو اُس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر چند مرتبہ اسمِ ذات کی ضرب لگاتے، تو اس کا قلب جاری ہو جاتا اور وہ بے ساختہ ذکرِ الٰہی میں مشغول ہو جاتا۔ اُن کا بیان تھا کہ خود میرا قلب بھی جاری ہو گیا تھا۔

حضرت علامہ شیخ الحدیث مولانا محمد شریف صاحب رضوی مدظلہٗ نے ایک مرتبہ بیان فرمایا کہ پیر بارو صاحب مسلک کی پختگی اور دینِ متین کی تبلیغ کا وہی جذبہ رکھتے ہیں، جو محدثِ اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد سردار احمد صاحب قدس سرہٗ کا تھا۔ جہاں حضرت کو معلوم ہو جاتا کہ کہیں کسی وہابی، دیوبندی یا شیعہ نے جلسہ کیا ہے اور اہلِ سُنّت و جماعت کے خلاف تقریر کی ہے، تو اپنے احباب اور مریدین کو لے کر خود وہاں پہنچ جاتے، لنگر جاری فرما دیتے اور مسلکِ حق اہلِ سُنّت و جماعت کی حقانیت پر تقاریر کا اہتمام فرماتے۔ اگر طبیعتِ مبارکہ ناساز ہوتی تو احباب آپ کی چارپائی اٹھا کر لے جاتے۔ اللہ اللہ! دینِ متین کی خدمت کا یہ جذبہ کس قدر قابلِ قدر اور لائقِ تقلید تھا۔

حضرت پیر بارو رحمہ اللہ تعالیٰ طریقت میں سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ سے تعلق رکھتے تھے، مگر اور سلاسلِ طریقت کے بارے میں بہت معتدل اندازِ فکر رکھتے تھے۔ جناب اشرف علی صاحب رفیق آباد، ضلع لیہ نے حضرت کے چند ملفوظات قلمبند کئے ہیں، ان میں حضرت کا یہ ملفوظ بھی ہے:

"قوالی ہمارے سلسلہ نقشبندیہ میں نہیں سُنتے اور میرا بھی وہی اپنے بزرگوں والا طریقہ ہے۔ حضرت خواجہ دوست محمد قندھاری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

نہ ایں کار مے کنم   نہ انکار مے کنم

چنانچہ میں بھی نہ تو یہ کام کرتا ہوں   اور نہ ہی اس سے انکار کرتا ہوں"

ہندوستان کے بڑے بڑے اولیاء کا طریقہ کار رہا ہے۔ حضرت خواجہ معین الدین اجمیری قدس سرہٗ جنہوں نے (نوے لاکھ) ہندو مسلمان کئے، قوالی کراتے اور سنتے رہے، اس لئے ہم قوالی کے متعلق خاموش ہیں۔

مقامِ مسرت ہے کہ حضرت صاحبزادہ صاحب (حضرت خواجہ فقیر محمد صاحب دامت برکاتہم العالیہ) آپ کے نقشِ قدم پر چل رہے ہیں اور مسلکِ حق اہلِ سنت وجماعت کی تبلیغ کے لئے اپنی تمام تر توانائیاں صرف فرما رہے ہیں۔ آپ فاضل اور صالح نوجوان ہیں۔ گزشتہ دنوں راقم کی ان سے ملاقات ہوئی، ان میں حضرت بارو کریم رحمہ اللہ تعالیٰ کا واضح عکس دکھائی دیا۔ [۱]

۱۴ جمادی الاخریٰ ۱۴۰۵ھ
۷ مارچ ۱۹۸۵ء

محمد عبدالحکیم شرف قادری

---

[۱] یہ تاثر "فیوضاتِ بارویہ" مطبوعہ ۱۹۹۵ء، مرتبہ صاحبزادہ محمد عبدالرحمٰن حسنی میں طبع ہوا۔

تحریکِ پاکستان کے سرگرم مجاہد

حضرت مولانا عبدالحامد بدایونی رحمہ اللہ تعالیٰ

مجاہدِ اعظم حضرت مولانا عبدالحامد بدایونی ۱۵ ؍ جمادی الاُولیٰ، ۲۰ ؍ جولائی ۱۳۹۰ھ ؍ ۱۹۷۰ء، ۷۲ سال کی عمر میں اس دارِ فانی سے رحلت فرماگئے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

آپ تحریکِ پاکستان کے بے باک مجاہد اور عالمِ اسلام کے شعلہ بیان مقرر و خطیب تھے۔ آپ باقاعدہ تحریکِ پاکستان شروع ہونے سے پہلے ہی دو قومی نظریئے کے حامی اور پرجوش مبلغ تھے۔ آپ نے ۱۹۱۹ء میں سیاست میں حصّہ لینا شروع کیا۔ تحریکِ خلافت اور تحریکِ پاکستان، تحریکِ فلسطین میں نمایاں طور پر حصّہ لیا۔

جب مارچ ۱۹۴۰ء میں قراردادِ لاہور پاس ہوئی، تو آپ قائدِ اعظم محمد علی جناح کے خاص ساتھیوں میں شامل تھے۔ اس موقع پر اور قراردادوں کے علاوہ مسئلہ فلسطین پر ایک قرارداد پیش کی گئی۔ مولانا بدایونی نے اس کے حق میں ولولہ انگیز تقریر فرمائی تھی۔ پیر صاحب مانکی شریف کے کہنے پر قائدِ اعظم نے آپ کو صوبہ سرحد میں بہ غرضِ تبلیغ بھیجا، جہاں آپ نے زورِ خطابت کے ذریعے سرحد کے لوگوں کو مسلم لیگ کی حمایت پر تیار کیا۔

آپ عمر بھر ملّتِ اسلامیہ کی بہتری کے لئے کوشش کرتے رہے، جہاں کہیں مسلمانوں پر ظلم ہوتا، وہاں کے سفیروں سے ملاقات کرکے ظلم و ستم کو روکنے کے لئے جدّوجہد کرتے۔ ۱۹۶۵ء میں جنگ کے بعد آپ نے علمائے اہلِ سنّت کے ایک

وفد کے ساتھ آزاد کشمیر کا دورہ کیا اور تین لاکھ روپے کا سامان مہاجرین میں تقسیم کیا۔ صدر، آزاد کشمیر کو گیارہ ہزار روپے کی تھیلی پیش کی۔ آپ نے متعدد ممالکِ اسلامیہ کا دورہ کر کے عرب ممالک کو مسئلہ کشمیر کی اہمیت سے آگاہ کیا۔

آپ کی بے شمار تصانیف ہیں، جن میں سے تصحیح العقائد — فلسفۂ عبادتِ اسلامی — کتاب و سُنّت غیروں کی نظر میں — خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ آپ کا جنازہ حضرت مولانا محمد مختار صاحب سجادہ نشین کچھوچھہ شریف نے پڑھایا اور آپ کو آپ کی وصیّت کے مطابق جامعہ تعلیماتِ اسلامیہ منگھوپیر روڈ (کراچی) کے احاطے میں دفن کیا گیا۔

۲۳ر جولائی ۱۹۷۰ء کو دار العلوم اسلامیہ رحمانیہ (ہری پور ہزارہ) میں، قرآن خوانی کے بعد آپ کی رُوح کو ایصالِ ثواب کر کے تبرک تقسیم کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو خلدِ بریں میں بُلند مقام عطا فرمائے۔

عارفِ کامل حضرت خواجہ غلام حسن رحمۃ اللہ تعالیٰ

(سواگ شریف، ضلع لیہ)

شریعت، طریقت اور حقیقت اگرچہ الگ الگ الفاظ ہیں، لیکن درحقیقت یہ ایک ہی سلسلے کی تین کڑیاں ہیں۔ وہ سلسلہ جسے صراطِ مستقیم کہا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ سے ہر نماز میں دُعا کی جاتی ہے کہ ہمیں صراطِ مستقیم پر چلا، اس لئے ہر مسلمان کو جاننا چاہیے کہ شریعت کیا ہے؟ اور طریقت وحقیقت کیا ہے؟

شریعت: احکامِ الٰہیہ کے جاننے کو کہتے ہیں، خواہ اُن کا تعلق عقائد سے ہو یا اعمال و اخلاق سے۔

طریقت: ان احکامِ الٰہیہ کے اپنانے کو کہتے ہیں، یعنی عقائدِ صحیحہ، مسلکِ اہلِ سُنّت وجماعت کے مطابق اختیار کئے جائیں۔ اعمالِ صالحہ اور اخلاقِ حسنہ اپنے اوپر نافذ کئے جائیں اور بُرے اعمال و اخلاق سے دامن بچایا جائے۔

حقیقت: احکامِ الٰہیہ کے بجالانے کے ثمرات ونتائج کا حاصل ہونا ہے۔

اس تفصیل کو ایک مثال سے یُوں سمجھا جاسکتا ہے کہ علمِ طب پڑھنے سے دواؤں کی خصوصیات کا پتہ چل جاتا ہے۔ اس کے بعد دواؤں کے استعمال کا مرحلہ آتا ہے۔ تیسرے درجے میں بیمار کا تندرست ہونا آتا ہے۔ اسی طرح علمِ کلام، فقہ اور اخلاق کی کتابیں پڑھنے سے علم حاصل ہوگیا، یہ علمِ شریعت ہے۔ اس علم کو اپنے ظاہر وباطن پر جاری کرنا طریقت ہے اور طریقت کے ثمرات حاصل ہونا حقیقت ہے۔ اس درجے میں جو علم حاصل ہوگا، وہ یقینی اور شک وشبہ سے پاک ہوگا۔ اعمالِ صالحہ اور اچھے اخلاق کے ساتھ لگاؤ کا یہ عالم ہوگا کہ ان کے

بغیر چین نہیں آئے گا۔

جس طرح علمِ شریعت کے لئے اُستاذ کی ضرورت ہے، اسی طرح طریقت کے لئے بھی ایک رہبر اور رہنما کی ضرورت ہے، جسے مُرشد اور پیر کہتے ہیں۔ حضرت مولانا جلال الدّین رُومی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ؎

پیر را بگزیں کہ بے پیر ایں سفر ۔۔۔۔ ہست بس پُر آفت و خوف و خطر

"پیر کا دامن پکڑ لے، کیونکہ یہ سفر پیر کے بغیر آفت اور خوف و خطر سے بھرا پڑا ہے۔"

البتّہ یہ ضروری ہے کہ کسی پیر و مرشد کے دامن سے وابستہ ہونے سے پہلے یہ اطمینان کرلیا جائے کہ وہ صحیح عقائد و اعمال کا حامل ہے یا نہیں؟ نیز اس کی مجلس میں حاضر ہونے سے اللہ تعالیٰ اور آخرت کی یاد آتی ہے یا نہیں؟ اس کی ہم نشینی سے عبادات اور اعمالِ صالحہ کا شوق دل میں پیدا ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر کسی مرشد میں یہ اوصاف پائے جائیں، تو اُس کی وابستگی کو غنیمت جانا جائے اور دل و جان سے اُس کی خدمت کر کے فیض حاصل کیا جائے۔

ان ہی اوصاف کے حامل، سواگ شریف ضلع لیّہ میں ایک عارفِ کامل حضرت خواجہ غلام حسن رحمہ اللہ تعالیٰ گزرے ہیں۔ وہ حضرت خواجہ محمد عثمان دامانی قدس سرّہٗ، مُوسیٰ زئی شریف، ضلع ڈیرہ اسمٰعیل خان، ایسے ولیٔ کامل کے مُرید اور خلیفۂ ارشد تھے۔ حضرت خواجۂ غلام حسن قدس سرہ کو اپنے مرشدِ گرامی سے سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ میں اجازت و خلافت تھی۔ مرشدِ کامل کے فرزندِ ارجمند حضرت خواجہ سراج الدّین رحمہ اللہ تعالیٰ نے انہیں باقی تین سلسلوں کی اجازت عطا فرمائی، لیکن آپ کو سلسلۂ نقشبندیہ سے زیادہ شغف تھا۔

حضرت خواجہ غلام حسن رحمہ اللہ تعالیٰ کی زبان اور نظر میں بے پناہ تاثیر تھی۔ آپ کی تبلیغ و تلقین سے سینکڑوں غیر مسلم حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے۔ ایک دفعہ اسی بناء پر آپ پر مقدمہ دائر کر دیا گیا کہ یہ زبردستی لوگوں کو مسلمان بنا لیتے ہیں۔ آپ نے کچہری میں متعدد افراد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: "اس کو میں نے کہا ہے کہ مسلمان ہو جا۔" جس کی طرف اشارہ کرتے، وہ کلمہ پڑھنے لگ جاتا۔ بد مذہب اُن کے ارشادات سُن کر تائب ہو جاتے اور مسلکِ اہل سُنّت اختیار کر لیتے۔ بدعمل متبعِ سُنّت بن جاتے۔ غرض یہ کہ وہ ان اربابِ کمال میں سے تھے، جن کے دیکھنے سے اللہ تعالیٰ کی یاد آتی ہے اور دل میں اتباعِ شریعت و سنّت کا جذبہ انگڑائیاں لینے لگتا ہے۔

حضرت خواجہ غلام حسن، سواگ شریف قدس سرّہٗ نے سلوک کی تکمیل کرانے کے بعد، میانوالی، کیمبل پور (اٹک)، مظفر گڑھ، ڈیرہ غازی خان اور بلوچستان کے سینکڑوں مُریدین کو سندِ خلافت و اجازت عطا فرمائی، جنہوں نے آپ کے مشن کو جاری رکھا اور لاکھوں افراد کو فیض یاب کیا۔

۱۳ر جمادی الاولیٰ ۱۳۵۸ھ / ۱۹۳۹ء کو حضرت کا وصال شریف ہوا۔ سواگ شریف ضلع لیّہ میں آپ کا مزار پُرانوار ہے، جہاں ہر سال عرس ہوتا ہے آپ کے اخلاف میں سے حضرت صاحبزادہ محمّد حسن صاحب مدظلّہٗ، سجادہ نشین آستانۂ عالیہ سواگ شریف نے شمعِ معرفت جلائی ہوئی ہے اور آپ کے مشن کو جاری رکھا ہوا ہے۔ [۱]

۱۲ر اگست ۱۹۹۱ء   محمّد عبد الحکیم شرف قادری

---

[۱] یہ مقالہ "تذکرہ حسینیہ" میں شائع ہوا۔ ۱۲ شرف قادری

حضرت خواجہ غلام سدید الدّین مرولوی رحمۃ اللہ علیہ

(مُعظّم آباد شریف، ضِلع سرگودھا)

حضرات صاحبزادگانِ والاتبار، دامت ظلالہم العالیہ

السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

حضرت مرشدِ طریقت، رہبرِ شریعت خواجہ غلام سدید الدّین مرولوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے انتقال پُرملال کی اطلاع سے سخت صدمہ ہوا۔ حضرت کی رحلت قومی اور ملّی سانحہ ہے۔ موجودہ دَور کے علماء و مشائخ میں وہ علم و فضل اور اخلاقِ جمیلہ میں اپنی مثال آپ تھے۔ فقیر پر بڑی نظرِ شفقت و کرم تھی، اب ایسے سراپا لُطف و کرم حضرات کہاں سے ملیں گے؟

اِنَّا لِلْمَوْلیٰ تَعَالیٰ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ○

حضرت کا وصال صرف اُن کے اہلِ خاندان ہی کے لئے، صِرف مُریدین ہی کے لئے نہیں، دُنیائے عِلم کے لئے رُوح فرسا خبر ہے۔ مولائے کریم جل شانہٗ، حضرت کے درجات بُلند فرمائے اور تمام اہلِ محبّت کو صبر و قرار عطا فرمائے۔

والسّلام! [1]

سراپا غم و الم

محمّد عبد الحکیم شرف قادری

۱۷رجب ۱۴۰۹ھ

۲۶ر فروری ۱۹۸۹ء

---

[1] حضرت کی وفات ۱۷رجب، ۲۳ر فروری ۱۴۰۹ھ/۱۹۸۹ء کو ہوئی۔

فاضلِ جلیل مولانا علامہ قاضی غلام محمود ہزاروی رحمہ اللہ تعالیٰ

محترم و مکرّم ———————

السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، !

پیرِ طریقت استاذ العلماء حضرت علامہ مولانا قاضی غلام محمود صاحب نوّر اللہ مرقدہٗ کی رحلت[1] کی اطلاع سے دلی صدمہ ہوا۔

اِنّا لِلّٰہِ وَ اِنّا اِلیہِ رَاجعون

قاضی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ موجودہ دور کے متبحر اور اکابر علماء میں سے تھے۔ وہ تقویٰ و پرہیزگاری، وسعتِ مطالعہ، قوتِ استدلال اور مسلکی تصلب میں اپنے والد ماجد حضرت امام المناطقہ مولانا قاضی عبدالسبحان قادری رحمہ اللہ تعالیٰ کے صحیح جانشین تھے۔

انہوں نے تمام زندگی تبلیغِ دین اور اشاعتِ مسلک میں صَرف کی۔ تحریری، تقریری اور تدریسی میدان میں اُن کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔

فقیر ان کے برادرِ محترم مولانا مفتی سیف الرحمٰن ہزاروی صاحب صاحبزادگان اور جملہ متوسلین کا شریکِ غم ہے۔ میری طرف سے تعزیت پیش کریں۔

راقم نے اپنی کلاس میں بھی ان کے لئے ایصالِ ثواب کیا ہے۔

والسّلام !

۲؍اکتوبر ۱۹۹۱ء — محمد عبدالحکیم شرف قادری

---

[1] تاریخ وفات: ۱۴؍ربیع الآخر، ۱۴۱۲ھ/ ۲۴؍اکتوبر ۱۹۹۱ء

حضرت مولانا غلام محی الدّین قادری قلندری رضوی قدس سرہٗ

حضرت مولانا غلام محی الدّین قادری رضوی رحمہ اللہ تعالیٰ ابن رانا علی احمد خاں ۱۹۲۴ء میں آلال پور دھوگڑی ضلع جالندھر (مشرقی پنجاب) میں پیدا ہوئے۔ نوعمری میں فتح پور جالندھر کے قلندر بزرگ حضرت بابا فتح محمد قادری قلندری رحمہ اللہ تعالیٰ کے دستِ مبارک پر بیعت ہوئے۔ مُرشد کی توجّہ کے اثر سے اس قدر وجد و جذب طاری ہوا کہ آبادی کو چھوڑ کر بارہ سال جنگلوں میں گزار دیئے۔ جب کچھ افاقہ ہوا تو تحصیل علم کے لئے مرکزِ علم و عرفان بریلی شریف پہنچ کر دارالعلوم منظرِ اسلام میں پڑھتے رہے، وہاں بھی عموماً جذب و مستی کی کیفیت طاری رہتی۔ بالآخر حضرت علامہ مولانا محمد عبدالعزیز قادری رحمہ اللہ تعالیٰ اور محدّثِ اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد سردار احمد چشتی قادری رحمہ اللہ تعالیٰ سے درسِ حدیث لے کر ۹ شوال ۱۳۶۲ھ کو سندِ تکمیل حاصل کی، جس پر حضرت مفتیٔ اعظم مولانا مصطفےٰ رضا خاں بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ اور دونوں شیوخِ حدیث کے دستخط تھے۔ سندِ فراغت کے علاوہ حضرت مفتیٔ اعظم قدس سرہٗ نے ایک دوسری سند "سند التکمیل لمن اکمل التحصیل" بھی عطا فرمائی۔ تیسری سند سلسلۂ عالیہ قادریہ کی خلافت کی عطا فرمائی جو اپنے دستِ مبارک سے لکھی ہوئی تھی۔

حضرت مولانا غلام محی الدّین قادری قدس سرہٗ قیامِ پاکستان کے بعد فیصل آباد کے محلّہ جوالا نگر میں مقیم ہوئے، جس کا نام آپ نے بغداد نگر رکھا۔ تمام زندگی دینِ متین اور مسلکِ اہلِ سنّت و جماعت کی بے لوث خدمت کی۔ ان کے مریدین اور معتقدین کا حلقہ خاصا وسیع ہے، جس وقت جمعہ پڑھانے اور کسی اجلاس میں شرکت کے لئے تشریف لے جاتے، تو سر پر گتّے والی ٹوپی پہنتے اور جُبّہ زیب تن کرتے، اُن کے حُسن و جمال،

شان و شوکت اور سوز و گداز میں ڈوبی ہوئی شخصیت کو دیکھ کر راہ گزر زیارت کے لئے رُک جاتے۔ عشق و محبت میں ڈوبی ہوئی تقریر سُن کر سامعین پر کیف طاری ہو جاتا۔ ہر سال بڑے وسیع انتظام اور اہتمام کے ساتھ سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عرس مناتے، اپنے اساتذہ اور مشائخ سے والہانہ محبت رکھتے۔ حضرت مولانا قدس سرہ جندران قوم سے تعلق رکھتے ہیں۔ حضرت مفتی اعظم قدس سرہ سے انہیں اجازت و خلافت حاصل تھی جو کہ پٹھان تھے۔ حضرت بابا فتح محمد قادری قلندری رحمہ اللہ تعالیٰ کے مرید تھے جو قوم کے ڈوگر تھے۔ اس پس منظر میں ان کے پنجابی زبان کے یہ شعر پڑھیے جو کبھی کسی وقت وہ ذوق و شوق کے عالم میں پڑھا کرتے تھے ؎

میں جدّ اپنی جدران دی ہاں　　تے گولی خاص پٹھان دی ہاں
نالے ڈوگر مست جوان دی ہاں　　میرے من وچ جیہڑا چا اڑیو
میری بانہہ پھڑیو، مینوں لے ٹریو

۵ رمضان المبارک، ۱۶ فروری ۱۴۱۴ھ / ۱۹۹۴ء کو ان کا وصال ہوا اور اپنے گھر کی مسجد کے ایک گوشے میں مدفون ہوئے۔ راقم ان کے جنازہ میں شریک ہوا، مجھ پر بڑی شفقت فرماتے تھے۔
خواجہ محمد مہر علی مدظلہ آپ کے صاحبزادے ہیں، اپنے والد ماجد کے جانشین ہیں رحمہ اللہ تعالیٰ

سند التكميل لمن اكمل التحصيل

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله المسلسل احسانه، المتصل انعامه، غير منقطع ولا مقطوع فضله واكرامه، ذكره سند من لا سند له، واسمه احد من لا احد له، وافضل الصلوات العوالي النزول واكمل السلام المتواتر الموصول، على اجل مرسل، كشاف كل معضل، العزيز الاعز المعز الحبيب الفرد في وصل كل غريب، فضله الحسن مشهور مستفيض، وبالاستناد اليه يعود صحيحا كل مريض، قد جاء من ربه المن بيد متصل الاسانيد بل كل فضل لديه مسند، عنه يروى واليه يرد، فسمو طرق فضائله العلية مسلسل بالاولية، وكل مدح جيد من بحره مستخرج، فهو المخرج من كل حرج، وهو الجامع، وله الجوامع، علمه مرفوع، وحديثه مسموع، ومتابعه مشفوع، والاصر عنه موضوع، خاتم الائمة، من الامور المهمة، مدار اسانيد الجود والاكرام، منتهى سلاسل الانبياء الكرام، صلى الله تعالى عليه وعليهم وسلم، ملأ آفاق السماء واطراف العالم، وعلى اله وصحبه رواة علمه ووعاة ادبه. **وبعد** فلما سألني الاخ السعيد الحميد الرشيد **المولوي غلام محي الدين بن المولوي** [illegible] المتوطن في **دهوبري من مضافات جالندهر** بعد الفراغ من الدرس في المدرسة العالية، لاهل السنة والجماعة، "**مظهر الاسلام**" جعلها الله تعالى كاسمها مظهر الاسلام، ومرجعا للخاص والعام، ومنبع الفضل والفيض التام، فاجزته على بركة الله ثم على بركة رسوله جل جلاله وصلى الله تعالى عليه وسلم، بالاشتغال بالقرآن العظيم، واحاديث النبي الكريم، وبكل ما يجوز لي روايته وتصح لي درايته من شيوخي الاكملين، رحمهم المولى تعالى اجمعين، كما اجازني شيخي ومرشدي كنزي وذخري ليومي وغدي، شيخ الاسلام والمسلمين مجدد الدين المتين، ناصر السنة، كاسر الفتنة، مولانا الشاه **احمد رضا خان** ادخله الله تعالى دار الجنان، وامطر عليه سحائب الرحمة والرضوان، ولما بعث الله اجازة [illegible] **عن** ابيه خاتم المحققين وامام المدققين مولانا المولوي **محمد نقي علي خان** البريلوي قدس سره القوي، **عن** ابيه الكريم العارف العليم مولانا المولوي **محمد رضا علي خان**، رضي الله تعالى عنهما في غرفات الجنان، **عن** المولى **خليل الرحمن** المصطفى آبادي **عن** الشاه الكامل المولى **محمد اعلم السندي** **عن** ملك العلماء بحر العلوم ابي العياش **محمد عبد العلي** اللكنوي **عن** ابيه الى آخر سنده المرفوع الى حضرة الرسالة، والخليفة الاعظم لذي الجلالة، ولشيخنا المجدد المشهور الاجازة المباركة **عن** شيخه الكريم زبدة العارفين، قدوة الواصلين، مولانا السيد الشاه آل الرسول المارهروي رضي الله [illegible] بالرضا السرمدي **عن** العارف بالله مولانا **نور** بن مولانا **انوار** **عن** ملك العلماء بحر العلوم المذكور رضي الله تعالى عنهم واجازات اخرى عن المشائخ الكرام، والعلماء الاعلام، **واوصيته** بعض الوصايا على مذهب اهل السنة والجماعة، واجتناب اهل البدعة والشناعة، لا سيما الكفار النيچرية والرافضية، والوهابية والديوبندية، والقاديانية والبابية والمتصوفة المبطلة الالحادية الحلولية والندوية، وبالتوجه حسب الاستطاعة الى رد كائدهم، ووسعه مناسبا لهم، واوصيته ان يحلي ظاهره وباطنه بحلي اتباع السنة السنية، ويخليها عن دنس الفسوق والرذائل الدنية، وان لا ينساني من دعائه الصالح في الملوين بالعفو والعافية، في الدين والدنيا والآخرة، وتمام العافية، والشكر على العافية، وان تكون رحمته لنا كافية، ولاسقامنا الظاهرة والباطنة شافية، [illegible] نافعة، وان يقيني واياه والمسلمين من درك الشقاء، وجهد البلاء، وشماتة الاعداء، وسوء القضاء، وان يجعلني واياه من العاملين [illegible] والحاملين [illegible] الملة البيضاء، والسنة الغراء، وان يختم لنا جميعا بالحسنى، ويقضي لنا بالقضاء احسن المبنى، وانا ادعو له بذلك، والحمد لله خير ما ثلث، وافضل الصلاة واكمل السلام على سيد الانام محمد واله وصحبه الكرام الى يوم القيام، آمين، قاله بفمه ورقمه بقلمه الفقير [illegible]

وكان ذلك في 9 من شهر **شوال** سنة الف وثلثمائة **واثنين وستين من** هجرة شفيع الحشر المؤيد بالنصر صلى الله تعالى عليه وآله وصحبه وسلم.

خواتيم العلماء الذين حضروا هذا المحضر

المفتقر الى الله الصمد الفقير
محمد سردار احمد عفا عنه الاحد الصمد
٢٧ صفر المظفر ٦٣ھ

عبده المذنب محمد عبد العزيز القادري غفرله
خويدم طلبة درجة الاحاديث المباركة
دار العلوم الموسوم بمظهر اسلام الواقع في بلدة بريلي
٧ شوال المكرم ١٣٦٢ھ

سند مولانا غلام محی الدین سند التکمیل از حضرت مفتیٔ اعظم ہند

الحمد لله الذی جعل العلماء ورثة النبیین، وادبهم فاحسن تادیبهم فجعلهم کاملا المعاین، وعلّمهم فصفی علومهم، وعرفهم فاتم معارفهم، فبانهم
الی امنارات حد الیقین، ووفقهم فدت لوازم التوفیق فی نیاتهم و اعمالهم، وانما لهم واتوا لهم حتی تزکوا وزکوا من کان فی غش مبین، وشرح صدورهم
وانل نو بهم، وزین سرورهم حتی صار کالمشکوة فیها مصابیح فاستفاد منهم من شاء من المستفیدین، ورفع مقامهم، ونعت تلامهم، ونور ابتامهم
... فی مناهج الصدق وبانوا معارج حق الیقین، واسس بهم منارات الدین الهدی، ونشر بهم انوار البدر الذی طلع من ام القری فی لیلة ... ذوائبها الظلمی
ونفع الظلمات کانها وضع سراجا منیرا الماه کل عین تری، فهم من آیات ربهم الکبری، واسرار الشرع المتین، واخرج بهم الناس عن ظلمات البدعة التی
اسالت بالبحر والبر والعمرانات والصحراء وسعی اطفاء نوره الاشرار من اهل الهوی واعداء الدین، فاصلحوا بالانتصاب لنصب الدلائل الاسلامیه،
واستاصلوهم باقامة البراهین الایمانیة، وجدلوا انانهم البطلانیة، فهم من اصحاب الحکمة الیمانیة، وارباب الشمائل الایمانیة، وهم من المجددین،
والصلاة علی رسوله الکریم الجلیل الجمیل خاتم الانبیاء، فخر المرسلین، الذی سبق الاولین والآخرین، فی الاصطفاء والاهتداء والاجتباء حتی سمی
ببعض اسماء رب العالمین، الذی تحدی باقصر سورة مصاقع الفصحاء والبلغاء فعجزوا عن آخرهم وقد کانوا فی البیان من الساحرین،
وعلی آله واصحابه الذین سبقوا الی الایمان والیقین، وجعلهم الله شموس الارض وحجج الدین، والهمهم نکات واسرار علوما هی حقائق لنبیین،
وجعل اعداءهم کالفراش المبثوث ومخالفیهم کالعهن المنفوش والبغاة علیهم کعصف ماکول الوحوش وجعلهم اسعد الناس لا
ترهقهم ذلة ولا یغشاهم دخان ولا یضرهم طعن الطاعنین، قد هاجروا الاوطان، وجاهدوا فی سبیل الرحمن لتخلیص الناس من
نعاس الغفلة وایدی الشیطان، فهم من الراضین والمرضیین، اما بعد فان المولوی غلام محی الدین بن محمد نوح عصمه الله من الضلالة والعصیان
سالکین ... قد سبق بعض الاقران، فی العلم ... الفهم والاذکان، صانه الله تعالی عن الجهل والضلال، والزلل والنکال، لما اراد الله
به خیرا ووفقه لتفقه الدین، وقرع اذنه اطلبوا العلم ولو کان بالصین، فوقع فی نفسه ما وقع ودب الیه ما دب اذ دخل المدرسة الواقعة ببلدة بریلی
المشهورة الجامعة المسماة بمظهر اسلام ... فاستفاد العلوم والفنون بفضل المعین، واقتراء من الکتب الدرسیة المذکورة ذیل
فی درجاتها عند المدرسین، واوصیه بان الدنیا خضر انها کالسراب، وما لها الزوال کالضباب، فایها لا تجتنب، بل الی الله
... لا تحزن، ولنفسک خف، واصرف الحیوة فی اظهار الدین، واعلی له هذا السند لیکون له نصیحة وتذکرة بافشاء احکام الدین
واعلاء کلمة حق الیقین، واخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمین، والصلاة والسلام علی سید المرسلین، محمد واله وصحبه اجمعین.

فهرس ما اقترا الفاضل المذکور فی هذه المدرسة

۱	التفسیر	×	۶	اصول الفقه	×	۱۱	المنطق	×
۲	الحدیث	الصحاح السعة	۷	المعانی والبیان	×	۱۲	المناظرة	×
۳	العقائد والکلام	×	۸	الادب	×	۱۳	الهندسة والریاضی	×
۴	الفقه	×	۹	النحو	×	۱۴	الهیاة	×
۵	اصول الحدیث	×	۱۰	الصرف	×	۱۵	الفلسفه	×

الفقیر ... عفی عنه

خواتیم العلماء الذین حضروا هذا المحضر

الفقیر محمد سردار احمد غفر له الاحد الصمد
خادم المدرسة الرضویة المعروفة بمظهر اسلام
ببلدة بریلی ...
۲۷ صفر المظفر ۶۳ھ

سند مولانا غلام محی الدین قادری (فیصل آباد)

از مدرسہ مظہر اسلام، بریلی شریف

بسم الله الرحمن الرحيم
نحمده ونصلي على رسوله الكريم

اللهم يا ربنا المعين في كل حين وآن ؛ يا قديم المعروف ؛ يا رؤف يا عطوف ؛ يا كريم
الاحسان ؛ صل وسلم وبارك على حبيبك سيد الانس والجان ؛ وسائر الانبياء والمرسلين
وملائكتك المقربين ؛ وآله وصحبه الطيبين الطاهرين ؛ آمين آمين يا منان
يا منان ؛ اما بعد **فقد اجزت** اخي في الدين المتين ؛ مولوي الآن مولانا المولوي
غلام محي الدين ؛ الجالندهري سلمه وكرمه ؛ **بالسلسلة** العالية
القادرية كما اجازني الشيخ الاجل الابجل ؛ كشاف المعضلات
مجدد المائة الحاضرة مؤيد الملة الطاهرة ؛ ذو التصانيف الباهرة والتاليف الزاهرة
صاحب الحجة القاهرة ؛ كنزي وذخري ؛ ليومي وغدي ؛ حضرة ابي
نعمة ربي ؛ ومعجزة النبي الامي ؛ فداه ابي وامي ؛ صلى الله تعالى عليه
وآله وصحبه وسلم ؛ وبارك وشرف وكرم ؛ شيخ الاسلام والمسلمين محي سنة سيد
المرسلين ؛ عليه الصلاة والسلام ؛ وعلى آله الفخام ؛ وصحبه الكرام ؛ ما دامت الليالي ١٣٤٠م
والايام ؛ قامع اساس المبتدعين ؛ قالع اصول المارقين من الدين ؛ النجديين و
الديوبنديين والقاديانيين والرافضيين وغيرهم اجمعين ؛ مولانا المولوي
القاري الشاه ضياء الدين المتين **اعلحضرت احمد رضا خان**
البريلوي ؛ رضي الله تعالى عنه بالرضا السرمدي ؛ **واوصيته** باتباع
السنن ونكاية البدع والفتن - وان لا ينساني بالدعاء وانا الفقير القادري .
مصطفى رضا غفرله
ما يأتي من ذنوبه و
ما مضى

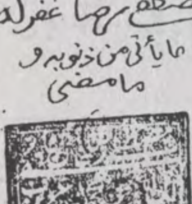

سند مولانا غلام محی الدین قادری از حضرت مفتیٔ اعظم ہند

فاضلِ جلیل مولانا مفتی محمد ابراہیم قادری بدایونی رحمہ اللہ تعالیٰ

حضرت مولانا مفتی محمد ابراہیم قادری بدایونی، بدایوں (انڈیا) میں پیدا ہوئے۔ سالِ ولادت معلوم نہ ہو سکا۔ مدرسہ شمس العلوم، بدایوں میں اپنے والد ماجد حضرت مولانا محب احمد قادری بدایونی رحمہ اللہ تعالیٰ سے درس نظامی کی تکمیل کر کے سندِ فراغت حاصل کی۔ ۱۳۲۱ھ/۱۹۰۴ء) میں آپ کے والدِ ماجد کے رفیق درس مولانا سید عبد الصمد پھپھوندوی نے اپنے فرزند مولانا سید مصباح الحسن کی تعلیم کے لئے پھپھوند ضلع اٹاوہ بلا کر اپنی خانقاہ میں مدرس رکھا۔

۱۳۴۲ھ/۱۹۲۴ء میں بمبئی چلے گئے اور مسجد کھڑک محلہ قصاباں کے امام اور مفتی مقرر ہوئے۔ ۱۳۴۹ھ/۱۹۳۱ء تک وہیں تھے۔ اسی سال فتح الربانی کا ترجمہ چھپا۔ بعد ازاں ۵۔۱۳۵۴ھ/ ۷۔۱۹۳۶ء) میں نواب غلام محمد حافظی، رئیس دادوں، علی گڑھ کے مدرسہ دار العلوم حافظیہ سعیدیہ میں صدر مدرس رہے پھر شدید علالت کے سبب واپس بدایوں آگئے۔ اور طویل عرصہ مدرسہ شمس العلوم میں مدرّس رہے۔

طویل علالت کے بعد اسّی سال کی عمر میں ۵ ربیع الاوّل، ۱۱ اکتوبر (۱۳۷۶ھ/ ۱۹۵۶ء) بروز جمعرات واصل بحق ہوتے۔ درگاہِ قادری کے قبرستان میں آپ کا مزارِ مبارک بنا۔

حضرت تاج الفحول مولانا شاہ عبد القادر قادری بدایونی قدس سرہٗ کے مرید اور حضرت شاہ مطیع الرسول مولانا محمد عبد المقتدر بدایونی اور حضرت سید مرتضیٰ احموی رحمہما اللہ تعالیٰ کے خلیفہ تھے۔[1]

---

[1] محمود احمد قادری، مولانا شاہ: تذکرہ علمائے اہل سنت (خانقاہ قادریہ بہار) ص ۸-۵۷

حضرت مولانا مفتی محمد ابراہیم قادری رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصانیف میں سے صرف فتح الربانی کے ترجمہ کا پتا چلتا ہے۔ ٹائیٹل پر اصل کتاب کا نام ملفوظ کبیر اور ترجمہ کا نام سیف دستگیر لکھا ہوا ہے۔ یہ ترجمہ ماہِ شوال ۱۳۴۹ھ/۱۹۳۱ء) میں چار حصّوں میں چھپا۔ کچھ حِصّوں کا ترجمہ بین السطور اور بعض حصّوں کا ترجمہ ایک کالم میں تھا۔ دوسرے کالم میں عربی متن تھا۔

اب بحمدہٖ تعالیٰ چوّن سال کے بعد فرید بک سٹال، لاہور نے نئی کتابت اور پوری آب و تاب کے ساتھ شائع کرنے کا اہتمام کیا ہے۔ اُردو ترجمہ کے قدیم رسم الخط کی اصلاح بھی کر دی گئی ہے اور ابتداء میں تقدیم کا اضافہ بھی کر دیا گیا ہے۔

یہ نسخہ پروفیسر محمد ایوب قادری، کراچی کے توسّط سے دستیاب ہوا۔ قادری صاحب ۲۰۳ نومبر ۱۹۸۳ء کو ایک ایکسیڈنٹ میں جاں بحق ہو گئے تھے۔

بارگاہِ الٰہی میں دُعا ہے کہ اس مبارک کتاب اور اس کے ترجمہ سے عامۃ المسلمین کو نفع عطا فرمائے اور انحطاط پذیر قوم کو دوبارہ شاہراہِ ترقی پر گامزن فرمائے۔

آمین بحرمۃ سیّد الانبیاء والمرسلین علیہ الصّلوٰۃ والتسلیم!

از مقدّمہ فیوض غوث یزدانی، ط: فرید بک سٹال، لاہور

اُستاذ العلماء مولانا حاجی محمد حنیف رحمہ اللہ تعالیٰ فیصل آباد

محترم ومکرم حضرت علامہ قاری غلام رسول صاحب، زید مجدہ،

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، ! مزاج شریف!

گزشتہ دنوں یہ معلوم کر کے سخت صدمہ ہوا کہ حضرت استاذ العلماء یادگارِ اسلاف، پیکرِ علم وعمل مولانا الحاج محمد حنیف صاحب قدس اللہ تعالیٰ سرہ تمام عمر دین متین کی تبلیغ وتدریس کے بعد دارِ فانی سے رحلت فرما گئے[1] اِنا للمولیٰ تعالیٰ واِنا الیہ راجعون، وہ ان سراپا اخلاص علماء میں سے تھے، جنہیں نام ونمود اور دنیاوی منفعت اور معاوضے سے غرض نہیں ہوتی اور وہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے حبیب مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم کی رضا اور خوشنودی کے لئے دین کا پیغام آنے والی نسلوں کو منتقل کرتے رہتے ہیں۔ راقم کو بھی ان سے شرفِ تلمذ حاصل ہے۔

اطمینان کی بات یہ ہے کہ ان کے صاحبزادگان ان کے مشن کو آگے بڑھانے کے لئے مصروفِ کوشش ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرتِ اقدس کو جنت الفردوس میں بلند وبالا مقام عطا فرمائے اور تمام متعلقین کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔

والسلام!

محمد عبدالحکیم شرف قادری

---

[1] تاریخ وصال: ۱۰ ربیع الآخر، ۶ ستمبر ۱۶ ۱۴ھ / ۱۹۹۵ء

خطیبِ پاکستان مولانا محمد شفیع اوکاڑوی رحمہ اللہ تعالیٰ

خطیبِ پاکستان حضرت مولانا الحاج محمد شفیع اوکاڑوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایسے خطیب تھے، جن پر خطابت ناز کرتی ہے، اُن کی تقریر معلومات کا خزانہ اور دلائل و براہین سے آراستہ ہوتی تھی۔ اندازِ بیان اس قدر دل کش اور دل نشین ہوتا تھا کہ مخالف بھی سننے اور سُن کر تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتا تھا۔ سوز و گداز میں ڈوبی ہوئی آواز کا جادو سامعین کو مسحور کر دیتا تھا۔ قرآن پاک کی تلاوت کرتے، تو حاضرین پر ایک کیف طاری ہو جاتا، لوری سُنانے کی فرمائشیں کی جاتیں۔ جب آپ ترنّم کے ساتھ لوری پڑھتے تو شرکائے محفل یُوں دکھائی دیتے، جیسے نیند کے ہلکورے لے رہے ہوں۔ اُن کی خصوصیت یہ تھی کہ اکثر اعلیٰ حضرت امامِ اہلِ سُنّت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ العزیز کا نعتیہ کلام پڑھتے اور اس کے مطالب عام فہم انداز میں بیان فرماتے تھے۔

۱۹۷۲ء میں مدرسہ اسلامیہ اشاعت العلوم چکوال کی طرف سے مسجد خواجگان میں جلسہ عید میلاد النبی صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کا اہتمام کیا گیا، اس میں تقریر کرتے ہوئے علامہ اوکاڑوی نے فرمایا:

"آج کل عجیب ماحول بن گیا ہے، کسی کے بارے میں معلوم کرنا ہو کہ وہ سُنّی ہے یا نہیں؟ تو کہا جاتا ہے کہ وہ پکّا سُنّی ہے۔ میلاد شریف اور گیارھویں شریف مناتا ہے، کھڑے ہو کر صلوٰۃ وسلام پڑھتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس کے ساتھ ہی دریافت کیا جائے کہ وہ نماز بھی پڑھتا ہے یا نہیں؟ تو جواب نفی میں ملتا ہے۔

پھر زور دے کر فرمایا:

یہ کیسی سُنیت ہے ؟ سُنی تو وہ ہے جو فرض تو فرض حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سُنت بھی ترک نہ کرے۔ جو اللہ تعالیٰ کا فرض ہی ادا نہیں کرتا، وہ کیسا سُنی ہے ؟

حضرت علامہ اوکاڑوی (رحمہ اللہ تعالیٰ)، مرنجاں مرنج شخصیت کے مالک تھے بڑوں کا پاسِ ادب اور چھوٹوں پر شفقت وکرم، اُن کے نمایاں ترین اوصاف تھے نجی گفتگو میں زندہ دلی، خوش مزاجی اور خوش اخلاقی ان کی طبیعتِ ثانیہ تھی۔

راقم کو چند مرتبہ ہری پور ہزارہ اور راولپنڈی میں حضرت کی ملاقات کا شرف حاصل ہوا اور ہر دفعہ اُن کی محبت کا رنگ پہلے سے گہرا ہوتا گیا۔ مولائے کریم اُن کے فرزند ارجمند جناب کوکب نورانی کو توفیق عطا فرمائے کہ اپنے والد ماجد کے مشن کو نہ صرف جاری رکھیں، بلکہ مزید آگے بڑھانے کی کوشش کریں۔ [۱]

خطیبِ پاکستان مولانا محمد شفیع اوکاڑوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا انتقال ۲۱؍ رجب، ۲۴؍ اپریل ۴۔ ۱۴۰۴ھ / ۱۹۸۴ء کو صبح کے وقت کراچی میں ہوا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً

---

[۱] یہ تاثر "خطیبِ پاکستان اپنے معاصرین کی نظر میں" ناشر دادا بھائی فاؤنڈیشن، کراچی، ۱۹۸۶ء میں شائع ہوا۔

عظیم نعت گو جناب محمد علی ظہوری مدظلہ

محترم و مکرم جناب نشاط احمد شاہ ساقی صاحب زید مجدہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ! مزاج شریف !

راقم کے زمانۂ طالب علمی کی بات ہے کہ خطیبِ اہل سنّت حضرت علامہ مولانا محمد شریف نوری قصوری رحمہ اللہ تعالیٰ اور جناب محمد علی ظہوری قصوری مدظلہٗ کی مشترکہ کوششوں سے ایک رسالہ نور و ظہور جاری ہوا — ان دونوں حضرات نے ایک طرف آواز کا، اور دوسری طرف قلم کا جادو جگایا، اور سامعین کے ساتھ ساتھ قارئین کو بھی اپنا گرویدہ بنا لیا — یہ تھا جناب ظہوری سے پہلا تعارف !

پھر کیا تھا، اُن کے نغماتِ نعت سے شرق و غرب گونج اُٹھے، اور نعت ہی کی برکت سے انہیں کئی مرتبہ حرمین شریفین کی زیارت نصیب ہوئی۔ اُن کے کلام میں سلاست ہے، نغمگی ہے، وجد و کیف ہے۔ مسلکِ اہل سنّت کی ترجمانی ہے اور اللہ تعالیٰ کے حبیب صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی ذاتِ اقدس اور آپ کے شہرِ مبارک، مدینۂ منوّرہ کے ساتھ والہانہ عقیدت و محبّت ہے۔ ان کے کلام نے لاکھوں دلوں کو نورِ ایمان سے منوّر کیا ہے۔ مولائے کریم جل مجدہٗ انہیں صحت و عافیت کے ساتھ سلامت رکھے۔

۲۸ فروری ۱۹۸۹ء محمد عبدالحکیم شرف قادری

ڈاکٹر محمد مبارز ملک پروفیسر شعبۂ عربی پنجاب یونیورسٹی

پیش نظر کتاب شیطان رُشدی اور اُس کی خرافات کا جائزہ، ڈاکٹر شمس الدین فاسی مدظلہ، کی تصنیف لطیف آیاتِ سماویۃ فی الرّد علیٰ کتاب آیات شیطانیۃ کا اُردو ترجمہ ہے۔ یہ پہلی کتاب ہے جس میں شیطان رُشدی کے بہتانوں پر دلائل و براہین کے ساتھ رد کیا گیا ہے۔ ہر مسلمان کو اس کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

ڈاکٹر صاحب موصوف خانوادۂ سادات کے عالم و فاضل اور جلیل القدر فرد ہیں۔ ان کا وطن اصلی مصر ہے۔ انہوں نے مکّۃ مکرمہ، سری لنکا، بمبئی اور کوریا کی یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کی اور آجکل لندن میں قیام پذیر ہیں۔ ہر سال میلاد شریف کے موقع پر اسلامی تنظیموں کو اتحاد کی لڑی میں پرونے کے لئے بھرپور کوشش کرتے ہیں۔ انہوں نے پیشِ نظر کتاب لکھ کر وہ فرض کفایہ ادا کیا ہے، جو نبی اکرم، رسُولِ محتشم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی عزّت و ناموس اور تقدّس کے تحفظ کے سلسلے میں تمام اُمّتِ مسلمہ پر عائد ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں تمام امّتِ مُسلمہ کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔ یہ کتاب قاہرہ، مصر سے شائع ہوئی ہے۔

راقم کے مہربان دوست اور پنجاب یونیورسٹی کے شعبۂ عربی کے اسسٹنٹ پروفیسر ڈاکٹر محمد مبارز ملک، ۷ فروری ۱۹۸۹ء کو جامع ازہر، قاہرہ کی دعوت پر تین ماہ کے لئے مصر گئے۔ وہاں انہوں نے شعبۂ اُردو میں عربی زبان میں لیکچر دیئے۔ واپسی پر آیاتِ سماویہ کا ایک نسخہ بھی لیتے آئے۔ نبی اکرم، رسُولِ معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی ذاتِ اقدس اور آپ کی تعلیمات کے ساتھ انہیں والہانہ عقیدت و محبت ہے اسی عقیدت کی بناء پر انہوں نے اس کتاب کا ترجمہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں

دُنیا و آخرت میں بہتر جزا عطا فرمائے اور دینِ اسلام کی مزید خدمات کی توفیق عطا فرمائے۔

جناب ڈاکٹر پروفیسر محمد مبارز ملک ابن ملک دوست محمد ۴ مئی ۱۹۴۰ء کو واں بھچراں، ضلع میانوالی میں پیدا ہوئے۔ واں بھچراں کے مشہور و معروف صاحبِ ثروت و خیر ملک محمد مظفر خاں بہادر رحمہ اللہ تعالیٰ ان کے جدِّ امجد تھے۔ ان کا قائم کردہ مدرسہ جامعہ مظفریہ رضویہ، واں بھچراں، آج بھی دینِ متین اور علوم اسلامیہ کی گراں قدر خدمات انجام دے رہا ہے۔

جناب پروفیسر محمد مبارز ملک نے ۱۹۶۰ء میں واں بھچراں کے ہائی سکول سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ پھر ایف۔اے اور اس کے بعد ۱۹۶۴ء میں گورنمنٹ کالج، لاہور سے بی اے اور ۱۹۶۹ء میں پنجاب یونیورسٹی سے ایم۔اے عربی کیا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہر امتحان فسٹ ڈویژن میں پاس کیا۔ ۱۹۷۰ء میں ایم اے اسلامیات کا امتحان دیا اور کامیاب ہوئے۔

۱۹۸۰ء سے پنجاب یونیورسٹی میں ایم۔اے عربی کے لیکچرار مقرر ہوئے اور ۱۹۸۷ء میں اسسٹنٹ پروفیسر مقرر ہوئے۔ اسی اثناء میں مشہور ادیب، بلیغ اور ماہر زبانِ عربی، صاحب بن عباد کی حیات اور تصانیف پر عربی زبان میں تین سو صفحات پر مشتمل مقالہ لکھا، جس میں صاحب بن عباد کی لغت عربی کی تصنیف کتاب المحیط کے ۱۲۰ صفحات کا تنقیدی مطالعہ بھی شامل تھا۔ اس مقالہ کی بنیاد پر انہیں ۱۹۸۵ء میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری ملی۔

۱۹۵۹ء میں مناظر اہل سنت، فخر المدرسین حضرت مولانا علامہ اللہ بخش رحمہ اللہ تعالیٰ، واں بھچراں کے درویش منش رئیس ملک مظفر خاں بہادر کی

دعوت پر بحیثیتِ خطیب، مدرّس اور مہتمم جامعہ منظریہ رضویہ، واں بھچراں تشریف لے گئے۔ اُن کی تشریف آوری عظیم انقلاب کا پیش خیمہ ثابت ہوئی، ہر سمت صلوٰۃ وسلام کے نغمے گونجنے لگے۔ پاکستان، آزاد کشمیر اور افغانستان کے طلباء کشاں کشاں اُن کے چشمۂ فیض سے سیراب ہونے کے لئے حاضر ہونے لگے۔ اُن کی پرکشش شخصیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ خانوادۂ رؤسا کا ایک نوجوان محمد مبارز ملک جو سکول اور کالج میں تعلیم حاصل کر رہا تھا، اُن کی خدمت میں حاضر ہو کر علومِ دینیہ کے حصول کے لئے زانوئے تلمذ طے کرنے لگا، اور اُن کی نگاہِ کیمیا اثر کا فیض ہے کہ ڈاکٹر محمد مبارز ملک، جامعہ پنجاب کے اسسٹنٹ پروفیسر بن چکے ہیں، اس کے باوجود وہ علوم دینیہ کی تحصیل میں مصروف ہیں، اور اپنے آپ کو علم کے لئے وقف کر چکے ہیں۔ [۱]

---

[۱] دیباچہ: "شیطان رُشدی اور اُس کی خرافات کا تنقیدی جائزہ"

(۱۰ اربیع الآخر ۱۰/ نومبر، ۱۴۱۰ھ/۱۹۸۹ء)

سرکارِ کلاں کچھوچھہ شریف رحمہ اللہ تعالیٰ

حضرت آفتابِ شریعت وطریقت ابوالمسعود سید شاہ محمد مختار اشرف اشرفی جیلانی سجادہ نشین آستانہ عالیہ اشرفیہ سرکارِ کلاں کچھوچھہ شریف (انڈیا) کی اس دارِ فانی سے رحلت دُنیائے سُنیّت کے لئے بہت بڑا سانحہ ہے۔
حضرتِ اقدس علیہ الرحمہ نہ صرف یہ کہ اپنے جدِّ امجد شبیہِ سیدنا غوثِ اعظم، شیخ المشائخ حضرت سید شاہ علی حسین اشرفی جیلانی قدس سرہٗ کے تربیت یافتہ اور جانشین تھے، بلکہ موجودہ دَور کی عظیم ترین علمی اور رُوحانی شخصیت تھے۔ آپ اہلِ سُنّت وجماعت کے لئے سایۂ رحمت تھے، آپ کی ذات بابرکات اتحادِ اہلِ سُنّت کا مؤثر ترین ذریعہ تھی۔

حضرت جب پاکستان تشریف لاتے، تو مفتی اعظم پاکستان حضرت علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری قدس سرہ العزیز، بانی دارالعلوم حزب الاحناف، لاہور، کے پاس قیام کرتے۔ آپ کے تشریف لانے سے علماء، صلحاء اور عقیدت مندوں کی چہل پہل ہو جاتی تھی۔ کوئی رُوحانی اور علمی فیوض وبرکات حاصل کرنے کے لئے حاضر ہوتا اور کوئی آپ کی زیارت سے مستفیض ہونے کے لئے حاضر ہوتا۔

راقم کو آپ سے گفتگو کرنے کا تو موقع نہیں ملا، البتہ ایک دفعہ لاہور میں آپ کی زیارت کی اور ایک دفعہ راولپنڈی میں آپ کا خطاب سننے کا شرف حاصل ہوا۔

آپ کی ذاتِ اقدس اسلام اور مسلکِ اہلِ سنّت و جماعت کی حقانیت کی چلتی پھرتی بُرہان تھی۔ آپ نے نہ صرف ہندوستان کے گوشے گوشے میں اسلام اور سُنّیت کا پیغام پہنچایا، بلکہ اسلامی ممالک اور یورپ بھی تشریف لے گئے اور جہاں گئے اسلام کی تبلیغ کی۔ آپ کے مریدین اور عقیدتمندوں کا حلقہ بھی بہت وسیع ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرتِ والا کو جنّت الفردوس میں بلند و بالا مقام عطا فرمائے آپ کے متعلقین کو صبرِ جمیل عطا فرمائے اور ملّتِ اسلامیہ کو ان کے فیض و برکت سے مالا مال فرمائے اور آپ کے فرزند ارجمند حضرت علامہ سید محمد اظہار اشرف اشرفی جیلانی، کچھوچھہ شریف کو آپ کا بہترین جانشین بنائے اور انہیں اپنے عظیم والد کے مشن کو جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ـــــ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ و رضی اللہ تعالیٰ عنہ ـــــ والسلام!

۹ رجب ۱۴۱۷ھ / ۲۱ نومبر ۱۹۹۶ء کو حضرت دارِ فانی سے رحلت فرما گئے۔

یکم رمضان المبارک ۱۴۱۷ھ

۱۱ جنوری ۱۹۹۷ء

شریکِ غم:-

محمد عبدالحکیم شرف قادری

خطیبِ مشرق مولانا علامہ مشتاق احمد نظامی رحمہ اللہ تعالیٰ

(مدیر "پاسبان" الہ آباد، بھارت)

محترم و مکرم جناب مولانا انوار احمد صاحب زید مجدہٗ فرزند خطیب مشرق

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'!

ماہنامہ اشرفیہ، مبارکپور کے ذریعے یہ جان کر سخت صدمہ ہوا کہ پاسبانِ سنیت، خطیبِ مشرق حضرت مولانا علامہ مشتاق احمد نظامی رحمہ اللہ تعالیٰ رحلت فرما گئے ہیں[1]۔ اِنّا للمولیٰ تعالیٰ وانا الیہ راجعون۔

جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور کے اساتذہ اور طلباء نے اجتماعی طور پر حضرت کے لئے ایصالِ ثواب کیا۔ راقم نے جامع مسجد عمر روڈ لاہور میں نمازِ جمعہ کے بعد، ان کے درجات کی ترقی کے لئے دعا کی اور ایصال ثواب کیا۔

مولائے کریم جل مجدہ نے انہیں زبان و قلم پر پورا کنٹرول عطا کیا تھا، اسی لئے خطابت کا سٹیج ہو، مناظرہ کا رن ہو یا تصنیف و صحافت کا میدان، ہر جگہ وہ ممتاز اور نمایاں نظر آتے تھے۔ انہوں نے ماہنامہ پاسبان جاری کیا اور طویل عرصہ تک کامیابی سے چلاتے رہے۔ سنی تبلیغی جماعت قائم کی، دار العلوم غریب نواز قائم کیا، ایک دنیا انہیں خون کے آنسو کے مؤلف کی حیثیت سے جانتی ہے۔ میدانِ مناظرہ میں بڑے بڑے جغادری مناظروں کو پچھاڑا اور تمام زندگی پرچم اسلام بلند کرنے

---

[1] تاریخ وفات : ۳۰ اکتوبر ۱۹۹۰ء

اور سُنیّت کا پھریرا لہرانے کے بعد اپنے ربِ کریم کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے
انہوں نے بڑی کامیاب اور مصروف زندگی گزاری اور انشاء اللہ تعالیٰ العزیز
عالمِ برزخ میں بھی کامیاب رہیں گے اور قیامت کے دن حضور سیدِ عالم
صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے عَلَمِ شفاعت کے سائے میں جگہ پائیں گے،
سُرخ رُو ہوں گے اور سرفراز ہوں گے۔ آخر انہوں نے تمام زندگی
عظمتِ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پاسبانی کرتے ہوئے گزاری ہے
اللہ تعالیٰ انہیں فردوسِ بریں میں بلند و بالا مقام عطا فرمائے۔
تمام پسماندگان اور متعلقین کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔

والسلام !

شریکِ غم ؛ محمد عبد الحکیم شرف قادری

۱۵ ردسمبر ۱۹۹۰ء

حضرت مولانا قاری مُصلح الدّین قُدّس سرّہٗ

جناب غلام محمد قادری زید مجدہٗ
ناظمِ اعلیٰ دارالکتب حنفیہ، کراچی

سَلام مسنون!

آپ کے دو تین مکتوب یکے بعد دیگرے موصول ہوئے۔ معذرت خواہ ہوں کہ فوری طور پر جواب ارسال نہ کرسکا۔ کچھ تو مصروفیات آڑے آئیں اور کچھ یہ احساس کہ سُوءِ اتفاق سے فقیر کو حضرت پیرِ طریقت مولانا قاری محمد مصلح الدین رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں زیادہ حاضری کا موقع نہ مل سکا، اس لئے تفصیلی طور پر ان کے بارے میں لکھنے سے معذور ہوں۔ ایک یا دو مرتبہ لاہور میں حضرت قاری صاحب قدس سرہٗ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ پھر جب راقم ۱۹۸۱ء میں حرمین طیبین کی حاضری سے واپس کراچی پہنچا تو جنابِ شوکت میاں صاحب مدظلہٗ کے ہاں حضرت مفتیٔ اعظم ہند قدس سرہٗ کے ایصالِ ثواب کی محفل میں ان سے ملاقات ہوئی، دیکھتے ہی پہچان لیا اور بڑی شفقت سے پیش آئے، جہاں اُن کی محبت و شفقت کا دل پر گہرا اثر ہوا، وہاں اُن کی قوتِ حافظہ نے تعجب میں ڈال دیا۔

حضرت قاری صاحب قدس سرہٗ کو حضرت مفتیٔ اعظم ہند قدس سرہٗ سے اجازت و خلافت کا شرف حاصل تھا، اُن کا حلقۂ احباب و مریدین بہت وسیع تھا۔

حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ عالم باعمل تھے، اُن کی شخصیت مسحور کُن حد تک پُرکشش اور محبوبیت کی حامل تھی۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ

کے مسلک پر نہ صرف خود کاربند تھے، بلکہ اُن کے دامن سے وابستہ حضرات بھی راسخ العقیدہ سُنّی حنفی ہیں اور مسلکِ اولیاء کے پابند۔ مدینہ طیّبہ میں چند حضرات سے ملنے کا اتفاق ہوا معلوم ہوا کہ یہ حضرت قاری صاحب کے متعلقین ہیں اور اُن کے فیضِ صحبت کا یہ اثر ہوا کہ نبی عربی فداہٗ اَبی واُمّی کی محبت سے اس قدر سرشار ہوئے کہ ہمیشہ کے لئے دیارِ حبیب میں ڈیرہ ڈال دیا۔ قابلِ صد رشک ہے وہ شخصیت جس کی ہم نشینی خدا و رسُول (جلّ وعلا وصلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم) کی محبت سے سرشار کردے، پھر اُن کے حلقہ بگوش صرف زبانی طور پر ہی نہیں، عملی طور پر اُن کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔ داڑھی حکمِ شریعت کے مطابق، صوم وصلوٰۃ کے پابند اور مسائل کی باریکیوں سے آشنا اور اُن پر عمل پیرا۔

حضرت مولانا شاہ تراب الحق صاحب مدظلہٗ اُن کے صحیح جانشین اور مسلکِ اہل سُنّت کی تبلیغ واشاعت کی اسی لگن کے حامل ہیں۔ دارالکتب حنفیہ کراچی، حضرت قاری صاحب قدّس سرّہٗ کی خوابوں کی تعبیر اور اُن کی دلی امنگوں کا ثمر ہے۔

خدا کرے کہ قاری صاحب کا لگایا ہوا یہ پودا بار آور اور سایہ دار درخت بن جائے اور قاری صاحب (رحمہ اللہ تعالیٰ) کے احباب اور مریدین کو ان کا مشن جاری رکھنے کی توفیق عطا ہو۔ آمین ! [1]

والسّلام !

۱۳ ربیع الاوّل ۱۴۰۵ھ
۷ دسمبر ۱۹۸۴ء

محمّد عبدالحکیم شرف قادری

---

[1] قاری صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی وفات ۷ جمادی الاُخریٰ ۲۳ مارچ ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء کو کراچی میں ہوئی۔ یہ تاثر عرفان منزل کراچی مصلح الدّین نمبر میں شائع ہوا۔

اُستاذِ گرامی مولانا سیّد منصور حسین شاہ رحمہ اللہ تعالیٰ

اُستاذ گرامی مولانا سیّد منصور حسین شاہ صاحب، تقویٰ، پرہیز گاری اور اخلاص کا پیکر تھے۔ کم گو مگر مہمان نواز، گفتگو کرتے وقت تبسم زیرِ لب رہتا، کبھی قہقہہ لگاتے ہوئے نہ دیکھا۔ صوم وصلوٰۃ کے پابند، شب زندہ دار، رات کو اکثر مدرسہ جامعہ رضویہ فیصل آباد میں چہل قدمی کرتے ہوتے دکھائی دیتے۔ کہیں جلسہ ہوتا تو وہاں پہنچ جاتے اور ایک طرف چہل قدمی کرتے رہتے اور تقریرات سنتے۔ شب بیداری کی بناء پر اسباق پڑھاتے پڑھاتے سو جاتے، آنکھ کھلتی تو بات وہیں سے شروع کر دیتے، جہاں سے چھوڑی تھی۔

راقم نے فارسی اور صرف کی کچھ کتابیں ان سے پڑھی تھیں۔ ان کی شفقت اور محبت کا اثر آج تک محسوس کرتا ہوں۔ جب راقم بندیال پڑھ رہا تھا، تو ایک دفعہ حاضر ہوا، طلبہ سے صیغے پوچھ رہے تھے۔ مجھے فرمانے لگے مولوی! تم بھی صیغہ بتاؤ گے؟ میں نے عرض کیا: آپ کی شفقت سے کافی صیغے آگئے ہیں۔

حضرت محدّثِ اعظم پاکستان مولانا محمد سردار احمد چشتی قادری رحمہ اللہ تعالیٰ سے والہانہ عقیدت و محبت رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حیاتِ مُستعار کی آخری سانس تک جامعہ رضویہ میں ہی رہے۔

ایک دفعہ راقم نے ان کے بارے میں پوچھنا چاہا، دو یا تین باتیں بتائیں جو میں نے نوٹ کر لیں۔ (اب وہ نوٹ بھی نجانے کہاں ہے؟) جب انہوں نے محسوس کیا کہ یہ تو لکھ رہا ہے، تو بالکل خاموش ہو گئے، اس کے بعد عام گفتگو بھی نہ کی۔ مجبوراً اجازت لے کر واپس آگیا۔

راقم جب جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور میں مدرس مقرر ہوا، تو ایک دفعہ تشریف لائے تھے، دراصل وقتاً فوقتاً حضرت داتا گنج بخش قدس سرہ العزیز کے مزار شریف پر حاضری دیا کرتے تھے۔ ایسے ہی ایک موقع پر فقیر پر کرم فرمایا اور تھوڑی دیر ٹھہر کر تشریف لے گئے۔ شاید یہ آخری ملاقات اور زیارت تھی۔

۱۴ر رجب، ۱۰ر جون بروز ہفتہ ۱۳۹۹ھ/ ۱۹۷۹ء کو استاذ العلماء پیکرِ اخلاص و کرم حضرت مولانا سید منصور حسین شاہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا وصال ہوا اور غلام محمد آباد کے بڑے قبرستان میں آخری آرام گاہ بنی۔

۱۰ر اگست ۱۹۹۲ء

محمد عبد الحکیم شرف قادری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم ۔ بسم اللہ الرحمن

عزیز محترم فاضل محتشم مولانا مولوی سید محمد مسعود حسین شاہ صاحب

کو اللہ عزوجل کی برکت سے پھر اس کے رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام

کی برکت بعدہ بزرگان دین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی برکات سے

وظائف شریفہ دلائل الخیرات ۔ قصیدہ بردہ ۔ قصیدہ غوثیہ

حزب البحر و دیگر اوراد و اعمال جائزہ منقولہ کے پڑھنے

کی وجہ اعمال و تعویذات جائزہ منقولہ کے کرنے کی

اجازت دیتا ہوں ۔ نیز سلسلۂ عالیہ قادریہ رضویہ و سلسلۂ

چشتیہ صابریہ سراجیہ کی بھی اجازت دیتا ہوں اور

اعمال صالحہ کرنے کی وصیت کرتا ہوں بعدہ یہ بھی وصیت کرتا ہوں

کہ دعوات صالحہ مخصوصہ میں اس فقیر کو بھی یاد رکھیں

فقط فقیر محمد معین الدین الشافعی الرضوی عفی عنہ

خادم جامعہ رضویہ لائل پور

٢٥ محرم الحرام سنہ ١٣٨٢ھ بروز جمعہ مبارکہ

محقق قلمکار سیّد نور محمّد قادری رحمہ اللہ تعالیٰ

محترم و مکرّم جناب سیّد محمد عبداللہ صاحب زید مجدہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

راقم الحروف رجبی شریف کے پروگرام میں شرکت کے لئے پیرجو گوٹھ (سندھ) گیا ہوا تھا، آج صبح واپس پہنچا، تو آپ کے مکتوب سے یہ دلدوز خبر ملی کہ جناب محترم فاضل محقق سیّد نور محمد قادری رحمہ اللہ تعالیٰ انتقال فرما گئے ہیں۔

اِنَّا لِلّٰہِ تَعَالٰی وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ۔

اس خبر وحشت اثر سے شدید صدمہ ہوا۔ سیّد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے راقم کا بیس ۲۰ پچیس ۲۵ سال سے رابطہ تھا۔ خط وکتابت بھی رہی، اُن کی شفقت ومحبت ہمیشہ یاد رہے گی۔ وہ علمی مراکز سے دُور دراز علاقے میں رہنے کے باوجود وسیع لائبریری رکھتے تھے، اور بڑی بات کہ ان کا مطالعہ بہت وسیع تھا، امام احمد رضا بریلوی، حضرت قاضی سلطان محمود آوان شریف اور علامہ اقبال سے بڑی عقیدت ومحبت رکھتے تھے اور ان حضرات کے بارے میں انہوں نے بڑی علمی اور تحقیقی تحریریں یادگار چھوڑی ہیں علامہ اقبال کا آخری معرکہ، مولانا احمد رضا خاں بریلوی کی نعتیہ شاعری اور حضرت قاضی سلطان محمود آوان شریف، ان کی یادگار تحریریں ہیں۔

اللہ تعالیٰ انہیں اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور ان کی قبر پر رحمتوں کی بارش برسائے اور تمام پسماندگان اور متعلّقین کو صبرِ جمیل عطا فرمائے[1]

جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور میں حضرت کے لئے ایصالِ ثواب کیا گیا۔ نیز اجتماعی طور پر بھی ایصالِ ثواب کیا جائے گا۔ ان شاء المولیٰ تعالیٰ۔ والسّلام

شریکِ غم:۔ محمّد عبدالحکیم شرف قادری

۱۰ر دسمبر ۱۹۹۶ء

---

[1] سیّد نور محمّد قادری رحمہ اللہ تعالیٰ ۲ر رجب، ۱۴۱۷ھ/ ۱۴ر نومبر ۱۹۹۶ء کو دارِ فانی سے رحلت فرما گئے۔

مولانا علامہ شیخ الحدیث مفتی محمد وقار الدین رحمہ اللہ تعالیٰ

حضرت فقیہِ جلیل مولانا علامہ مفتی محمد وقار الدین رحمہ اللہ تعالیٰ موجودہ دور کے اکابر علماء میں سے تھے۔ علومِ دینیہ، خاص طور پر فقہ اور حدیث پر اُن کی نظر بہت گہری اور وسیع تھی۔ اُن کے فتاوٰی کے مطالعہ سے اُن کے تبحّرِ علمی کا پتا چلتا ہے۔ حضرت محدثِ اعظم پاکستان مولانا محمد سردار احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ سلسلۂ قادریہ رضویہ میں حجۃ الاسلام حضرت مولانا حامد رضا خاں بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مرید تھے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ مسلکِ اہل سنّت پر سختی سے کاربند تھے اور علماء اہل سنّت وجماعت کے فتاوٰی کی پُرزور تائید فرماتے تھے۔

وضع قطع میں سادگی اور گفتگو میں تواضع اور حلیمی اُن کی شخصیت کا طرۂ امتیاز تھا۔

تقریباً دس۱۰ سال تک مدرسہ مظہرِ اسلام، بریلی شریف، آٹھ۸ سال جامعہ احمدیہ سُنّیہ، چٹاگانگ، اور تقریباً بیس۲۰ سال جامعہ امجدیہ، کراچی میں فرائضِ تدریس انجام دیتے رہے۔

۲۰ ربیع الاوّل، ۱۹ اگست ۱۴۱۳ھ / ۱۹۹۲ء کو دارِ فانی سے رخصت ہوئے اور اپنے پیچھے رشتہ داروں کے علاوہ سینکڑوں تلامذہ اور ہزاروں نیازمندوں کو سوگوار چھوڑ گئے۔ اللہ تعالیٰ اُن کی قبرِ انور پر رحمت ورضوان کی بارش برسائے، اور اُن کے درجات بلند فرمائے۔

مولانا فضل امام خیرآبادی کی ایک غیر مطبوعہ تصنیف

مُقدّمۂ تاریخ یا خلاصۃ التواریخ (فارسی)

اس کتاب کے دو نسخے ہماری نظر سے گزرے ہیں:

۱۔ عجائب گھر لائبریری (لاہور) میں A G C - N ۵۹۰ محفوظ ہے۔ یہ نسخہ ۳۶۹ ورق پر مشتمل اور خوشخط لکھا ہوا ہے۔ اس نسخہ پر کتاب کا نام مقدّمہ تاریخ لکھا ہوا ہے۔

۲۔ مولوی عبدالرشید لاجپت نگر (شاہدرہ) کے پاس دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ اب یہ نسخہ مرکز تحقیقات فارسی، ایران و پاکستان کے کتاب خانہ گنج بخش راولپنڈی صدر میں منتقل ہو چکا ہے [۱] اس پر کتاب کا نام خلاصۃ التواریخ لکھا ہے۔

یہ کتاب مولانا فضل امام خیرآبادی (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے ۱۲۲۴ھ میں قیام دہلی کے دوران لکھی — یہ کتاب گویا تاریخ عالم ہے، جس کی ابتداء حضرت سیدنا آدم علیہ السّلام سے کی گئی ہے۔ مولانا نے اس کی اجمالی فہرست اس طرح بیان کی ہے:

گفتارِ اوّل: خلقتِ آدم اور دیگر انبیاء کرام (علیہم السّلام) کے احوال، اِس ضمن میں حضور نبی اکرم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی آل پاک، صحابہ کرام اور ازواجِ مطہّرات کا ذکر آگیا ہے۔

گفتارِ دوم: صوفیائے کرام اور اولیائے عظام کے ذکر میں۔

گفتارِ سوم: ملوکِ ایران کے ذکر میں، اس گفتگو کا آغاز سیّدنا آدم علیہ السّلام سے کیا گیا ہے۔ سلاطینِ کیانی، خلفائے عباسیہ، سلاطینِ چنگیزیہ،

---

[۱] ان دونوں کی نشان دہی جناب پروفیسر محمد اقبال مجدّدی نے کی، جس کے لئے راقم شکر گزار ہے۔

اور شاہان تیموریہ کا ذکر کیا ہے۔ یہ سلسلہ ابو نصر محمد اکبر بادشاہ تک پہنچایا ہے۔

گفتارِ چہارم: ان راجوں کا ذکر، جو دہلی اور دیگر بلاد میں حکمران رہے۔

گفتارِ پنجم: غزنی اور لاہور کے حکام کے بیان میں، یہ سلسلہ بابر کے ہندوستان آنے اور ابراہیم کے مارے جانے تک پہنچایا ہے۔

گفتارِ ششم: سلجوقی، صفوی، گجراتی اور مصری اکابر سلاطین کا اجمالی ذکر۔

گفتارِ ہفتم: مشہور حکماء، اطباء اور خوشنویسوں کا ذکر۔

خاتمہ: ہفت اقلیم کے بلاد اور عجائب کا بیان۔

آمدنامہ

مولانا کی مفید تصنیف آمدنامہ فارسی کا ایک باب تراجم الفضلاء کے نام سے انگریزی ترجمہ اور حواشی کے ساتھ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی کی طرف سے ۱۹۵۶ء میں شائع ہو چکا ہے۔

ضمیمہ باغی ہندوستان

بسم الله الرحمن الرحيم نحمده ونصلي على رسوله الكريم

الحمد لله وكفى، والصلاة والسلام على الرسل الكرام، والأنبياء العظام، وملائكته ذوي الاحترام
وجميع عباده الذين اصطفى، خصوصاً على سيدهم حبيبه سيدنا ومولانا المصطفى، عليه التحية
والثناء، وآله وصحبه أولي الصدق والصفاء، لا سيما على الأربعة الخلفاء، وجميع التابعين
لهم بإحسان والوفاء، من العلماء والأولياء والعرفاء، أئمة الهدى، **وبعد**
فقد سألني **إجازة السلسلة** العلية **القادرية البركاتية الرضوية**، الأخ
في الله ذو المجد والجاه، العالم العامل، الفاضل الكامل، فخر من الفحول، مولانا المولوي
غلام رسول الرضوي ثم اللائلپوري، **فقد أجزته** على بركة الله تعالى ثم
على بركة رسوله الأعلى صلى الله تعالى عليه وسلم، وبارك وشرف ومجد وكرم، **وأيضاً**
أجزته بجميع الأذكار والأشغال والأوفاق والأعمال كما أجازني بكلها كنزي وذخرتي
ليومي وغدي، شيخي وسيدي وملاذي وأستاذي، **المجدد** الأعظم الأكرم الأفخم
شيخ الإسلام والمسلمين، والدي **اعلحضرت** مولانا المولوي الشاه **أحمد رضا**
خان، أدخله الله تعالى دار الجنان، وأمطر عليه شآبيب الرحمة والرضوان
نفع الله بعلومه نفعاً تاماً، وأسأل الله تعالى أن يجعله نافعاً عاماً، **وأوصيته**
بصرف أوقاته في خدمة الدين المتين، وإعانة السنة السنية لسيد المرسلين
عليه الصلاة والسلام في كل آن وحين، **ونصرة أهل السنة أجمعين، ونكاية**
كفر الكفرة، وبدع المبتدعة الفسقة الفجرة، **وإهانة المرتدين، وإبانة**
مكائدهم، وقلع بنيان مفاسدهم، **فإنها من أعظم القرب**، وأرضى مرضاة
للنبي والرب، جل جلاله وصلى الله تعالى عليه وسلم، **وأرجو منه أن لا ينساني من دعواته**
الصالحات، في حالة من الحالات، وصلى الله تعالى على حبيبنا مصطفى الحسنات، محبوب
مجيب الدعوات، وعلى آله وصحبه جميع الهداة، وابنه الغوث الأعظم والغيث الأكرم، منبع البركات
وحزبه إلى آخر الآنات. كتبه بقلمه الفقير مصطفى رضا القادري النوري غفر له ٦ / ربيع الآخر [illegible]

سند علامہ غلام رسول رضوی از حضور مفتی اعظم ہند

(سند الفراغ من المدرسة العربية الفتحية الواقعة ببلدة اچھرہ من مضافات لاهور)

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله المتفرد في ذاته الاحد في صفاته و الف الف الصلوة على افضل الرسل محمد ن الذي جاء بالملة الحنيفية البيضاء و على اله و اصحابه و الائمة المجتهدين سيما على الامام الاعظم ابي حنيفة و صاحبيه رضوان الله تعالى عليهم و بعد فان اخانا المولوی غلام رسول بن میاں نبی بخش صاحب من سکنة ماسیه من مضافات دخل هذه المدرسة العربية الفتحيه في الف و ثلثمئة و تسع و خمسين سنة ۱۳۵۹ھ فقرأ و استمع فيها الصحاح الستة و الكتب المرسومة في الذيل و الآن لما طلب منا الاجازة اجزناه و كتبنا له هذه الورقة لتكون سنداً في وقت الضرورة و هو عندنا ذكی صالح [illegible] نوصيه ان يتق الله تعالى في السر و العلانية و يتبع السنة السنية المرضية و ان لا يعدل عن جادة الحق و التحقيق و تقليد الائمة المشهود لهم بالخير و التصديق و يتق صحبة قوم شعارهم سب السلف و ترك التقليد و ان لا يجعل هذه العلوم ذريعة لحصول الدنيا و لا يباهي بها العلماء و لا يماري بها السفهاء و ان يجتنب عما احدثه المبتدعة من انتحال و الاختراع في الدين عاضاً بنواجذه على سنن الصحابة و التابعين و ان لا ينسانا في دعوته الصالحة و يدعو لنا و لباني المدرسة الفتحية و معاونيها و الله الموفق و المعين۔ و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين۔

اسمای الکتب المقروءة: بخاری شریف کامل۔ مسلم شریف۔ ابوداؤد شریف۔ نسائی شریف۔ ترمذی شریف۔ ابن ماجہ شریف۔ موطا امام مالک۔ طحاوی شریف۔ بیضاوی شریف۔ جلالین شریف۔ ھدایہ شریف کامل۔ [illegible]۔ مطول۔ مسلم الثبوت۔ توضیح و التلویح۔ ملا عبد الغفور۔ سراجی شریف۔ مقامات حریری۔ دیوان حماسہ۔ دیوان متنبی۔ ملا حسن۔ میر زاھد ملا جلال۔ قاضی مبارک۔ حمد اللہ۔ رسالہ قطبیہ زاھدیہ غلام یحیی۔ امور عامہ۔ رشیدیہ۔ شرح عقائد نسفی معہ خیالی۔ شرح عقائد جلالی۔ میبذی۔ صدرا۔ شمس بازغہ۔ کتاب الاشارات۔ نخبة الفکر۔ اقلیدس۔ تصریح۔

امضاءات المدرسين الكرام و الاراكين العظام بدار العلوم فتحيه اچھره لاهور

غلام محمد شیخ [illegible] اجرہ [illegible]

محمد اکرم [illegible]

[illegible]

جان محمد غفرلہ

[illegible]

دار العلوم [illegible] لاہور

پنجاب ایجوکیشنل پریس لاہور

سند علامہ غلام رسول رضوی از مدرسہ عربیہ فتحیہ، اچھرہ، لاہور

892

Form G.I.O.(D.)-I. No. 77. 18 DPI—5,000—21-5-35—SGPP Lahore.

Education Department, Punjab.

SESSION 1935.

This is to certify that *Ghulam Rasul*

Student of the District Board Vernacular-Middle School,

Singhpura. District *Gurdaspur*

passed the **Vernacular Final Examination** *held in 1935*

He passed in the following optional subjects :—

Persian.

Science.

LAHORE :

The 1st June 1935.

Lachhman ...

for Registrar, Departmental Examinations,

Education Department, Punjab.

H.Y.

سند مڈل علامہ غلام رسول رضوی

جامعہ نظامیہ رضویہ - لاہور

میں نئے انداز اور نئے معیار کے ساتھ

دورۂ حدیث

افتتاح

مورخہ ۱۱ شوال ۱۳۹۴ھ مطابق ۲۸ اکتوبر ۱۹۷۴ء

اکابر اہلِ سنت بروز سوموار ۸ بجے صبح فرمائیں گے

حدیث کے اساتذہ :

- حضرت استاذ العلماء مفتی محمد عبد القیوم صاحب ناظم اعلیٰ جامعہ
- حضرت علامہ مولانا حسن الدین صاحب ہاشمی سابق شیخ الحدیث جامعہ نعمانیہ لاہور و شیخ الفقہ جامعہ اسلامیہ بہاولپور
- حضرت علامہ مولانا محمد عبد الحکیم صاحب شرف قادری صدر المدرسین جامعہ ھذا

داخلہ یکم شوال سے شروع ہو رہا ہے، درجہ حدیث کے طلبہ کے لیے خصوصی انتظام ہو گا۔

شعبۂ نشر و اشاعت جامعہ نظامیہ رضویہ اندرون لوہاری دروازہ لاہور

جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں دورۂ حدیث کا آغاز

۞ تذکرہ اخیار ملت ۞

ان کا سایہ اک تجلی، ان کے نقش پا چراغ
وہ جدھر گذرے ، ادھر ہی روشنی ہوتی گئی

عظمتوں کے پاسباں

ترتیب :

شرف ملت ، محسن اہل سنت علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری

ملت اسلامیہ کے ان اکابر زعماء کے مستند حالات زندگی نیز ان کی دینی، علمی، ملکی اور ملّی خدمات کا تفصیلی جائزہ جنھوں نے پرچم اسلام بلند رکھنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔

☆ قرآن وحدیث کے انوار و معارف تقریر، تدریس اور تصنیف کے ذریعے عوام و خواص تک پہنچائے۔

☆ دشمنان اسلام کی شاطرانہ چالوں کو ناکام بنایا۔

☆ اپنے علم و عمل سے عشق مصطفیٰ ﷺ کے تحفظ کی خاطر زندگیاں وقف کر دیں

☆ انگریز اور ہندو کی سازشوں کے تاروپود بکھیر دیے۔

☆ فرنگی اور کانگرسی ایجنٹوں کے عزائم کو خاک میں ملا دیا۔

☆ گاندھی کے ساحرانہ طلسم کو پاش پاش کر دیا۔

☆ دوقومی نظریہ کو پروان چڑھایا اور قیام پاکستان میں جماعتی طور پر مسلم لیگ سے بھرپور تعاون کیا اور جہاد کشمیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

☆ قادیانیت کے ناسور کو ختم کرنے کے لئے تحریک ختم نبوت کی قیادت فرمائی اور قیدوبند کی صعوبتوں کو سعادت سمجھتے ہوئے خندہ پیشانی سے قبول کیا۔

ناشر: مکتبہ قادریہ ☆ داتا دربار مارکیٹ ، لاہور ☆